زندگی کو بدل دینے والی رومی، سعدی اور اولیاء کرام کی حکایات پر مبنی

حکایات

کا خوبصورت انسائیکلوپیڈیا

مقدس عدیل

حکایات کا خوبصورت انسائیکلوپیڈیا

حق پبلی کیشنز

A-2 سید پلازہ چٹرجی روڈ، اُردو بازار لاہور

فون:7220631، موبائل: 0300-9422434

297.07

یا اللہ تیرا شکر ہے

"رحمتیں، برکتیں، وسعتیں"

ناشر: عدیل حق، محمد اجمل

جملہ حقوق محفوظ ہیں!

2012

پروڈکشن مینیجر : شہباز احمد شہباز

مارکیٹنگ : شہباز احمد شہباز 03017993805

لیگل ایڈوائزر : عامر وہاب اعوان (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

مطبع : R.R پرنٹرز

کمپوزنگ : انس کمپوزنگ، لاہور

قیمت : 300/-

خوبصورت اور معیاری کتب چھپوانے کے لیے رابطہ کریں۔
عدیل حق 03009422434

فہرست

1- حکایات انبیاء کرام علیہم السلام

2- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات

3- حکایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

4- اولیاء کرام کی حکایات

5- حکایات رومی

6- حکایات شیخ سعدی

7- متفرق حکایات

☆......☆......☆

حکایات انبیاء کرام علیہم السلام

﴿تخلیق آدم علیہ السلام﴾

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبریل امین علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ زمین کی مختلف جگہوں سے مٹی اکٹھی کر کے لائیں۔ جب مٹی لائی گئی تو اس میں پانی ڈالا گیا، یہ مٹی چالیس روز تک اسی حالت میں پڑی رہی۔ جب حضرت آدم کی تخلیق ہو چکی تو اللہ تعالیٰ نے سب فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم کو سجدہ کریں۔ ابلیس کے سوا باقی تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی حکم عدولی کے جرم میں روز جزا تک مردود قرار دے دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام ایک عرصہ تک تنہا زندگی بسر کرتے رہے۔ ایک دن حضرت آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے جب حضرت آدم نیند سے بیدار ہوئے تو ان کے پاس ایک عورت موجود تھی۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تیرے جسم کی ہڈی سے اسے تخلیق کیا اور یہ تیری زوجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہدایت کی کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں جیسے چاہو کھاؤ پیو، امن وچین کی زندگی بسر کرو۔ مگر وہ جو ایک درخت ہے تو کبھی اس درخت کے پاس مت جانا، اگر تم اس کے قریب گئے تو ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جو زیادتی کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے باوجود انہوں نے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم میں دونوں کو زمین کے مختلف حصوں میں اتار دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی، اے پروردگار! ہم نے تیرے حکم کے باوجود ممنوع

درخت کا پھل کھالیا اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہمارے لئے بربادی کے سوا کچھ نہیں۔آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور حضرت حوّا اور حضرت آدم علیہ السلام کی مقامِ عرفات میں ملاقات ہوئی، اس مقام پر حج کا مقدس فریضہ ہر سال نو ذوالحجہ کو ادا ہوتا ہے، اس پہاڑ کا نام جبل رحمت ہے، اس تاریخ کو اس مقام کی حاضری پر حاجی صاحبان کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

یہ فیضان حضرت آدم وحضرت حوا علیہ السلام سے شروع ہوا تھا اور تا قیامت جاری رہے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کھانا مانگا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے سات دانے گیہوں بھیجے۔حضرت جبریل امین نے جب یہ سات دانے حضرت آدم کے ہاتھ پر رکھے تو انہوں نے پوچھا! یہ کیا ہے؟

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے جواب دیا، یہ وہی ہے جس کی وجہ سے تم کو جنت سے نکالا گیا تھا۔اس وقت ایک دانے کا وزن ایک ہزار آٹھ سو درہم کے برابر تھا۔جب حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ ان کا کیا کروں؟ تو جبرائیل نے جواب دیا، ان کو زمین پر پھیلا دو۔انہوں نے ایسا ہی کیا۔اللہ تعالیٰ نے زمین سے فصل پیدا کی، جب فصل پکی تو اس کو کاٹ لیا گیا۔یوں کاشت کاری کا آغاز ہوا۔

حضرت حوّا کے بطن سے صبح کے وقت ایک لڑکا‘ ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اس طرح شام کے وقت ایک لڑکی ایک لڑکا پیدا ہوا، صبح کی لڑکی شام کے لڑکے کے ساتھ بیاہی گئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی، آپ کا ذکر قرآن مجید کی ان سورتوں میں ہوتا ہے۔البقرہ‘ آل عمران‘ المائدہ‘ الاعراف‘ الاسراء‘ الکھف‘ مریم‘طٰہٰ‘یٰس.

اسی حال میں خوش ہوں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہو گئی۔ وہ ناچار ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو گئے، اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ لومڑی بھاگتی ہوئی اپنے بھٹ میں گھس گئی۔ آپ نے یہ دیکھ کر سوچا کہ سبحان اللہ! جانوروں کیلئے تو ٹھکانہ اور میں خانہ بدوش۔ آپ کو یہ خیال آتے ہی ایک مکان جواہر نگار نمودار ہوا اور آواز آئی، اے دوست! اگر مکان درکار ہے تو یہ موجود ہے، ہمارے پاس کسی شے کی کمی نہیں لیکن تمہارے واسطے یہ مرتبہ قلندری اس مکان سے بہت اعلیٰ ہے، آپ نے عرض کیا کہ اے الٰہی! میں اسی حال میں خوش ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے

یونس علیہ السلام فرات کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی کو مسلمانوں سے بھرا ہوا تیار پایا۔ آپ اس کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی نے لنگر اٹھا دیا۔ راہ میں طوفانی ہواؤں نے کشتی کو گھیر لیا اور کشتی طوفانی ہواؤں کی وجہ سے ڈگمگانے لگی اور اہل کشتی کو غرق ہونے کا یقین ہونے لگا، تو اپنے عقیدہ کے مطابق کہنے لگے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشتی میں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہے، جب تک وہ کشتی کو نہ چھوڑے گا نجات مشکل ہے۔ سیدنا یونس علیہ السلام نے سوچا کے اللہ تعالیٰ کو میرا نینویٰ سے وحی کا انتظار کیے بغیر اس طرح چلے آنا پسند نہیں آیا اور یہ میری آزمائش کے آثار ہیں۔ اس پر انہوں نے اہل کشتی سے فرمایا: کہ وہ غلام میں ہوں جو اپنے آقا سے بھاگا ہوا ہوں، تو مجھے اٹھا کر اس سمندر میں پھینک دو مگر ملاح اور اہل کشتی ان کی پاک بازی سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور آپس میں طے کیا کہ قرعہ اندازی کی جائے۔ چنانچہ تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی اور تینوں مرتبہ سیدنا یونس علیہ السلام کے نام

کا قرعہ نکلا، تب مجبور ہو کر انہوں نے سیدنا یونس علیہ السلام کو دریا میں کود جانے کو کہا یونس دریا میں کود گئے تو اس وقت خدا کے حکم سے مچھلی نے ان کو نگل لیا، مچھلی کو اللہ کا حکم صرف نگلنے کا تھا اور یہ تھا کہ یونس علیہ السلام تیری غذا نہیں ہیں اور ان کے جسم کو تکلیف نہ پہنچے۔ سیدنا یونس علیہ السلام نے جب اپنے آپ کو مچھلی کے پیٹ میں زندہ پایا تو اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی ندامت کا اظہار کیا کیونکہ آپ وحی کا انتظار کئے بغیر اور اپنے رب کی اجازت کے بغیر امت سے ناراض ہو کر نینویٰ سے نکل آئے، پھر عفو تقصیر کیلئے اس طرح دعا گو ہوئے، رب العالمین تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو یکتا ہے، میں تیری پاکی بیان کرتا ہوں، بلاشبہ میں اپنے نفس پر خود ہی ظلم کرنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی درد بھری آواز سنی اور توبہ قبول فرمائی، مچھلی کو حکم دیا کہ یونس علیہ السلام کو جو تیرے پاس ہماری امانت ہے۔ اگل دے، چنانچہ مچھلی نے ساحل پر حضرت یونس علیہ السلام کو اُگل دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے ان کا جسم ایسا تھا کہ جیسے پرندہ کا پیدا شدہ بچہ کہ جس کا جسم بے حد نرم ہوتا ہے اور جسم پر بال تک نہیں ہوتے۔ غرض! حضرت یونس علیہ السلام بہت ہی نحیف و ناتواں حالت میں خشکی پر ڈال دیئے گئے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بیلدار درخت اُگا جس کے سایہ میں وہ ایک جھونپڑی بنا کر رہنے لگے۔ چند دن کے بعد ایسا حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس بیل کو کیڑا لگ گیا اور اس نے جڑ کو کاٹ ڈالا۔ جب بیل سوکھنے لگی تو حضرت یونس کو بہت غم ہوا۔ تب رب العالمین نے وحی کے ذریعہ ان کو مخاطب کیا اور فرمایا: کہ یونس! تم کو اس بیل کے سوکھنے کا بہت افسوس ہوا ہے، جو ایک حقیر سی چیز ہے، مگر تم نے نہ سوچا کہ نینویٰ کی ایک لاکھ سے زیادہ آبادی جس میں انسان بس رہے ہیں اور ان کے علاوہ جاندار بھی آباد ہیں، اس کو برباد اور

ہلاک کردینے میں ہم کو کوئی ناگواری نہ ہوگی۔ اور کہا، ہم ان کے لیے اس سے زیادہ شفیق اور مہربان نہیں ہیں، جتنا کہ تم کو اس بیل کے ساتھ انس ہے، جو تم وحی کا انتظار کیۓ بغیر قوم کو بددعا کر کے ان کے درمیان سے نکل آئے ایک نبی کی شان کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ قوم کے حق میں عذاب کی بددعا کرے اور نفرت کے ساتھ ان سے جدا ہونے میں ایسی جلد بازی کرے کہ وحی کا بھی انتظار باقی نہ رہے۔

اس طرح سے ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام بددعا کر کے اہل نینوی سے جدا ہوئے اور ادھر انہوں نے بددعا کے کچھ آثار محسوس کئے۔ نیز حضرت یونس کے بستی کے چھوڑ دینے پر ان کو پختہ یقین ہو گیا کہ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے اور اب ہلاکت و بربادی یقینی ہے۔ تب ہی تو حضرت یونس علیہ السلام ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ یہ سوچ کر فوراً بادشاہ سے لے کر رعایا تک سب کے دل خوف و دہشت سے کانپ اٹھے اور حضرت یونس کو تلاش کرنے لگے، تا کہ ان کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کریں اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار اور خشوع کرنے لگے اور ہر قسم کے گناہ سے کنارہ کش ہو کر آبادی سے نکل کر باہر میدان میں آگئے، حتیٰ کے چوپاؤں کو بھی ساتھ لے آئے اور بچوں کو ماؤں سے جدا کر دیا اور دنیا سے کٹ کر بارگاہ ایزدی میں گریہ وزاری کرنے لگے اور متفقہ بلند آواز میں اقرار کرتے رہے۔

اے ہمارے پروردگار! حضرت یونس تیرا جو پیغام ہمارے پاس لے آئے ہم تمام کے تمام اس کی تصدیق کرتے ہیں اور اس پر دل و جان سے ایمان لاتے ہیں۔ آخر کار رب العالمین نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ انکو دولت ایمان سے نوازا اور ان کو عذاب الیم سے محفوظ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم یونس پر خاص مہربانی فرمائی اور یہ پہلا واقعہ ہے کہ عذاب الٰہی کا اعلان ہو جانے کے بعد پھر عذاب ٹل جائے۔ خداوند کریم ہر شے پر قادر ہے۔

حکمت الٰہی کو اللہ تعالیٰ خود ہی جانتا ہے

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے روحیں قبض کرنے والے فرشتے عزرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اے عزرائیل! آج تک جن لوگوں کی روح تو نے قبض کی ان میں سے کسی پر تجھے کبھی رحم بھی آیا؟ عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار! تو خوب جانتا ہے کہ روح قبض کرتے وقت ہمیشہ میرا دل دکھتا ہے، لیکن تیرے حکم سے سرتابی کی مجال کہاں؟

خدا نے پوچھا، یہ بتا کہ تجھے کس پر سب سے زیادہ ترس آیا؟ اور کس کی موت پر قلب تڑپا؟ عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا "یا الٰہی! ایک موت ایسی ہے جو بھلائے نہیں بھولتی اور وہ غم ایسا ہے جو تنہائی میں بھی میرے ساتھ رہتا ہے۔ ایک کشتی مرد وزن سے بھری ہوئی سمندر میں سفر کر رہی تھی، تو نے حکم دیا کہ اس کشتی کو فنا کر دے، میں نے کشتی کو پاش پاش کر دیا۔ پھر تو نے فرمایا کہ سب مرد وزن کی روحیں قبض کر، لیکن ایک عورت اور اسکے نوزائیدہ بچے کو چھوڑ دے، میں نے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ سب کی جانیں قبض کر لیں۔ ایک بہتے ہوئے تختے پر ماں اور اس کا بچہ رہ گئے۔ سمندر کی لہریں اس تختے کو اپنے ساتھ لیے آگے بڑھتی رہیں اور تیز ہوا نے اسے آناً فاناً سینکڑوں میل دور سمندر کے کنارے پر پہنچا دیا۔ میں ماں اور بچے کے بچ جانے سے بہت خوش ہوا، لیکن اسی دن حکم صادر ہوا کہ اے عزرائیل! جلد ماں کی روح قبض کر اور بچے کو اکیلا چھوڑ دے اے باری تعالیٰ! تو خوب جانتا ہے کہ یہ حکم پا کر میرا بھی کلیجہ کانپ گیا تھا اور جب میں نے اس طفل شیر خوار کو اسکی ماں سے الگ کیا تو مجھے کس قدر تکلیف پہنچی تھی؟

اب اس واقعے پر ایک مدت بیت چکی لیکن وہ بچہ برابر یاد آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کی عرض سن کر فرمایا: "کیا تو جانتا ہے کہ وہ بچہ اب کہاں اور کس

حال میں ہے؟'' اے میرے پروردگار! تجھی کو علم ہے۔عزرائیل نے عرض کیا۔
ارشاد ہوا ''اے عزرائیل'' سن! جب تو نے ماں کی روح قبض کی اور بچے کو تنہا چھوڑ دیا، تو ہم نے سمندر کی ایک موج کو حکم دیا کہ اس بچے کو احتیاط سے ایک ویران جزیرے میں ڈال دے۔اس جزیرے میں ایک سرسبز اور گھنا جنگل تھا۔یہاں صاف شفاف میٹھے پانی کے چشمے بہتے تھے اور بے شمار پھل دار درخت تھے۔اس جزیرے پر ہم نے اپنے فضل و کرم سے محض اس بچے کی خاطر لاکھوں خوش نوا اور حسین پرندے بھیجے، وہ ہر وقت چہچہاتے اور نئے سے نیا راگ الاپتے تھے، ہم نے چنبیلی کے پھولوں اور پتوں کو حکم دیا کہ اس بچے کا بستر تیار کرو تاکہ وہ اس پر آرام کی نیند سوئے۔ہم نے اسے ہر خوف و خطرے سے محفوظ کر دیا۔آفتاب کو حکم دیا کہ اپنی تیز دھوپ اس پر نہ ڈال۔ہوا کو فرمادیا کہ اس پر آہستہ آہستہ چل۔بادلوں کو حکم دیا کہ اس پر مینہ نہ برسا۔بجلی کو ہدایت کی کہ خبردار! اسے اپنی تیزی دکھا کر مت ڈرا۔انہی دنوں جنگل میں بھیڑیئے کی مادہ نے بچے دیئے تھے۔ہم نے اسے حکم دیا کہ اپنے بچوں کے ساتھ اس آدمی کے بچے کو بھی دودھ پلا۔اس کی دیکھ بھال کر اور اسے کوئی گزند نہ پہنچنے دے۔اے عزرائیل! اس نے بھی ہمارے حکم کی تعمیل کی یہاں تک کہ وہ تنہا اور بظاہر بے یارو مددگار بچہ پرورش پا کر خوب صحت منداور بہادر ہو گیا۔ہم نے اس کے پاؤں میں کبھی کانٹا بھی نہ چبھنے دیا۔دنیا جہان کی نعمتیں اسے عطاء کیں اور وہ ان کا شکر بھی ادا کرتا تھا اور اب اے ملک الموت تو جانتا ہے وہ بچہ کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟''
تجھی کو علم ہے اے میرے پروردگار! عزرائیل نے سجدہ کرتے ہوئے عرض کیا۔
فرمایا: وہ بچہ نمرود بن گیا اور اس نے میرے خلیل ابراہیم کو آگ کے الاؤ میں جھونکا، اب وہ خدائی دعویٰ کر کے لوگوں کو میری راہ سے ہٹاتا ہے اور ان پر تشدد کرتا ہے۔

امتحان

ایک دن جب حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے اور بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے گھر میں کھانا کھا رہے تھے اور مے نوشی کر رہے تھے تو ایک قاصد نے حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آ کر کہا، بیل ہل میں جتے تھے اور گدھے ان کے پاس چر رہے تھے کہ سبا کے لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں لے گئے اور نوکروں کو تہ تیغ کیا اور فقط میں ہی اکیلا بچ نکلا کہ تجھے خبر دوں۔ وہ ابھی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک اور آدمی بھی آ کر کہنے لگا کہ کسری تین غول ہو کر اونٹوں پر آ گرے اور انہیں لے گئے اور نوکروں کو تہ تیغ کیا اور فقط میں ہی اکیلا بچ نکلا کہ تجھے خبر دوں۔ وہ ابھی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک اور شخص بھی آ کر کہنے لگا کہ تیرے بیٹے اور بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے گھر میں کھانا کھا رہے تھے اور مے نوشی کر رہے تھے اور دیکھ! بیابان سے ایک بڑی آندھی چلی اور اس گھر کے چاروں کونوں پر ایسے زور سے ٹکرائی کہ وہ ان جوانوں پر گر پڑا اور وہ مر گئے اور فقط میں اکیلا بچ کر نکلا کہ تجھے خبر دوں۔ تب حضرت ایوب علیہ السلام نے اٹھ کر اپنا پیراہن چاک کیا اور سر منڈایا اور زمین پر گر کر سجدہ کیا اور کہا، ننگا میں اپنی ماں کے پیٹ سے نکلا اور ننگا ہی واپس جاؤں گا۔ خداوند تعالیٰ نے دیا اور خداوند تعالیٰ نے ہی لے لیا، خداوند تعالیٰ کا نام مبارک ہو۔

تین کشتیاں

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچا کہ اے پیغمبر! آج تین کشتیاں ڈوبنے والی ہیں۔ سمندر کی طرف جاؤ اور ہماری قدرت کا تماشا دیکھو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں سمندر کی طرف روانہ ہوئے۔ سمندر پُر سکون تھا اور خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ بہت دور سے ایک کشتی آتی ہوئی دکھائی دے رہی

تھی۔ جو آہستہ آہستہ ساحل کی طرف آ رہی تھی۔ ابھی وہ کنارے سے کچھ فاصلے پر ہی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں آواز دی کہ اے کشتی والو! اللہ کا حکم آنے والا ہے۔ ہوشیار رہنا، کشتی والوں نے جب آپ کی بات سنی تو کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ ہم تو اس کے حکم کے پابند ہیں۔ اسے جو منظور ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ کشتی کنارے کی طرف چلی آ رہی تھی کہ اچانک ایک موج اٹھی اور کشتی سے ٹکرائی۔ کشتی ڈولنے لگی اور کشتی والے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنے لگے کہ اتنے میں ایک زبردست موج آئی اور کشتی کو سمندر کی تہہ میں لے گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموشی سے دیکھتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور کشتی آتی ہوئی دکھائی دی، ابھی وہ کنارے سے دور ہی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بھی خبردار کیا، کہ اے کشتی والو! اللہ تعالیٰ کا حکم آنے والا ہے، ذرا احتیاط ہو کر آنا۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو پہلی کشتی کی جانب سے آیا تھا اور کشتی کو آگے کی طرف کرتے رہے۔ حتیٰ کہ وہ کشتی بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈوب گئی۔

تھوڑا سا وقت گزرنے کے بعد تیسری کشتی آتی دکھائی دی۔ آپ نے کشتی والوں کو بتایا کہ تم پر اللہ کا حکم آنے والا ہے۔ ذرا احتیاط ہو کر آنا، انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے نبی! جس طرح آپ سچے ہیں اسی طرح اللہ کا حکم بھی اٹل ہے۔ اسے کوئی نہیں بدل سکتا، لیکن اللہ کی رحمت بھی کوئی چیز ہے اور اسکی رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ حکم بھی اسی کا ہے اور رحمت بھی اسی کی ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز پر غالب ہے، وہ چاہے تو اپنے حکم کو اپنی رحمت کے پردے میں چھپا لے۔

اے اللہ کے نبی! ہم اس کی رحمت پر بھروسہ کر کے آ رہے ہیں اور وہ اپنی رحمت کے صدقے میں ہمیں ضرور امن و سلامتی کے ساتھ کنارے پر پہنچا دے گا۔ ہمیں اس

کی رحمت پر پورا بھروسہ ہے۔ کشتی والوں کا یہ جواب سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش ہو گئے۔ کشتی آہستہ آہستہ آگے آتی رہی، یہاں تک کہ امن وسلامتی کے ساتھ کنارے پر پہنچ گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ اللہ نے تین کشتیاں ڈوبنے کا فرمایا تھا دو تو ڈوب گئیں، لیکن یہ تیسری سلامتی کے ساتھ کنارے پر آ لگی ہے۔ بارگاہ الٰہی میں عرض کہ مولا تو بڑی حکمت والا ہے یا الٰہی! اپنی حکمت تو ہی جانے۔ یہ کشتی کیوں بچ گئی؟

ارشاد ہوا' اے موسیٰ! تو نے سنا نہیں تھا کہ کشتی والوں نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے میرے حکم کو بھی تسلیم کیا تھا لیکن میری رحمت کو بھی آواز دی تھی اور اس پر پورا پورا بھروسہ کیا تھا۔ یہ کشتی میری رحمت کے طفیل بچ گئی، جو بھی میری رحمت کے دروازے پر آ کر صدا دیتا ہے میں اسے نا اُمید نہیں کرتا۔

﴿ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام﴾

حضرت مریم علیہا السلام اپنے خلوت کدہ میں مشغول عبادت رہتیں اور ضروری حاجات کے علاوہ کبھی اس سے باہر نہ نکلتیں۔ ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ کے مشرقی جانب لوگوں کی نگاہوں سے دور کسی ضرورت سے ایک گوشہ میں تنہا بیٹھی تھیں کہ اچانک اللہ تعالیٰ کا فرشتہ (جبرئیل امین) انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ حضرت مریم نے ایک اجنبی شخص کو اپنے سامنے بے حجاب دیکھا تو گھبرا گئیں اور فرمانے لگیں۔ اگر تجھ کو کچھ بھی خدا کا خوف ہے تو میں خدائے رحمٰن کا واسطہ دے کر تجھ سے پناہ چاہتی ہوں، فرشتے نے کہا مریم علیہ السلام! خوف نہ کھائیں، میں انسان نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں اور میں تجھ کو بیٹے کی بشارت دینے آیا ہوں۔ سیدہ مریم علیہ السلام نے سنا تو از راہ تعجب فرمانے لگیں کہ میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ مجھ کو آج تک کسی نے بھی ہاتھ

نہیں لگایا، اس لیے کہ نہ تو میں نے نکاح کیا ہے اور نہ ہی میں زانیہ ہوں۔ فرشتے نے جواب دیا میں تو تیرے پروردگار کا قاصد ہوں، اس نے مجھ سے اسی طرح کہا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے، کہ یہ میں اس لیے کروں گا کہ تجھ کو اور تیرے لڑکے کو کائنات کے لیے اپنی قدرت کاملہ کے اعجاز کا نشان بنا دوں اور لڑکا میری جانب سے رحمت ثابت ہوگا اور میرا فیصلہ اٹل ہے۔ اے مریم علیہ السلام! اللہ تعالیٰ تجھ کو ایسے لڑکے کی بشارت دیتا ہے جو اس کا کلمہ ہوگا، اس کا لقب مسیح اور اس کا نام عیسیٰ (یسوع) ہوگا اور وہ دنیا اور آخرت دونوں میں باوجاہت اور باعظمت رہے گا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نشان کے طور پر بحالت شیر خوارگی لوگوں سے باتیں کرے گا اور سن کہولت (بڑھاپے کا ابتدائی دور) بھی پائے گا۔ تاکہ کائنات کی رشد و ہدایت کی خدمت کی تکمیل کرے اور یہ سب کچھ ضرور ہو کر رہے گا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون قدرت ہے، جب وہ کسی شے کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو اس کا محض یہ ارادہ اور حکم ہوتا ہے کہ ہو جا، اس شے کو نیست سے ہست کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ یوں ہی ہو کر رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی کتاب عطاء کرے گا۔ اس کو حکمت سکھائے گا اور اس کو بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کیلئے رسول اور اولوالعزم پیغمبر بنائے گا۔ حضرت مریم نے کچھ عرصہ کے بعد خود کو حاملہ محسوس کیا تو بہ تقاضائے بشری ان پر ایک اضطرابی کیفیت طاری ہوگئی اور اس کیفیت نے اس وقت شدید صورت اختیار کر لی جب انہوں نے دیکھا کہ مدت حمل ختم ہو کر ولادت کا وقت قریب سے قریب ہوتا جا رہا ہے۔

انہوں نے سوچا کہ اگر یہ واقعہ قوم کے اندر رہ کر پیش آیا تو چونکہ وہ حقیقت حال سے واقف نہیں ہیں۔ اس لیے نہ معلوم کہ وہ کس کس طرح بدنام اور بہتان طراز بان کے ذریعے سے کس درجہ پریشان کریں گے؟ اس لیے مناسب یہ ہے کہ لوگوں سے دور کسی جگہ چلے جانا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ یروشلم (بیت المقدس) سے تقریباً نو میل کوہ

سراتہ (سامیر) کے ایک ٹیلہ پر چلی گئیں، جواب بیت اللحم کے نام سے مشہور ہے۔

یہاں پہنچ کر چند روز بعد دردزہ شروع ہوئی، تو تکلیف واضطراب کی حالت میں کھجور کے درخت کے نیچے تنے کے سہارے بیٹھ گئیں اور پیش آنے والے نازک حالات کا اندازہ کر کے انتہائی قلق اور پریشانی کی حالت میں کہنے لگیں۔

کاش! کہ میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور میری ہستی کو لوگ یک قلم فراموش کر چکے ہوتے، تب نخلستان کے نشیب سے اللہ تعالیٰ کے فرشتہ نے پھر پکارا، اے مریم علیہ السلام! غمگین نہ ہو تیرے پروردگار نے تیرے نیچے نہر جاری کر دی ہے اور کھجور کا تنا پکڑ کر اپنی جانب ہلا تو پکے اور تازہ خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے، پس تو کھا پی اور اپنے بچہ کے نظارہ سے آنکھیں ٹھنڈی کر اور رنج وغم بھول جا۔ حضرت مریم علیہ السلام پر تنہائی، تکلیف اور نزاکت حال سے جو خوف طاری اور اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ فرشتہ کی تسلی آمیز پکار اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے برگزیدہ بچہ کے نظارے سے کافور ہو گیا اور وہ حضرت عیسیٰ کو دیکھ دیکھ کر شادکام ہونے لگیں۔

تاہم یہ خیال ہر وقت کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا تھا کہ اگرچہ خاندان اور قوم میری عصمت و پاکدامنی سے نا آشنا نہیں ہیں۔ پھر بھی ان کی حیرت کو کس طرح مٹایا جا سکے گا کہ بغیر باپ کے کس طرح ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو سکتا ہے، مگر جس رب ذوالجلال نے ان کو یہ بزرگی، عظمت اور برتری بخشی وہ کب ان کو اس کرب و بلا اور بے چینی میں مبتلا رہنے دیتا؟ اس لیے اس نے فرشتہ کے ذریعے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس پھر یہ پیغام بھیجا کہ جب تو اپنی قوم میں پہنچے اور وہ تجھ سے اس معاملہ کے متعلق سوالات کرے تو خود جواب نہ دینا، بلکہ اشارہ سے ان کو بتانا کہ میں روزہ دار ہوں اور اس لیے آج کسی سے بات نہیں کر سکتی، تم کو جو کچھ دریافت کرنا ہے اس بچہ سے دریافت کر لو۔ تب تیرا پروردگار اپنی قدرت کاملہ کا نشان ظاہر کر کے ان پیغامات کو

دور اور ان کے دلوں کو مطمئن کر دے گا۔ حضرت مریم علیہ اسلام وحی الٰہی کے ان پیغامات پر مطمئن ہو کر بچہ کو گود میں لے کر بیت المقدس کو روانہ ہوئیں۔ جب شہر میں پہنچیں اور لوگوں نے اس حالت میں دیکھا تو چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا اور کہنے لگے۔ اے مریم علیہا السلام! یہ کیا ہے؟ تو نے بہت ہی عجیب وغریب بات کر دکھائی اور بھاری تہمت کا کام کیا۔

اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن عورت تھی۔ پھر تو یہ کیا کر بیٹھی؟ حضرت مریم علیہا السلام نے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بچے کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو کچھ پوچھنا ہے اس سے پوچھ لو۔ میں تو آج روزہ سے ہوں۔ لوگوں نے یہ سن کر انتہائی تعجب کے ساتھ کہا۔ ہم کس طرح یقین کر لیں کہ ایک شیر خوار بچہ باتیں کر سکتا ہے؟ جو ابھی ماں کی گود میں بیٹھنے والا ہو مگر بچہ فوراً بول اٹھا، میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے (اپنے فیصلۂ تقدیر میں) مجھ کو کتاب (انجیل) دی ہے اور نبی بنایا اور اس نے مجھ کو مبارک بنایا، خواہ میں کسی حال میں اور کسی بھی جگہ ہوں۔ اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں یہی میرا اشعار ہو اور اس نے مجھ کو اپنی ماں کا خدمت گزار بنایا اور خودسر اور نافرمان نہیں بنایا اور اس کی جانب سے مجھ کو سلامتی کا پیغام ہے جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن کہ میں مروں گا اور جس دن کہ پھر زندہ اٹھایا جاؤں گا۔ قوم نے ایک شیر خوار بچے کی زبان سے جب یہ حکیمانہ کلام سنا تو حیرت میں رہ گئی اور اس کو یقین ہو گیا کہ حضرت مریم علیہا السلام کا دامن بلاشبہ ہر قسم کی برائی سے پاک ہے اور بچہ کی پیدائش کا معاملہ یقیناً منجانب اللہ ایک ''نشان'' ہے۔

☆......☆......☆

﴾آب حیات واپس کر دیا﴿

ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک پیالہ آبِ حیات کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے نزدیک لائے اور کہا کہ حق تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ یہ جام نوش کریں تو قیامت تک نہ مریں گے۔ سلیمان علیہ السلام نے جن وانس وحیوانات سے اس بات کا مشورہ کیا سب نے یک زبان ہو کر کہا، مبارک ہو۔ پی لیجئے اور حیات ابدی حاصل کریں۔ تب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اندیشہ ظاہر کیا کہ کوئی اس مشاورت سے خالی تو نہیں رہ گیا۔ ایک خار پشت باقی رہ گیا تھا۔ سو خیال میں گزرا اسے بھی بلانے کے واسطے گھوڑے کو بھیجا، وہ اس کے ساتھ نہ آیا۔ تب حضرت نے کتے کو بھیجا خار پشت اس کے ساتھ چلا آیا۔ سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ تیرے ساتھ کچھ مشورہ کرنا ہے لیکن تو بتا گھوڑے سے کونسا جانور زیادہ شریف ہے جو تو اس کے بلانے پر نہ آیا۔ اس کا کیا سبب ہے؟ بولا! گھوڑا اگرچہ شریف ہے لیکن بے وفا ہے، یہی چاہتا ہے کہ کسی طرح سوار کو گرا دے اور دوسرا دشمن کو اپنے اوپر سوار کر لیتا ہے اور کتا ہر چند کے نحس ونجس ہے لیکن وفادار ہے۔ ایک لقمہ کسی کا کھا لے تو ساری عمر اس کا احسان نہ بھولتا۔ تب سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ ایک جام آبِ حیات میرے پاس بھیجا گیا ہے اور پینے اور نہ پینے کا اختیار میرے پاس ہے۔ سب نے مجھے اس کو پینے کا مشورہ دیا ہے، بھلا تیری اس میں کیا صلاح ہے پیوں یا رد کروں؟۔ پوچھا یہ آب حیات فقط آپ ہی کیلئے آیا ہے یا سب عیال واطفال وعزیز بھی اسے پیئیں گے۔ فرمایا: مجھ اکیلے کو اسکے پینے کا حکم ہے۔ خار پشت بولا تو اس کا پینا مناسب نہیں کیونکہ ہر ایک عزیز تمہارے روبرو جب مرے گا تو ان کے غم و ماتم سے یہ جان شیریں آپ کو تلخ ہوگی۔

عزیز دوست! جب کوئی نہ رہا تو زندگانی حیف ہے، یہ بات حضرت سلیمان علیہ

السلام کو بہت پسند آئی اور آبِ حیات واپس کر دیا۔

﴿طوفانِ نوح﴾

حضرت نوح علیہ السلام کو پچاس برس کی عمر میں نبوت دی گئی تھی۔ آپ نے ساڑھے نو سو سال لوگوں میں تبلیغ کی اس زمانے میں لوگ شرک اور قبر پرستی میں مبتلا تھے۔ ان کی تبلیغ کا لوگوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی کہ جو لوگ ایمان لے آئے، وہ لے آئے، اب ان میں سے کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ پس ان کی حرکات پر غم نہ کر۔ اس وحی کے بعد آپ علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی۔

"اے پروردگار! تو کافروں میں سے کسی کو بھی زمین پر باقی نہ چھوڑ، اگر تو ان کو یونہی چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو بھی گمراہ کریں گے اور ان کی نسل بھی انہی کی طرح نافرمان پیدا ہوگی۔"

آپ کی دعا قبول ہوئی اور آپ نے اللہ کے حکم پر ایک کشتی بنانا شروع کی تو کفار نے آپ علیہ السلام کا مذاق اڑایا اور یہ کہنے لگے کہ اب تبلیغ کا کام چھوڑ کر کشتی سازی شروع کر دی ہے۔ ان باتوں کے باوجود آپ علیہ السلام اپنے کام میں مصروف رہے۔ کشتی کی لمبائی تین سو ہاتھ۔ چوڑائی پچاس ہاتھ۔ بلندی تیس ہاتھ کی۔ کشتی میں تین طبقے سوار تھے۔ ایک طبقے میں چالیس مومنین اور ان کی بیویاں دوسرے طبقے میں پرندے۔ تیسرے میں چوپائے اور وحوش جوڑا جوڑا تھے۔

طوفانِ نوح علیہ السلام کا آغاز ایک تنور سے پانی نکلنے سے ہوا، اس کے بعد آسمان سے پانی برسنا شروع ہو گیا۔ یہی طوفان کی صورت اختیار کر گیا۔ یہ طوفان چالیس روز تک جاری رہا۔ اس طوفان سے زمین پر اس قدر پانی ہو گیا کہ پہاڑ کی چوٹی سے بھی پندرہ گز اونچا ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے نافرمان بیٹے نے ان کا کہنا نہ مانا اور

کشتی میں سوار ہونے کی بجائے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہ اسی پہاڑ پر غرق ہوا۔ ایک روایت کے مطابق ماہ رجب بروز جمعتہ المبارک کو حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے اور دس محرم الحرام کو اترے۔ کشتی ایک ماہ پہاڑ پر رکی رہی۔ زمین سے ڈیڑھ سو دن میں پانی اترا۔

کشتی میں جب لید کی بہتات ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کی کہ ہاتھی کی دم دباؤ، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ تو ایک جوڑا خنزیر پیدا ہوا اس جوڑے نے ساری لید کھالی۔ جب کشتی میں چوہوں کی کثرت ہوگئی تو حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر شیر کے ماتھے پر دونوں ہاتھ مارے تو بلی کا جوڑا پیدا ہوا اس نے چوہوں کو کھانا شروع کیا اور ایک جوڑا باقی رہ گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام پوری زمین پر آیا تھا، جب کہ دوسری روایت یہ ہے کہ یہ طوفان ایک لاکھ چالیس ہزار کلومیٹر مربع رقبہ پر آیا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا انتقال 950 یا ایک ہزار سال کی عمر میں ہوا تھا۔

چند نکتوں کی وضاحت

حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانے کا ذکر ہے ایک شخص اعلانیہ کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بے شمار عیوب دیکھے ہیں لیکن اپنے رحم و کرم کے باعث وہ مجھ پر گرفت نہیں کرتا۔ اس شخص کا یہ قول بظاہر تواضع پر مبنی تھا مگر تکبر سے بھرپور تھا۔ خدا نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ذریعے اس کو انتباہ کیا کہ:

اے بے وقوف! تو صراط مستقیم سے بھٹک کر کہیں کا کہیں جا نکلا ہے اور خوشی سے کہتا ہے کہ میں تیرے گناہوں کی پکڑ نہیں کرتا، حالانکہ تو اس حقیقت سے بے خبر ہے کہ میں ہر آن تیری اس قدر گرفت کرتا رہتا ہوں کہ گویا تو سر سے پاؤں تک آگ کی زنجیروں

میں جکڑا ہوا ہے۔ تیری مثال اس سیاہ دیگ کی سی ہے جس پر اس کا زنگ چڑھا رہتا ہے اور اس زنگ نے تیری روح کی پیشانی بے نور کر دی ہے۔ تیرے قلب پر زنگ کی اتنی تہیں چڑھ گئی ہیں کہ تجھے خدا کے بھید دکھائی نہیں دیتے۔ دیکھ! اگر کوئی لوہار زنگی (حبشی) ہو تو دھواں ویسا ہی ہوتا ہے جیسا لوہار کا چہرہ اور اگر کوئی رومی اس پیشے میں داخل ہو تو دھوئیں سے اس کا چہرہ چتکبرا ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص گناہ کے گھناؤنے اثر سے واقف ہو جاتا ہے اور گڑگڑا کر توبہ کرنے لگتا ہے، لیکن جو بدنصیب گناہ میں آلودہ ہو اور اس پر اصرار کرے تو اسکی عقل پر خاک پڑ جاتی ہے۔ اسے کبھی توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ گناہ کے کاموں میں لذت ملنے لگتی ہے۔ پس وہ شخص گمراہ اور بے دین ہوا پھر اس میں حیا اور ندامت کا احساس ہی باقی نہیں رہتا۔

جب حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ باتیں حق تعالیٰ کی جانب سے حکم پا کر اس شخص سے کہیں تو وہ جرح پر اتر آیا اور کہنے لگا، اگر خدا میری گرفت کرتا تو پھر اب تک میرا نام و نشان کیوں باقی ہے؟ اس نے مجھے فنا کیوں نہ کر دیا؟ حضرت شعیب علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یا الٰہی! یہ شخص مجھے جھٹلا رہا ہے اور تیری گرفت کا کھلا ثبوت چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جواب دیا۔

اے شعیب علیہ السلام! میں ستار العیوب ہوں۔ لوگوں کے عیب ظاہر نہیں کرتا۔ اس شخص کے سب عیب اور گناہ بیان نہ کروں گا۔ البتہ! اس کی گرفت کی ایک واضح علامت بتاتا ہوں۔ وہ علامت یہ ہے کہ یہ بدنصیب روزے بھی رکھتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے۔ زکوٰۃ بھی نکالتا ہے اور دعائیں بھی کرتا ہے لیکن اس کی روح کو ان عبادتوں اور نیکیوں سے ذرہ برابر بھی لذت نہیں ملتی۔ ظاہر میں اس کی عبادت اور نیکیاں خشوع و خضوع سے لبریز ہیں لیکن باطن پاک نہیں۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے درخت میں اخروٹ تو ان گنت لگتے ہیں مگر ان میں مغز نہ ہو۔ عبادت اور نیکیوں کا

پھل پانے کیلئے ذوق درکار ہے اور پھل میں مغز، تاکہ اس سے درخت پیدا ہو۔جس طرح بغیر گودے کا بیج درخت نہیں بن سکتا۔ اسی طرح بے جان صورت محض خیال ہوتی ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ نکتے اس شخص پر واضح کئے تو وہ ہکا بکا رہ گیا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔

﴿ایک معجزہ﴾

حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود میں پیدا ہوئے۔ آپ سن شعور کو پہنچے تو آپ کو نبوت عطا ہوئی۔ قوم ثمود بت پرست تھی۔ ان کی اصلاح کیلئے انہی کے قبیلہ سے حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تاکہ وہ ان کو راہ راست پر لائیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں۔ آپ علیہ السلام نے اپنی قوم کو پیغام حق سنایا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آپ کی تبلیغ پر تھوڑے سے لوگ ایمان لائے۔ قوم کے بڑے بڑے سردار اور دولت مند باطل پرستی ہی میں مبتلا رہے۔ سرمایہ دار لوگ آپ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے کہ اگر ہم غلط مذہب پر ہوتے تو ان کے پاس اس قدر دولت کی ریل پیل نہ ہوتی جب کہ تمہیں ماننے والے غریب اور بدحال لوگ ہیں۔ تم خود ہی فیصلہ کرو غلط کون ہے؟۔ حضرت صالح علیہ السلام ان تکبر کرنے والوں سے کہتے کہ اپنی خوش حالی پر شیخی مت کرو۔ اگر تم اسی طرح گھمنڈ میں مبتلا رہے تو تم پر عذاب آئے گا اور تم سب فنا ہو جاؤ گے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے جب ان سے کوئی معجزہ طلب کیا تو آپ اپنی قوم کو لیکر ایک پہاڑی پر چلے گئے۔ پہاڑی پھٹ گئی اور اس میں ایک اونٹنی نمودار ہوئی اور اس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا۔

قرآن مجید میں اس واقعے کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے تمام افراد کو تنبیہہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر ہو۔ ایک دن اس اونٹنی کا ہوگا اور ایک دن ساری قوم اور اسکے چوپاؤں کا، اور خبردار اس کو کوئی اذیت نہ پہنچائے، اگر اس کو اذیت پہنچائی تو پھر تمہاری بھی خیر نہیں ہے۔ (سورۃ ھود)

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے کچھ عرصہ تو پانی کی باری کی پابندی کی۔

مگر پھر ان کو یہ بات بری محسوس ہونے لگی۔ انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور اونٹنی کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے تو یہ فیصلہ کرلیا تھا، مگر اب کسی کی اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ یہ کام کر سکے۔ آخر ایک نہایت خوبصورت عورت صدوق نے خود کو ایک شخص مصرع بن میرج اور ایک عورت نے اپنی حسین ترین لڑکی کو قیدار بن سالف کے سامنے پیش کر کے کہا، اگر تم دونوں اونٹنی کو قتل کر دو تو یہ دونوں تمہاری بیویاں بن کر رہیں گی۔ دونوں شخص اس کام پر آمادہ ہو گئے، دونوں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے جب اونٹنی آئی تو اس پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔

اونٹنی کا بچہ شور مچاتا پہاڑی پر چڑھ گیا اور وہیں غائب ہو گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ اب تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی نہ بچا سکے گا۔

تین دن کے بعد اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور قوم ثمود تباہ ہوئی۔

﴿نبوت﴾

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ عجیب آگ ہے، درخت پر روشنی نظر آتی ہے مگر نہ درخت کو جلاتی ہے اور نہ ہی گل ہوتی ہے۔ یہ سوچتے ہوئے آگے بڑھے لیکن

جوں جوں آگے بڑھتے جاتے تھے آگ دور ہوتی جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو خوف سا پیدا ہوا اور انہوں نے ارادہ کیا کہ واپس ہو جائیں۔

جونہی وہ پلٹنے لگے، آگ قریب آگئی اور قریب ہوتے تو سنا کہ یہ آواز رہی ہے۔

اے موسیٰ علیہ السلام !"میں ہوں اللہ" پالنے والا تمام جہانوں کا۔ پس جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے قریب آئے تو پکارے گئے، اے موسیٰ علیہ السلام! میں ہوں تیرا پروردگار، پس اپنی جوتی اتار دے تو مقدس وادی طویٰ میں کھڑا ہے اور دیکھ! میں نے تجھ کو اپنی رسالت کیلئے چن لیا ہے۔ پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس کو کان لگا کر سن۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب خدا کی آواز کو سنا اور ان کو معلوم ہوا کہ آج ان کے نصیب میں وہ دولت آگئی ہے جو انسانی شرافت وعظمت میں ممتاز اور خداوند کریم کی قربت کا آخری نشان ہے، تو وہ پھولے نہ سمائے اور والہانہ فریفتگی میں مثل مورت حیران کھڑے رہ گئے، آخر پھر اسی جانب سے ابتداء ہوئی اور پوچھا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ کہا، یہ میری لاٹھی ہے اس پر (بکریاں چراتے وقت) سہارا لیا کرتا ہوں اور اپنی بکریوں کیلئے پتے جھاڑ لیتا ہوں اور میرے لیے اس سے متعلق اور ضروریات بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی فوراً تعمیل کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا۔ پس ناگاہ وہ اژدھا بن کر دوڑنے لگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ حیرت زدہ واقعہ دیکھا تو گھبرا گئے اور پیٹھ پھیر کر کے بھاگنے لگے تو آواز آئی (احکم الحاکمین نے فرمایا) اے موسیٰ! علیہ السلام اس کو پکڑ اور خوف نہ کھاؤ۔ ہم اس کو اس کی اصلی حالت پر لوٹا دیں گے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑا تو وہ دوبارہ لاٹھی بن گیا، دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا اور حکم ہوا کہ اپنے ہاتھ کو گریبان کے اندر داخل کر جب باہر نکالا تو وہ بے داغ چمکتا

ہوا نکلا۔ باری تعالیٰ کی جانب سے حکم ہوا اے موسیٰ! علیہ السلام یہ ہماری جانب سے تمہاری نبوت و رسالت کے دو بڑے نشان ہیں، یہ تمہارے پیغام و صداقت اور براہین حق کی زبردست تائید کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی کہ یہ منصب عالی جب تو نے عطا فرمایا ہے تو میرے سینہ کو فراخ اور نور سے معمور کر دے اور اس اہم خدمت کو میرے لیے آسان بنا دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے، تا کہ لوگوں کو میری بات سمجھنے میں آسانی ہو اور چونکہ میری گفتگو میں روانی نہیں ہے اور میری بہ نسبت میرا بھائی ہارون علیہ السلام مجھ سے زیادہ فصیح بیان ہے، اس لئے اس کو بھی اپنی نصیحت (نبوت) سے نواز کر میرا شریک کار بنا دے۔

خداوند کریم نے فرمایا: کہ ہم تمہاری درخواست منظور کرتے ہیں اور تمہارے بھائی ہارون کو بھی تمہارا شریک کار بناتے ہیں۔ دیکھو! تم دونوں فرعون اور اس کی قوم کو جب ہماری صحیح راہ کی جانب بلاؤ تو اس پیغام حق میں نرمی اور شریں کلامی سے پیش آنا، کیا عجب ہے کہ وہ نصیحت قبول کر لیں اور خوف خدا کرتے ہوئے ظلم سے باز آجائیں۔

آگ گلزار بن گئی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت مقام ہرفرجرد میں ہوئی۔ آپ کے والد تارخ یا چچا آزر بت ساز اور بت فروش تھے وہ جب آپ کو بت بیچنے کیلئے بازار بھیجا کرتے تو آپ علیہ السلام یہ کہتے تھے۔

''اے لوگو! یہ بت خرید لو جو نہ تو نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان دینے والے ہیں اور خود اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔''

بعض اوقات آپ بتوں کے گلے میں رسی ڈال کر ان کو گھسیٹتے تھے اور ان کی خوب تحقیر کرتے تھے، آپ علیہ السلام کو نبوت ملی اور آپ سن شعور میں داخل ہو چکے تھے،

جب آپ نے تبلیغ شروع کی تو سب لوگ آپ کے خلاف ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود بادشاہ سے مناظرہ ہوا تو اس نے پوچھا۔ تمہارا رب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ میرا رب زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے۔ نمرود نے کہا، یہ میں بھی کرتا ہوں۔

اس نے اسی وقت قید خانے سے ایک ایسے قیدی کو بلایا جس کو سزائے موت کا حکم ہوا تھا، نمرود نے اس کی سزا معاف کر دی اور کہا، لو میں نے اس کو زندگی بخش دی۔ جب کہ اسی وقت ایک بے گناہ شخص کو موت کی سزا دے دی۔ وہ شخص جب جلاد کے ہاتھوں قتل ہوا تو نمرود نے کہا، میں نے اس کو موت کی سزا دے دی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ سب دیکھ کر کہا، میرا رب تو ہر صبح سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال، یہ سن کر نمرود لاجواب ہو گیا، وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل سے نمرود تو لاجواب ہو گیا تھا مگر دل سے دینِ حق کو تسلیم کرنے پر تیار نہ تھا۔ اس نے اپنی قوم کے ساتھ مل کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں زندہ جلانے کا پروگرام بنایا۔ آگ جلانے کیلئے لکڑیاں اکٹھی کرنے میں ساری قوم نے حصہ لیا۔ ایک بہت بڑا گڑھا کھودا گیا اور اس میں لکڑیاں ڈال کر آگ لگا دی گئی۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے تھے۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام کے دل میں اس آگ کا ذرا بھی خوف پیدا نہ ہوا۔ انہیں یقین تھا کہ جس پروردگار نے انہیں پیدا کیا ہے، وہی ان کی حفاظت بھی کرے گا۔

ارشار بانی ہے۔

''ہم نے حکم دیا اے آگ! تو ابراہیم علیہ السلام کے حق میں سرد اور سلامتی والی بن جا اور انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا پس ہم نے ان کو ان کے ارادہ میں ناکام بنا دیا۔

جب نمرود اور اس کی قوم نے حضرت ابرہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تو وہ گلزار

بن گئی اور آپ علیہ السلام پر اس آگ نے کوئی اثر نہ کیا۔

انسان کا خمیر

ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ملک الموت آدمی کی صورت میں ملاقات کیلئے آئے۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر بیٹھا ہوا تھا۔ ملک الموت نے وزیر کی طرف کئی مرتبہ غور سے دیکھا۔ جب ملک الموت چلے گئے تو وزیر نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوچھا کہ یا حضرت یہ کون شخص تھا؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: عزرائیل۔ وزیر نے کہا کہ اس نے مجھ کو کئی مرتبہ گھورا، اس سے مجھ کو بڑا خوف پیدا ہوا۔ اے سلیمان ہوا کو حکم دیجئے کہ مجھے یہاں سے بہت دور جزیرہ بوماس میں چھوڑ آئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا اور بات کی بات میں وزیر ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر کئی ہزار کوس جزیرہ بوماس میں جا داخل ہوا۔ جونہی ٹاپو میں قدم رکھا۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام آموجود ہوئے اور وزیر کی روح قبض کر لی۔

کئی روز کے بعد عزرائیل علیہ السلام پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے وزیر کا قصہ بیان فرمایا۔ عزرائیل نے عرض کیا اس روز جو میں اس شخص کی طرف بار بار دیکھتا تھا، اس کی یہی وجہ تھی کہ میں حیران تھا کہ اس کی تو مدت حیات پوری ہو چکی ہے اور دو گھڑی بعد جزیرہ بوماس میں مجھ کو اس کی روح قبض کرنے کا حکم ہے، یہ یہاں کیوں بیٹھا ہے؟ انسان کا خمیر جہاں کا ہے وہیں اس کو مرنا ہوگا۔

واقعاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کی زندگی کے چند واقعات

﴿رحمتِ عالم﴾

حضور رحمت عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسے رحم دل اور با مروت تھے کہ کبھی کسی پر غصہ نہ کرتے تھے۔ خصوصاً اپنے ذاتی کام کے متعلق اگر کسی خادم یا رفیق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کوئی غلطی ہو بھی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑی فیاضی سے درگزر کرتے تھے اور اگر ملامت بھی کرتے تھے تو ایسے طریقے سے کہ جس کو ملامت کی جاتی اس کا دل بھی نہ دکھتا اور اثر بھی پورا ہوتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی خادم پر ناراض ہوتے تھے تو یہ فرماتے ''اگر مجھے روزِ قیامت میں بدلہ کا ڈر نہ ہوتا تو میں تمہیں اس مسواک سے خوب ہی مارتا۔

خود حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے اور بچپن سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے۔ ایک روز حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کسی کام کے لئے کہا۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کام سے انکار کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، لیکن پھر میں خود ہی اپنے دل میں نادم ہوا اور اس کام کو انجام دینے کے واسطے روانہ ہو گیا۔ مسجد سے نکل کر گلی میں چند لڑکوں کو کھیلتے دیکھا اور بچپن کے اقتضاء سے ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ میں اس طرف متوجہ تھا کہ اچانک پشت کی جانب سے کسی نے میری گردن پکڑ لی، میں نے

مڑ کر دیکھا تو حضور سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم نے آنکھیں چار ہوتے ہی مسکرا کر فرمایا: ''انس! کیا تو اب کام کرنے جا رہا ہے''۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کہنے کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں عرق ندامت میں غرق ہو گیا اور پھر عمر بھر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی نہیں کی۔

مکہ والوں کی طرف سے مایوس ہو کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے نکلے، اور مختلف قبائل کو دعوت اسلام دینے کیلئے منزل بہ منزل پا پیادہ کوہ طائف پر جو کہ مکہ سے شمال کی جانب 70 میل پر واقع ہے، تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر دعوت اسلام اور توحید کی منادی شروع فرما دی۔

طائف کے حکمران سردار اور اسکے بھائیوں نے اپنے غلاموں۔ بستی کے باشندوں اور بازاری لڑکوں کو ترغیب دی کہ وہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کریں۔ تکلیف دیں اور ہنسی مذاق اڑائیں، اس دفعہ ان بدمعاشوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر کیچڑ اور پتھر پھینکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک احاطہ کے اندر جا کر پناہ لی۔ ایک دفعہ جسم اطہر پر اتنے پتھر مارے کہ جسم سے خون جاری ہوا اور پائے مبارک کا جوتا خون سے جم کر پاؤں سے چمٹ گیا، اللہ! اللہ! یہ کیا صبر و تحمل تھا۔

ایک دفعہ ایسی ضرب آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیہوش ہو گئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ جو اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پشت پر اٹھا کر بستی سے باہر لے گئے، پانی کا چشمہ رواں تھا۔ پانی کے چھینٹے منہ پر ڈالے تو ہوش آیا اور وہاں سے واپس تشریف لے آئے مگر جوش کرم اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت کا یہ عالم تھا کہ بددعا دینے کی بجائے زبان مبارک سے یہ فرمایا کہ ''اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا۔ امید ہے کہ ان کی اولاد ضرور کلمہ پڑھے

والی ہوگی۔''

جب جنگ احد میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے اور چہرۂ انور زخمی ہوا تو اصحاب پر یہ بات نہایت شاق گزری۔ انہوں نے عرض کیا ''یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار کے حق میں بددعا کیجئے۔ فخر دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میں بددعا کرنے کیلئے مبعوث نہیں ہوا ہوں، بلکہ رحمت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ حق کی طرف بلانا میرا کام ہے نہ کہ بددعا کرنا'' پھر دست مبارک اٹھا کر یوں دعا فرمائی۔ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما، وہ مجھ کو پہچانتی نہیں۔

ایفائے عہد

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار شہر مکہ میں کسی شخص نے راستہ میں روک کر کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ٹھہریں، مجھے آپ سے کام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمالیا۔ وہ شخص چلا گیا اور اسے یہ یاد نہیں رہا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا منتظر بنا کر چھوڑ آیا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی مقام پر موجود رہے جہاں وہ ٹھہرا گیا تھا۔ یہاں تک کہ دن گزر کر رات آ گئی۔ دوسرے دن اتفاق سے وہ آدمی پھر اسی راستہ سے گزرا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں دیکھ کر اپنی حرکت پر بہت شرمندہ ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کرنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ''کوئی مضائقہ نہیں، بھول چوک انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے، یہ کہہ کر وہاں سے تشریف لے آئے۔

ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ قریش نے مجھ کو قاصد بنا کر (صلح حدیبیہ کے دوران) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ شریف بھیجا۔ میری نظر جب آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی طرف پڑی تو میرا دل نور اسلام سے منور ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نہ جاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ابو رافع) ہم بدعہدی نہیں کر سکتے کہ قاصد کو روک لیں۔ اب تم جاؤ، اگر تمہارے دل میں اسلام قائم رہے تو پھر وہاں سے چلے آنا۔" ابو رافع کہتے ہیں کہ میں قریش کے پاس گیا اور وہاں سے واپس آ کر میں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا۔

صلح حدیبیہ میں جو اقرار نامہ لکھا گیا تھا، اس میں بعض شرائط صلح کی ایسی تھیں جو بہت سے اصحاب کو ناگوار تھیں۔ بالخصوص یہ شرط کہ جو شخص مکہ سے مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ میں آ جائے اس کو تو کفار کے طلب کرنے پر ان کے حوالے کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس چلا آئے تو قریش اسکو واپس نہیں کریں گے، یہ شرط اصحاب کو بہت ناگوار گزری۔

مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال دور اندیشی سے اس کو منظور فرما لیا اور اصحاب سے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کارساز ہے ان لوگوں کا جو مسلمان ہو گئے ہیں، مگر ابھی تک قریش کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں وہ انہیں نجات دے گا۔ اب رہی یہ بات کہ جو کوئی ادھر سے بھاگ کر قریش سے مل جائے تو اس کے واپس نہ ملنے میں ہمارا کیا حرج ہے؟ کیونکہ ایسے شخص کو جو ہمارا ساتھ چھوڑ کر مرتد ہو جائے اس کو ہم لے کر کیا کریں گے؟ غرض کہ صلح ہو گئی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرارداد کے موافق حج وغیرہ کا ارادہ فسخ کر دیا اور وہیں قربانی کی اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے کر مدینہ منورہ چلے آئے۔

جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہو گئے تو حضرت ابو بصیرہ رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق و جاں نثار تھے، مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ بھاگ

آئے، یہ اسلام لے آنے کی وجہ سے مشرکین مکہ کے پاس قید تھے۔ کفار نے حسب قرارداد دو آدمی ان کو لینے کیلئے بھیجے۔ آپ ﷺ نے ابو بصیرہ رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے کر دیا۔

ابو بصیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت منت وزاری کی مگر آپ ﷺ نے فرمایا: کہ ہم وعدہ خلافی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی صورت کشائش کی کر دے گا، غرض کہ وہ دونوں قاصد ابو بصیرہ رضی اللہ عنہ کو لیکر چلے۔ راستہ میں جب بمقام ذی الحلیفہ میں کھانا کھانے بیٹھے تو ابو بصیرہ رضی اللہ عنہ نے بہانہ سے ایک قاصد کی تلوار لے کر ان سے میں ایک کو قتل کر دیا۔ جب دوسرے کے قتل کا ارادہ کیا تو وہ بھاگا اور بھاگ کر پھر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا: ابو بصیرہ رضی اللہ عنہ بھی اس کے پیچھے پیچھے آئے۔ آپ ﷺ نے بصیرہ کو دیکھ کر فرمایا: کہ تو تو لڑائی کی آگ بھڑکاتا ہے اور آپ ﷺ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ تم خود اس کو وہاں چھوڑ کر آؤ۔

ابو بصیرہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ کسی صورت سے اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کریں گے اور اس کو ضرور واپس بھجوادیں گے۔ تو وہ بھاگ کر سمندر کے کنارے جا کر رہنے لگا۔

اللہ اکبر! کس قدر آپ کو اپنے وعدہ کا پاس تھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ”جو عہد کا پکا نہیں، اس میں ایمان نہیں“۔

﴿حیاء غالب آگئی﴾

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت مردوں کے سامنے فحش گو بڑی بے حیاء اور بے باک تھی، اس کا گزر حضرت محمد ﷺ کے پاس سے ہوا۔ آپ ﷺ ایک اونچے چبوترے پر ثرید کھا رہے تھے۔ اس عورت نے کہا، اس کی طرف

دیکھو ایسے بیٹھا ہوا ہے جیسا کہ غلام بیٹھتا ہے اور اس طرح کھا رہا ہے جیسے غلام کھاتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ کون بندہ مجھ سے زیادہ بندگی کرنے والا ہے؟ یہ سن کر وہ بولی کہ خود کھا رہا ہے ہمیں نہیں کھلا رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تو بھی کھالے اس عورت نے کہا، کہ اپنے ہاتھ سے مجھے دو چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو دیا۔ اس عورت نے کہا کہ مجھے تو اس میں سے دو جو آپ ﷺ کے منہ میں ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسے دیا اس عورت نے کھالیا، اس کے بعد اس پر حیاء غالب آ گئی اور پھر مرتے دم تک اس نے کسی کو فحش جملہ نہیں کہا۔

﴿فروتنی وانکسار﴾

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس قدر متواضع تھے کہ کبھی کسی موقع پر بھی بڑائی کا اظہار نہیں فرماتے تھے، ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو ذرا سی عزت حاصل ہو جاتی ہے، وہ ہر جگہ صدر نشینی یا امتیاز کے ساتھ بیٹھنے کا خواں ہوتا ہے۔ لیکن آپ ﷺ مجمع اصحاب میں ہمیشہ اس طرح نشست رکھتے کہ باہر سے آنے والا ناواقف شخص سرسری نظر سے آپ ﷺ کو پہچان بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ آپ ﷺ دوسرے ہم نشینوں سے زانو بڑھا کر یا کسی صدر مقام پر نہیں بیٹھتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس لایا گیا، تو وہ شخص آپ ﷺ کی ہیبت سے کانپنے لگا۔ آپ ﷺ نے اس کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا ''کہ تو ڈرتا کیوں ہے؟ میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ قریش کی ایک عورت کا بیٹا ہوں۔ جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ بتا تیری کیا حاجت ہے؟ اس نے مطلب عرض کیا، حضرت محمد ﷺ نے اس کی حاجت روائی کی اور کھڑے ہو کر فرمایا: اے لوگو! میرے پاس اس مضمون کی وحی آئی ہے کہ تم لوگ تواضع کرو اور کوئی شخص کسی

پر فوقیت نہ ڈھونڈے اور نہ فخر کرے، کیونکہ تم سب خدا کے بندے ہو، باہم بھائی بھائی بن جاؤ۔

آپ ﷺ سے ساری عمر میں صرف ایک دفعہ یونہی لغزش سی ہوئی کہ آپ ﷺ کسی دوسرے شخص سے باتیں کرنے کی وجہ سے ایک نابینا کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ کامل انسان کی ایک معذور کی طرف سے یہ بے اعتنائی کو اللہ تعالیٰ کب روا رکھ سکتا تھا۔ فوراً تنبیہہ ہوئی اور آپ ﷺ نے ازراہ کمال دیانت و امانت بلا تامل اس تنبیہ کے واقعہ کو سب پر ظاہر فرما دیا۔ بشری تقاضا اپنی کمزوری کے اظہار سے مانع نہ ہو سکا، آپ ﷺ نے سجدۂ تعظیمی سے ایک شخص کو روک دیا۔ اس کی عام طور پر بھی ممانعت کر دی کیونکہ سجدہ تعظیمی انکسار پسندی کا دشمن ہے۔

آپ ﷺ نے لوگوں کو اپنی سروقد تعظیم سے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ جس طرح عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے سامنے سروقد تعظیم کیلئے کھڑے ہوتے ہیں، تم میرے لیے مت کھڑے ہوا کرو۔ ایک دفعہ بیمار ہونے پر نمازیوں کو کھڑے ہونے سے منع کر دیا۔ نماز بیٹھ کر ادا کرتے رہے، اس خیال سے کہ مبادا کسی کو کہنے کا موقع ملے کہ یہ لوگ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعظیم کیلئے کھڑے ہیں۔

آپ ﷺ زمین پر بڑی سادگی سے بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اور فرمایا کرتے، میں بندہ ہوں اور بندوں کی طرح کھاتا ہوں۔ مدینہ منورہ کی گلیوں میں جاتے تو بیوہ اور ضعیفہ عورتیں، مصیبت زدہ لوگ، لونڈی غلام اور چھوٹے لڑکے آپ ﷺ کا دامن پکڑ لیتے آپ ﷺ وہیں کھڑے ہو جاتے اور جب تک وہ خود نہ بیٹھتے ان سے باتیں کرتے رہتے۔ بیچاری دکھیا عورتیں آپ ﷺ سے اپنا دکھ سکھ بیان کرتیں، آپ ﷺ ان کو تسلی اور دلاسا دیتے، بازار سے ان کا سودا لا دیتے، غلاموں پر نہایت رحم فرماتے، ان کے مالکوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک برتنے کی ہدایت فرماتے۔

﴿اخلاق﴾

منافقوں کی جماعت سے جس قدر دکھ اور تکلیفیں سرکار دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کو پہنچیں، وہ کسی اور سے نہیں پہنچیں۔ اس جماعت کا سردار ایک شخص عبداللہ ابن ابی نامی تھا، یہ شخص اسلام کا بڑا دشمن تھا اور اس سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور مسلمانوں کو بڑی سخت اذیتیں پہنچی تھیں، اکثر موقعوں پر اس نے مسلمانوں کو طرح طرح کی منصوبہ بازیوں سے بہکانے کی کوشش کی۔

آپ ﷺ کی پاک بیوی پر تہمت تراشنے والوں کا سردار بھی یہی تھا۔ ایسا دشمن اسلام جب مرا تو اس کے بیٹے نے حضور سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ ﷺ اس کے جنازے کی نماز پڑھ دیجئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے منہ کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اس کی شرارتوں اور بد معاشیوں کی وجہ سے آپ ابھی صاف جواب دے دیں گے، کہ ہم ایسے دشمن کی سفارش خدا کی سرکار میں کیوں کر کر سکتے ہیں؟ ایسا کہنا آپ ﷺ کیلئے بالکل شان تھا، مگر آپ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے فرمایا کہ ”میں چلتا ہوں اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھتا ہوں“ یہ سن کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا اور آپ ﷺ کو نماز جنازہ پڑھنے سے روکا اور قرآن پاک کی یہ آیت یاد دلائی جس کا ترجمہ ہے (اے پیغمبر ﷺ) خواہ تم ان کے حق میں مغفرت کی دعا کرو، یا نہ کرو ان کے لیے یکساں ہے اگر تم ستر دفعہ بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو تو خدا ہر گز ان کی مغفرت نہ کرے گا، یہ ان کے فعل کی سزا ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا: کہ ’خدا نے ستر بار کیلئے فرمایا ہے کہ منافقوں کے حق میں تمہاری دعا نہیں سنوں گا‘ میں ستر بار سے زیادہ دعا کروں گا۔

شاید قبول ہو جائے۔ یہ فرما کر عبداللہ کے جنازے کی نماز پڑھی، بلکہ اس کے کفن کیلئے اپنے پہننے کا ایک کرتہ بھی عنایت فرمایا۔ نماز پڑھا چکے تھے تو دوسری آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ ہے (اے پیغمبر ﷺ) اگر ان میں سے کوئی مر جائے تو تم ہرگز اس کے جنازہ پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر جا کر کھڑے ہونا، کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا اور یہ سرکشی ہی کی حالت میں مر گئے۔

آپ ﷺ نے جو کرتہ عبداللہ کے کفن کیلئے دیا تھا۔ اس کا ماجرا بھی سنیے! وہ درحقیقت عبداللہ کے ایک احسان کا معاوضہ تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو فی الوقت ان کے کپڑے بدلوانے پڑے۔ وہ آدمی تھے لحیم شحیم عبداللہ کے کرتے کے سوا اور کسی مسلمان کا کرتہ ان کے بدن پر نہ آیا۔ اللہ! اللہ! شفقت و رافت کے ساتھ کیسی غیور طبیعت واقع ہوئی تھی کہ ایک کرتے کے احسان کو بھی اتار رہے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں کہ جن پر مخالفین اسلام بھی انصاف کی نظر ڈالیں تو انہیں آپ ﷺ کے انسان کامل ماننے اور اپنی عقیدت کو آپ سے بڑھانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔

(یہ واقعہ اکثر کتب احادیث و تفاسیر میں بوضاحت درج ہے۔)

ایک دن ایک عورت راستہ میں آپ ﷺ کو مل گئی اور عرض کیا کہ مجھے آپ ﷺ سے کچھ عرض کرنا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ ”میں حاضر ہوں جہاں چاہے مجھے اپنا ماجرا سنا۔ اس عورت نے آپ ﷺ کو وہیں گلی میں بٹھا لیا اور آپ ﷺ اس کی خاطر گلی میں بیٹھے رہے۔ (کیمیا سعادت) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ یہ عورت آپ ﷺ کو گلیوں میں لے کر پھرتی رہی اور بخاری شریف میں ہے کہ اس عورت کا دماغ پھرا ہوا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک خالہ زاد بھائی مسطح نامی جو کہ وہ بڑا مفلس

تھا۔ وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آ رہا تھا اور جنگ بدر میں بھی شریک ہوا تھا، چونکہ وہ بہت غریب اور نادار تھا، اس لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ روپیہ پیسہ سے اس کی مدد کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے حرم محترم کی نسبت واقعہ بہتان کے چرچے میں وہ بھی شامت اعمال سے شریک ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو وہ اس کی امداد سے دستکش ہو گئے اور آپ کا دستکش ہو جانا بالکل راستی اور انصاف پر مبنی تھا۔ جب حضور نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسطح کی سفارش کی ہے اور قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے تم میں سے جو لوگ بزرگ اور صاحب مقدور ہیں قرابت والوں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مدد) خرچ نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں، بلکہ (چاہیے کہ ان کے قصور) بخش دیں اور درگزر کریں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر اپنی امداد بدستور جاری کر دی۔

یہ واقعہ بھی اسلامی اخلاق وصداقت کا ایک کافی ثبوت ہے اور حضرت محمد ﷺ نے تو اپنے تئیں اسلام پر وقف کر رکھا تھا۔ اسلام کے مقابلہ میں آپ ﷺ کو نہ اپنی جان کی پرواہ تھی نہ مال کی، نہ دنیا کی آبرو کی۔ آپ ﷺ کی دوستی ومحبت بھی خدا ہی کے لیے تھی اور آپ ﷺ کی شفقت کا یہ حال تھا کہ اہل مدینہ کی باندیوں میں کوئی باندی آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کام کیلئے جہاں چاہتی تھی لے جاتی تھی اور آپ ﷺ بوجہ تواضع عذر نہیں کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک بوڑھی عورت آپ ﷺ کے پاس آئی۔ آپ ﷺ نے چادر مبارک اس کے لئے بچھا دی اور نہایت مودبانہ لہجے میں فرمایا "اے مادرِ مہربان! آپ کا آنا مبارک ہے۔ آپ جس کام کیلئے آئی ہیں وہ بے دریغ بیان فرمائیں، میں

اس کو پورا کروں گا۔" چنانچہ اس نے اپنا مدعا ظاہر کیا۔ آپ ﷺ نے اس کی خواہش پر بہت سا سامان مال غنیمت میں سے اس کو عطا فرمایا۔ اس بڑھیا نے اس سامان کو بعوض لاکھ درہم کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ لکھا ہے کہ یہ بڑھیا عورت آپ ﷺ کی دایہ تھی۔ جس نے آپ ﷺ کو بچپن میں دودھ پلایا تھا۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا زبردست اور وسیع خلق عظیم مرحمت فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کی حد سے زیادہ جانی دشمن بھی موقع پڑنے پر آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کے بے اختیار قائل ہو جاتے تھے۔ نوجوان مردوں اور عورتوں پر جو شفقت آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ اس کی کوئی حد نہ تھی مگر خاص کر بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ جس شفقت ومحبت سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پیش آیا کرتے تھے۔ اس کی نظیر تاریخ عالم میں مفقود ہے، زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب فقر و عار کے ڈر سے اپنی لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے۔ حضور نبی کریم ﷺ کی برکت سے اس رسم بد کا ایسا قلع قمع ہو گیا کہ جو کسی دنیوی قانون سے ہرگز ممکن نہ تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد اپنے ضعیف اور محروم البصر باپ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک میں بیعت کے واسطے لائے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم نے ضعیف باپ کو کیوں تکلیف دی؟ میں خود چلا آتا"۔

آپ ﷺ کا مبارک ارشاد ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ "جو شخص چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کا ادب نہیں کرتا وہ ہم (یعنی مسلمانوں میں) سے نہیں۔ ایک بار آپ ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے منہ پر پیار سے بوسہ دیا، ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے دس بیٹے ہیں، میں کسی کو اس طرح پیار نہیں کرتا آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا "جو کسی پر رحم نہ کرے گا اس پر خدا بھی رحم نہ کرے گا"۔

عام بچوں کے ساتھ بالخصوص یتیم بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کو کمال محبت تھی۔ جب کوئی نئی چیز آتی حضور نبی کریم ﷺ بچوں میں تقسیم فرما دیتے، اکثر دیکھا جاتا کہ آپ ﷺ بچوں کو کاندھوں پر اٹھائے پھرتے، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میں اور یتیم کا متکفل خواہ وہ یتیم اس کے رشتہ داروں میں سے ہو یا اجنبیوں میں ہو، بہشت میں یوں ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر یہ اشارہ فرمایا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پیچھے صف بستہ ایستادہ تھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ جب سجدہ میں گئے تو آپ ﷺ کی گردن مبارک پر بیٹھ گئے اور دیر تک بیٹھے رہے، جب تک خود اٹھ کر نہ چلے گئے رسول اللہ ﷺ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے صاحبزادے سے کہا، تم کیسے بیباک ہو گئے کہ ہمارے نبی ﷺ کی گردن پر بیٹھ جاتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ کچھ نہ کہو جو کچھ کریں، ہمیں منظور ہے۔

دشمنوں سے سلوک

عبداللہ بن ابی مشہور منافق تھا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا بدترین دشمن تھا لیکن اس کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مسلمان تھے، آپ ﷺ کا نام بھی عبداللہ تھا، عبداللہ حضرت محمد ﷺ کے جانثار صحابہ کرام میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق نے رحمت عالم ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور بہت بُرے لفاظ استعمال، کیے جنہیں سن کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بے چین ہو گئے۔

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! میرے باپ

نے (معاذ اللہ) آپ ﷺ کو ذلیل کیا ہے۔ قسم ہے اللہ پاک کی وہ خود ذلیل ہے۔
یا رسول اللہ ﷺ! اگرچہ تمام قبیلہ خزرج میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ کا مطیع کوئی نہیں ہے، تاہم آپ ﷺ حکم فرمائیں تو میں اسے قتل کر دوں۔ آپ ﷺ نے عفو و درگزر کی اخلاقی صفت سے کام لے کر ارشاد فرمایا: نہیں، میں ہرگز ایسا نہیں چاہتا۔

یہ غزوۂ حنین میں فتح کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے قبیلہ ھوازن کے لوگوں سے پوچھا، تمہارا سردار مالک بن عوف کہاں ہے؟ اس نے تم لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑنے پر اکسایا تھا۔ لوگوں نے کہا، وہ طائف بھاگ گیا ہے۔ رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا: مالک بن عوف سے جا کر کہہ دو کہ اگر وہ میرے پاس آجائے تو نہ صرف اس کے اہل و عیال اور مال مویشی واپس کر دیئے جائیں گے، بلکہ میں اپنی طرف سے سو اونٹ بھی دوں گا۔

مالک بن عوف طائف میں سخت پریشانی اور بے کسی کے عالم میں زندگی کے دن گزار رہے تھے، انہیں جب یہ اطلاع ملی تو وہ واپس آئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے وعدہ کے مطابق عمل فرمایا، انہیں نہ صرف ان کی قوم کی سرداری واپس کی، بلکہ چند دوسرے قبائل کا بھی سردار بنا دیا۔ حضور نبی کریم ﷺ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر حضرت مالک بن عوف مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہونے کے بعد آپ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں چند اشعار کہے جن کا مفہوم یہ تھا کہ میں نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے اخلاق جیسا کوئی انسان نہیں دیکھا اور نہ سنا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رضاعی بھائی کا نام عبداللہ بن ابی السرح تھا، یہ مدینہ منورہ میں حضرت محمد ﷺ کی خدمت اقدس میں رہا کرتا تھا اور آپ ﷺ کے ارشاد مبارک سے وحی کی کتابت کا فریضہ انجام دیتا تھا مگر قرآن مجید کی کتابت کرتے ہوئے خیانت سے کام لے کر کلمات میں تبدیلی کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ایک

مرتبہ کہنے لگا کہ حضرت محمد ﷺ جانتے نہیں، اگر چہ وہ کہتے ہیں میں جو کچھ چاہتا ہوں ان کے لئے لکھتا ہوں بلکہ جس طرح ان پر وحی اترتی ہے مجھ پر بھی اترتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی السرح کو جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی ﷺ کو اس کی حرکت کا علم ہو گیا ہے، تو وہ مکہ مکرمہ سے بھاگ گیا، پھر جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا سفارشی بنایا کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ سے اسے معافی دلوائیں۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اس کی والدہ کے اپنے اوپر حقوق کا ذکر کر کے عرض کیا کہ اس کے خون سے درگزر فرمائیں اور انہیں معافی عطا فرمائیں۔ سرکار دو جہاں رحمت عالم محمد ﷺ نے اس کے جواب میں خاموشی اختیار فرمائی جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند مرتبہ عرضداشت پیش کی اور آپ ﷺ سے کوئی جواب نہ سنا تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عبداللہ کو امان دیدی۔ جب کئی مرتبہ عاجزی سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! جناب عبداللہ بن ابی السرح مسلمان تھے، مگر جب بھی کبھی رسول کریم ﷺ سے سامنا ہوتا تو شرمندگی کی وجہ سے بھاگ جاتے۔

ایک دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ﷺ عبداللہ میرا رضاعی بھائی ہے، جب آپ ﷺ کو دیکھتا ہے تو بھاگ جاتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے تو اسے امان دے دی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا، ہاں! مگر جب اسے اپنا وہ بڑا جرم یاد آتا ہے تو آپ ﷺ کی نگاہ پاک کی تاب نہیں لا سکتا۔

یہ فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے کہ مسجد الحرام میں دربار نبوی ﷺ لگا ہوا تھا اور سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں وہ لوگ بھی موجود تھے۔ جو ساری زندگی آپ ﷺ کو تکلیفیں دیتے رہے۔ جنہوں نے آپ ﷺ کو اور آپ کے خاندان کو تین سال تک

ایک گھاٹی میں محصور کر کے آب و دانہ تک بند کر دیا تھا اور اناج کا ایک دانہ تک نہیں پہنچنے دیتے تھے۔ دربار نبوی ﷺ میں وہ لوگ بھی کھڑے تھے جو آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر سزائیں دیا کرتے تھے، انہی لوگوں میں وہ مغرور اور خود سر غرور لوگ بھی موجود تھے جنہوں نے قسم کھا رکھی تھی کہ وہ دین اسلام کی ہر قیمت پر مخالفت کریں گے اور ایسے لوگ بھی تھے جو رسول اللہ ﷺ کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔ یہ تمام مجرم سر جھکائے کھڑے تھے اور اس بات کے منتظر تھے کہ ابھی ان کو ان کے کئے کی سزا دے دی جائے گی۔ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک اشارہ ہوگا اور ان کی گردنیں کٹ جائیں گی۔ حضرت محمد ﷺ نے سب کی طرف نگاہ مبارک دوڑائی اور پیغمبرانہ جلال کے ساتھ دریافت فرمایا۔

تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ یہ سن کر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ اہل مکہ کو یقین ہوگیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابھی ان کے قتل کا حکم جاری کر دیں گے، وہ سب مجرم نیچی نگاہیں کئے خاموش کھڑے تھے کہ ارشاد نبوی ﷺ ہوا۔ آج میں تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ آج تم پر کوئی الزام اور مواخذہ نہیں ہے۔ تمہیں معافی دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کرے اور وہی سب رحم فرمانے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

جب غزوۂ احد میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہو گئے، سر اقدس اور چہرۂ انور بھی زخمی ہو گیا، یہ دیکھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رنج و اضطراب کی حالت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ﷺ آپ مشرکین کے لئے بد دعا فرمایئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ میں لعنت اور بد دعا کرنے کیلئے مبعوث نہیں ہوا، میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس کے باوجود جب قریش مکہ کی روش میں کوئی

تبدیلی واقع نہ ہوئی اور ان کی ایذا رسانیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پھر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! ﷺ ان ظالموں کے حق میں بددعا فرمایئے۔ مگر آپ ﷺ نے قریش کے حق میں یہ دعا فرمائی، اے اللہ! میری قوم کو معاف فرمادے کہ یہ لوگ بے خبر ہیں۔

شرم وحیاء

انسانی اوصاف میں شرم وحیا بھی ایک اعلیٰ شرافت کا جوہر ہے۔ تزکیہ قلب وروح کیلئے ایک بہترین نسخہ ہے، اس لیے حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "کہ شرم وحیاء ایمان کی علامت ہے" اس خاص وصف شرم وحیا میں بھی مثل دیگر اوصاف حسنہ کے حضرت نبی اکرم ﷺ اس اعلیٰ مقام پر تھے کہ اگر آپ ﷺ کو شرم وحیا کا پیکر کہا جائے تو بجا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پردہ نشین اور کنواری لڑکیوں سے زیادہ حضرت محمد ﷺ میں حیا تھی۔ جب کوئی بات خلاف مزاج مبارک سنتے (یعنی شرم سوز) تو فوراً چہرہ مبارک سے معلوم ہوجاتا تھا۔ (بخاری)

حضرت سلیمان بن حارث کہتے ہیں کہ ایک دن دو آدمی باہم گالی گلوچ کر رہے تھے تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا اور آپ ﷺ کی رگیں پھول گئیں، یعنی آپ ایسی بے شرمی کی باتوں سے سخت ناراض ہوتے تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت محمد ﷺ خود تکلیف اٹھا لیتے لیکن دوسروں سے (شرم وحیاء کی وجہ سے) نہیں فرماتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر کسی شخص کی کوئی حرکت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ناپسند آتی تو اس کا نام لے کر منع نہ فرماتے، بلکہ عام الفاظ میں اس فعل سے منع فرمادیتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ بھی بیان ہے کہ میں نے (خلوت وجلوت میں) آنحضرت ﷺ کی برہنگی کو

کبھی نہیں دیکھا۔ آپ ﷺ میں شرم وحیاء اس قدر تھی کہ ایک دفعہ جب آپ نابالغ تھے اور خانۂ کعبہ کی مرمت کیلئے اینٹیں ڈھو رہے تھے۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کا کندھا اینٹیں ڈھونے کی وجہ سے ان کی رگڑ سے چھل گیا ہے۔ دفعتہً آپ ﷺ کے چچا نے آپ ﷺ کے تہہ بند کو کھول کر آپ کے کندھوں پر رکھ دیا اور کہا کہ بیٹا کیوں یہ کپڑا اینٹوں کے نیچے نہیں رکھ لیتے، مگر تہہ بند کا کھلنا تھا کہ آپ ﷺ بیہوش ہو کر گر پڑے اور مارے شرم کے آپ ﷺ نے منہ آسمان کی طرف کر لیا اور اس وقت تک بے ہوش رہے جب تک کہ پھر تہہ بند اسی طرح نہ باندھ دیا گیا۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کی دایہ حلیمہ سعدیہ کا بیان ہے کہ اگر کبھی آپ ﷺ کا ستر کھل جاتا تھا تو آپ رونے لگتے تھے، اگر ڈھانکنے میں کچھ توقف ہو جاتا تو غیب سے پوشیدہ کیا جاتا تھا۔ حقیقت میں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ہی قلب سلیم عطا فرمایا تھا۔ جس میں عفت وعصمت، حیاء وامانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

آپ ﷺ کی شرم وحیا کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ نے ہاتھ پاؤں اور چہرہ کے سوا جسم کا کوئی حصہ خصوصاً ستر کبھی برہنہ نہیں ہونے دیا۔ اگر چہ مرد کیلئے جسم میں ناف سے زانوں تک حصۂ بدن چھپانا فرض ہے اور اس کے علاوہ دیگر حصص جسم کا برہنہ کرنا روا ہے، لیکن حضور نبی کریم ﷺ پشت اور شکم تک کو نہ کھولتے تھے اور خواب وبیداری، مجمع وتنہائی اور ہر موقع پر جسم کو لباس سے پوشیدہ رکھنے میں کامل احتیاط فرماتے تھے۔

آپ ﷺ ہر وقت نگاہ نیچی رکھتے تھے۔ کسی کا عیب دیکھنے یا معلوم کرنے میں کوشش نہ فرماتے اور اگر اتفاقاً کسی بری بات پر نظر پڑ جاتی تو فوراً اس طرف سے نگاہ پھیر لیتے اور پردہ پوشی اور اغماض پر عامل رہتے۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قسم ہے خدا تعالیٰ کی حضور نبی کریم ﷺ

کے ہاتھ نے کسی غیر عورت کا ہاتھ نہ چھوا۔ آپ ﷺ عورتوں سے صرف زبانی بیعت لیتے تھے اور بیعت لے کر زبانی ارشاد فرماتے کہ میں نے تم سے بیعت لے لی۔

(بخاری شریف)

ایک مرتبہ کسی کو خلاف قاعدہ وضو کرتے دیکھا۔ اسے بتانا آپ کا فرض تھا مگر بتقاضائے حیاء زبان سے کچھ نہ فرمایا، بلکہ اس آدمی کے روبرو وضو کر کے اسے دکھایا اور فرمایا: کہ یوں کرنا لازم ہے۔

پچیس سال کی عمر تک نبی کریم ﷺ نے شادی نہیں کی، تجرد کا یہ زمانہ جو عین عنفوان شباب کا عالم تھا کہ عفت وعصمت، شرم وحیاء سے بسر ہوا اور دیکھنے والوں کی شہادت موجود ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بڑھ کر شرم وحیاء والے تھے۔ اب اس بات کو ماننے میں کسی عقل مند کو کوئی تامل نہیں ہوسکتا کہ آپ ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر ایک ایسے شرم وحیاء والے، عفت وعصمت کے مالک تھے کہ جس کی نظیر تلاش کرنا محال ہے۔

آپ ﷺ کی عفت وعصمت کا سب سے بڑا اور عمدہ ثبوت پردہ کی مشروعیت ہے۔ آغاز اسلام میں عورتیں بے پردہ اور بے نقاب رہتی تھیں اور آپ ﷺ بحیثیت معلم اخلاق ہونے کے اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ عورت کی بے پردگی اور مردوں اور عورتوں کا بے حجابانہ اور آزاد میل جول نہایت خطرناک بات ہے، اس سے بدکاری کی وہ تحریک پیدا ہوتی ہے جو اخلاق وعصمت کو خراب کر دیتی ہے۔ لہٰذا عورت کو پردہ کا حکم دیا اور منع کیا کہ اپنا زیور اور سنگھار خاص شوہر یا ان رشتہ داروں کے سوا جن سے نکاح حرام ہے اور کسی پر ظاہر نہ کرو۔ یہ محض اس لیے کہ بدچلنی اور آوارگی کی پہلی تحریک نظارہ بازی سے ہوا کرتی ہے۔ گو آنکھوں سے دیکھنا زنا اور گناہ نہیں مگر پھر بھی یہ گناہ کا پیش خیمہ ہے، اس لیے مسلمان مردوں اور عورتوں کو نگاہ نیچی رکھنے کا حکم ہے، کہ وہ

اپنے پاکیزہ اطوار نہ بدلیں اور بدنظری سے محترز رہیں تاکہ وہ گناہ سے بچے رہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ معراج شریف کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (معراج کی شب) میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ آسمان سے گزرتا رہا یہاں تک کہ میں اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اپنے مقام پر ملا، انہوں نے مجھ سے پوچھا۔ یا محمد! ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر آپ کی امت کیلئے پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا، دن رات میں پچاس نمازیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، ابھی واپس جایئے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کمی کی درخواست کیجئے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی امت کمزور ہے، اس بوجھ کو نہ اٹھا سکے گی۔ میں اسی وقت واپس آیا اور اپنے مقام پر رجوع کیا اور عرض کیا یا اللہ! میری امت کمزور ہے، اس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتی، ان کی طاقت کے مطابق ان پر بوجھ رکھئے، چنانچہ دس نمازیں کم ہو گئیں۔

حضور نبی کریم ﷺ دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آئے اور انہیں بتایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، یا محمد! ﷺ آپ ﷺ کی امت کمزور ہے، واپس جایئے اور تخفیف چاہیے، چنانچہ میں بارگاہ ایزدی میں واپس گیا اور کمی کی درخواست کی، دس نمازیں مزید کم ہو گئیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے رہے اور نمازوں میں کمی ہوتی رہی، یہاں تک کہ پانچ نمازیں مقرر ہوئیں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر اصرار فرماتے رہے، کہ یا محمد! واپس جایئے اور تخفیف طلب فرمایئے، کیونکہ میں آپ ﷺ سے پہلے کے لوگوں کو آزما چکا ہوں۔ ان پانچ اوقات میں بھی سستی کریں گے۔ سرکار رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ میں اتنی مرتبہ گیا ہوں اور اس قدر تخفیف کا سوال کیا ہے کہ مجھے اب

شرم آتی ہے، میں اس تعداد پر راضی ہوں اگر چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت اصرار کیا، مگر حضرت آپ ﷺ شرم وحیاء کی وجہ سے نہ گئے، یہاں تک کہ آواز آئی۔ میں نے اپنے بندوں پر اپنا فرض نافذ کر دیا اور ان سے بوجھ اٹھالیا، یہ پانچ نمازیں آپ پر اور آپ ﷺ کی امت پر فرض کیں اور ہر نماز کو دس گنا ثواب کے ساتھ قبول کیا، کیونکہ ازل میں ہمارے قلم نے جو کچھ لکھا وہ تبدیل نہیں ہوگا۔

امانت ودیانت

روایات میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو علی الاعلان لوگوں تک کلمہ حق پہنچانے کا حکم ہوا تو ایک دن آپ ﷺ مکہ مکرمہ کی ایک پہاڑی صفا پر چڑھے اور قریش کے قبیلوں کا نام لے کر آواز دی۔ جب تمام قبائل اکٹھے ہو گئے تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میں تمہیں یہ خبر دوں (کہ پہاڑ کے اس طرف) ایک زبردست لشکر تم پر چڑھائی کیلئے آ رہا ہے اور عنقریب تم پر حملہ آور ہو جائے گا، تو کیا تم میری اس بات کی تصدیق کرو گے؟ یہ سن کر سب لوگ بیک زبان ہو کر بولے، کہ بے شک ہم آپ ﷺ کی اس بات کو بالکل حق اور سچ سمجھیں گے، کیونکہ ہم نے آج تک کسی سے بھی آپ ﷺ کو جھوٹ بولتے ہوئے نہیں دیکھا، یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ اگر تم نے اپنے باطل عقائد کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سخت عذاب تم لوگوں کا منتظر ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کیلئے اس تحفہ سے بہتر لیکر نہیں آیا جو میں تمہارے لئے لایا ہوں، میں تمہارے لئے دین ودنیا کی فلاح وبہبود لے کر آیا ہوں اور پروردگار عالم نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف آنے کی دعوت دوں۔ اللہ کی قسم! اگر میں تمام دنیا کے انسانوں سے جھوٹ بولتا، پھر بھی تمہارے

سامنے جھوٹ نہ بولتا اور اگر ساری دنیا کو دھوکہ دیتا پھر بھی تمہیں دھوکہ نہیں دیتا، اس ذات باری تعالیٰ کی قسم جو وحدہ لاشریک ہے کہ میں تمہاری طرف خصوصاً اور تمام عالم کی طرف عموماً اللہ کا رسول اور پیغمبر ہوں۔

جس رات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ گھر سے مدینہ منورہ کیلئے ہجرت کی غرض سے نکلے تھے تو دشمنوں نے نعوذ باللہ اس رات آپ ﷺ کے قتل کی پوری تیاری کر لی تھی، وہ تمام بد بخت طے شدہ فیصلے کے مطابق اکٹھے ہو کر آ گئے اور مکان کا گھیراؤ کر لیا، وہ آپ ﷺ کے سو جانے کا انتظار کرنے لگے تا کہ انہیں نعوذ باللہ قتل کر دیا جائے، رسول اللہ ﷺ کو ان کے خطرناک ارادہ کی خبر ہو چکی تھی، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: علی! مجھے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اجازت مل گئی ہے میں ان امانتوں کو جو میرے پاس ہیں تمہارے سپرد کرتا ہوں، تم انہیں ان کے مالکوں تک پہنچا کر مدینہ منورہ آ جانا، مشرکین مجھے آج رات قتل کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جاؤ اور میری چادر اوڑھ کر میری جگہ پر لیٹ جاؤ، مطمئن رہو کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی چنانچہ اس رات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم ﷺ کی چادر مبارک اوڑھ کر آپ ﷺ کے بستر مبارک پر لیٹ گئے۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے اللہ کے رسول ﷺ ان مشکل حالات میں بھی لوگوں کی امانتوں کی فکر میں تھے اور امانتوں کی حفاظت اور ادائیگی کا انتظام فرما کر ہی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

﴿ازواج مطہرات کے ساتھ محبت﴾

اپنی بیویوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا جیسا بے نظیر برتاؤ تھا وہ ایک ایسے انسان کیلئے جس کا دل تعصب اور دشمنی سے پاک ہو۔ اس کامل واکمل ہادی کی صداقت اور سچائی کے تسلیم کر لینے کیلئے کافی ہے، اس بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سے بڑھ کر اور کون واقف ہوسکتا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ ہم پر بڑے شفیق تھے، کبھی انہوں نے کوئی کام کرنے کیلئے ہمیں نہیں فرمایا۔ کبھی نہیں فرمایا کہ میری خاطر کرو بلکہ وہ ہماری خدمت کیلئے کمر بستہ ہو جاتے تھے۔ (بخاری مسلم)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضرت محمد ﷺ گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ ''آنحضرت ﷺ گھر والوں کی خدمت میں مشغول رہا کرتے تھے''

(بخاری)

ایک بار آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خاطر شہد کا استعمال چھوڑ دیا کیونکہ انہوں نے شہد کی بو کو اپنی طبع کے خلاف بتایا۔ (بخاری شریف)

ایسا کرنا آپ ﷺ کا اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم ﷺ ازواج مطہرات کے ساتھ اس طرح سلوک فرما کر یہ سکھانا چاہتے تھے کہ تمہاری بیویوں کو جن چیزوں سے نفرت ہو اور وہ ان کی طبع کے خلاف ہوں، تو ان کو ترک کر دو، تاکہ تم دونوں میں کسی طرح کی شکر رنجی پیدا نہ ہونے پائے، مگر آپ ﷺ کے ایسا کرنے سے کسی حلال شے کے استعمال یا انتفاع میں کوئی روک پیدا کرنا مقصود نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے یہاں تک زہد کو بڑھانے سے منع کیا۔ کلام باری تعالیٰ ہے، اے نبی! ﷺ جس چیز کو خدا نے تیرے لئے حلال کیا ہے تو نے اس کو اپنی بیویوں کو خوش کرنے کیلئے کیوں اپنے اوپر حرام کرلیا ہے؟

آپ ﷺ جب کبھی سفر میں باہر جایا کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے تھے کہ اپنے ساتھ کسے لے جائیں؟ یہ آپ ﷺ کے عدل و مساوات کا حال تھا اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب بیماری کے بڑھ

جانے سے بہت لاچار ہو گئے تو آپ نے میرے گھر میں رہنے کے واسطے اپنی بیویوں سے اجازت مانگی، انہوں نے اجازت دے دی، اور آپ ﷺ میرے گھر میں اخیر وقت تک تشریف فرما رہے۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ نے کبھی اپنے ہاتھ سے اپنے خادم اور عورت کو نہیں مارا اور نہ کبھی لعنت کی۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی شخص تم سے اپنی بیوی بچوں یا غلام کسی کو مارے تو چاہیے کہ منہ پر مارنے سے پرہیز کرے۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے ''عورت کو ایسا سمجھو جیسے پسلی کی ہڈی۔ ہڈی کو اگر سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو توڑ بیٹھو گے اور اگر اس سے کام لینا چاہو گے تو وہ ٹیڑھے پن ہی میں کام دے گی۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ نے اصحاب رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا: ''جیسا تم آپ کھاؤ پہنو، ویسا ہی اپنی بیویوں کو بھی کھلاؤ پہناؤ اور خبردار! بہت مار دھاڑ مت کرو اور ان کو ذلیل اور حقیر مت سمجھو'' اور ایک روایت میں ہے پورا مومن وہ ہے جو اچھے اخلاق والا ہو اور اپنی بیوی کے ساتھ اچھی طرح گزر کرنے والا ہو۔

عورت کی عزت اور اختیارات کو رسول اللہ ﷺ نے بے حد وسیع کر دیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: عورت اپنے شوہر کے گھر اور اولاد پر حکمران ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نگاہ مبارک میں عورت نفاست و نزاکت اور ضعف خلقت کی وجہ سے ایسے سلوک و احسان کی مستحق ہے کہ وہ ہمیشہ آرام و آسائش میں رہے۔ عورتوں کے حقوق کی رعایت کے مدعی ایسا نمونہ نہیں دکھا سکتے جیسا کہ آپ ﷺ نے دکھایا۔

ایک دفعہ ایک سفر میں اونٹوں کے کجاووں میں عورتیں سوار تھیں۔ ساربان جو اونٹوں کی مہار پکڑے جا رہا تھا۔ حدی خوانی کرنے لگا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''دیکھو! کانچ کی شیشیوں کو توڑ پھوڑ نہ دینا'' (مسلم شریف)

آپ ﷺ نے فرمایا: کہ ''مجھے دنیا کی چیزوں میں سے تین چیزیں بہت مرغوب ہیں۔ خوشبو' عورت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز'' (مشکوۃ شریف) یہ فرمانا آپ ﷺ کا عورت کی عزت وعظمت کا دل میں بٹھانا تھا۔''

آپ ﷺ کو اپنے اخلاق کریم اور سیرت فاضلہ پر اطمینان اور بھروسہ تھا۔ آپ ﷺ کے متعدد نکاح کرنے کی ایک بھاری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ ﷺ کی اندرونی معاشرت اور خانہ داری سے دنیا واقف ہو جائے اور ازدواجی زندگی کے مختلف پہلو دنیا کے سامنے آجائیں۔ باوجود یہ کہ بہت سی بیویاں آپ ﷺ کے نکاح میں موجود تھیں مگر آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بہت یاد فرمایا کرتے تھے۔ سرد آہ بھرتے اور فرماتے'' آہ! وہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دریافت فرماتیں کہ کیا خدیجہ رضی اللہ عنہا بوڑھی نہیں تھیں''۔ آپ ﷺ جواب میں فرماتے کہ ''مجھے خدیجہ رضی اللہ عنہا اس لیے یاد آتی ہیں کہ وہ سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائیں تھیں۔'' حضرت خدیجہ سے جب حضور نبی کریم ﷺ نے شادی کی تھی تو ان کی عمر پچاس برس تھی اور آپ ﷺ کی عمر پچیس سال تھی۔ اس شادی سے آپ ﷺ کا مقصود ایک تو عقد بیوگان کی ضرورت پر نمونہ دکھلانا اور عقد ثانی نہ کرنے کی مذموم رسم کو دور کرنا تھا اور بعض دیگر باتوں میں ایک بات یہ بھی تھی کہ ہم مناہل زندگی میں بھی نفسانی خواہشات کی قید سے آزاد رہ سکتے ہیں۔

بعض نادان انسانوں نے اس مسئلہ میں غلطی کھا کر یہ سمجھا ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی بیویوں سے محبت نفسانی خواہش اور رغبت کیلئے تھی۔ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا کہ اگرچہ دنیا

اس لیے کمائی جاتی ہے کہ اس سے انسان اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو آسائش میں رکھے اور عیش و عشرت میں کرے۔ اچھا کھائے، اچھا پہنے، آرام سے سوئے، مگر تاریخ شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی لگا تار تین دن بھی روٹی نہیں کھائی۔ آپ ﷺ نے کبھی شکم سیر ہو کر نہیں کھایا۔ بوریے پر آپ ﷺ سوتے تھے جس سے بدن پر نشان پڑ جاتے تھے، مگر آپ ﷺ اپنے ادعاء نبوت میں ذرا ڈھیل دے دیتے تو عرب اپنی رضامندی سے آپ ﷺ کو بادشاہ بنا لینے کو تیار تھے اور اس زمانے کی رسم کے مطابق سینکڑوں عورتیں حسین سے حسین عیش و عشرت کیلئے مہیا ہو جاتیں، مگر آپ ﷺ نے تمام عمر بجائے عافیت و آرام کے مصیبتیں اٹھائیں اور سوائے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے باقی سب عورتیں بوڑھی اور جو کئی کئی نکاحوں میں آ چکی تھی۔ ان کو اپنے نکاح میں لانا پسند کیا۔ کاش! کوئی اس راز کو سمجھنے کی کوشش کرے تا کہ اس کو ہدایت کی صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا ہو۔

ان دنوں میں جب آپ ﷺ کے تمام رفقاء مالا مال ہو رہے ہیں، تمام انصار اور مہاجر بھائی بھائی بن گئے، گھروں میں مالِ غنیمت کے انبار لگے ہوئے ہیں، کسی چیز کی حاجت کسی کو باقی نہیں، اسی فراخی اور کشادگی کے عالم میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ ’’آپ کے گھر میں کس قدر آسائش اور راحت کے سامان موجود ہیں؟‘‘ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جواب دیا کہ خیبر سے فصل پر جو آ جاتے ہیں جن کو رسول کریم ﷺ اپنے مختلف گھروں میں تقسیم فرما دیتے ہیں۔ ان جوؤں کو ہم خود کوٹ اور پیس کر آٹا بنا لیتی ہیں اور منہ کی پھونک سے جَو کے اردگرد پر سے بھوسی کو دور کر لیا جاتا ہے۔ کبھی کھجوریں، سرکہ یا شہد میسر آ گیا تو وہ سالن کا کام دے جاتا ہے۔ بس نان جویں پر گزارہ ہو جاتا ہے۔

یہ ہے نقشہ اس خدا کے پیارے محبوب ﷺ کے گھروں کا جس سے عقل مند کیلئے

اس نتیجہ پر پہنچنا کیا مشکل ہے؟ کہ آپ ﷺ کو اپنی بیویوں سے محبت کسی نفسانی خواہش کی بناء پر نہ تھی۔ اس مسئلہ کو اور بھی واضح کرنے کیلئے حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی کے اس مشہور واقعہ کو بیان کر دینا اور بھی زیادہ مفید اور نافع ہوگا کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ کی بیویوں نے اپنے مقدس شوہر کی اس داد و دہش کا حال سن کر جو آپ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم اور عام فقراء و مساکین کے ساتھ روا رکھتے تھے، عرض کیا کہ حضرت کچھ ہمیں بھی ملنا چاہیے۔ بیوی سے بڑھ کر کون حق دار ہے؟ مگر آپ ﷺ ان سے جواب میں فرماتے ہیں (اے بیبیو) اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کے ساز و سامان کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کر دوں۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ''اس حکم کو سن کر میں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں تو اللہ و رسول ﷺ اور آخرت کو پسند کرتی ہوں'' اور دوسری ازواج نے بھی ایسا ہی کہا۔

﴿جود و سخا﴾

انسانی اوصاف میں سخاوت ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے انسان خالق و مخلوق دونوں کے نزدیک مقبول و محبوب ہو جاتا ہے اور دونوں اسے عزیز رکھتے ہیں، سخی خدا کا دوست ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ منصب نبوت کے فرائض انجام دینے میں اس درجہ منہمک تھے کہ آپ ﷺ کو کبھی مال جمع کرنے کی طرف توجہ نہیں ہوئی اور کچھ آپ ﷺ نے اپنے نفس یا اپنے اہل و عیال کی آسائش کیلئے زائد از ضرورت مال رکھنا پسند نہیں کیا۔ جو کچھ ملتا تھا راہ خدا میں صرف فرما دیتے تھے، حتیٰ کہ آپ ﷺ اکثر

ایسی حالت میں سوتے تھے کہ صبح کیلئے کچھ پاس نہ ہوتا تھا۔

آپ ﷺ جو دوسخا کا مجسم نمونہ تھے، ایسا نمونہ جس کی نظیر ملنی محال ہے۔ آپ ﷺ کو غیر مستحق سائلوں کا سوال کرنا برا معلوم ہوتا تھا مگر کبھی کسی سائل کے سوال کو رد نہیں فرماتے تھے۔ اگر کبھی سائل کو دینے کیلئے کچھ پاس نہ ہوتا تو عذر فرما دیتے، اس طرح پر گویا کوئی شخص اپنے قصور کی معافی چاہ رہا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی سائل کے جواب میں لا (یعنی نہیں) نہیں فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

☆...... حضور نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا: کہ "احد پہاڑ کے برابر میرے پاس سونا ہو تو مجھے یہی اچھا معلوم ہوگا کہ میں رات گزرنے سے قبل سب خرچ کر دوں گا اور اگر چہ کچھ بچاؤں تو اتنا ہی کہ جو ادائے دین کی ضرورت ہو۔ اس لیے تمام صحابہ اقرار کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت میں سب سے بڑھ کر بلند پایہ تھے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے۔ (بخاری۔ کتاب الجہاد)

☆...... ایک موقعہ پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ "بخیل اور سخی کو یوں سمجھو کہ دو شخص لوہے کے کرتے پہنے ہوئے ہوں اور ان کے دونوں ہاتھ سینہ اور گردن سے لپٹے ہوئے ہوں۔ سخی صدقہ کرتا ہے تو اس کا کرتہ ڈھیلا ہو جاتا ہے اور بخیل جب صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کرتہ تنگ ہو جاتا ہے اور زنجیر کے حلقے اور بھی جکڑ جاتے ہیں۔

☆...... اس حدیث پاک میں آپ ﷺ نے سمجھایا کہ دولت ایک قسم کا بار ہے سخی کو سخاوت میں اس لئے لطف آتا ہے جو کچھ آپ ﷺ کے پاس تھا سب کچھ خرچ ہو گیا۔ تب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس جہاں تک ہوگا میں تم سے

دریغ نہیں کروں گا۔ (بخاری شریف)

☆......آپ سے ایک شخص نے سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کو اس قدر بکریاں عنایت فرمائیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان سمائی ہوئی تھیں۔ (مسلم شریف)

☆......زعفران بن امیہ کافر نے جب آپ کی سخاوت دیکھی تو وہ مسلمان ہو گیا اور دل سے اقرار کیا کہ نبی کے سوا اور کسی سے ایسی سخاوت ممکن نہیں۔

☆......حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس نوے ہزار درہم آئے، جو ایک بوریے پر ڈھیر کر دیئے گئے۔ آپ ﷺ نے ان سب درہموں کو تقسیم کر دیا اور کسی سائل کو رد نہیں کیا، اسی شام کو آپ ﷺ کے گھر فاقہ تھا۔

☆......جنگ حنین کے سفر سے جب آپ ﷺ واپس آئے تو اعراب نے آ کر چاروں طرف سے آپ ﷺ کو گھیر لیا اور سوال کر کے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں تک تنگ کیا گیا کہ آپ ﷺ دبتے دبتے ایک درخت سے چمٹ گئے۔ یہاں تک کہ لوگ آپ ﷺ کی چادر مبارک بھی اچک کر لے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! میری چادر تو دے دو، اگر میرے پاس ان ببولوں کے کانٹوں کی تعداد کے برابر اونٹ ہوتے، تب بھی میں سب تمہیں دے دیتا" حالانکہ اس سے پہلے آپ ﷺ پانچ لاکھ درہم تقسیم فرما چکے تھے۔ (بخاری)

☆......ایک دفعہ ایک شخص نے سوال کیا۔ حضور نبی کریم محمد ﷺ نے فرمایا: میرے پاس اس وقت کچھ نہیں ہے، تم میرے نام پر قرض لے لو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا" خداوند کریم نے آپ ﷺ کو یہ تکلیف نہیں دی کہ اپنی قدرت سے بڑھ کر کام کریں۔ سرکار دو عالم ﷺ خاموش ہو گئے۔ ایک انصاری نے چپکے سے کہا" یا رسول اللہ! خوب دیجئے۔ رب العزت مالک ہے، تنگ دستی کا کیا

ڈر ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ مسکرائے اور چہرہ مبارک بشاش ہو گیا اور فرمایا: ہاں! مجھے یہی حکم ملا ہے''۔

☆......ایک بار ایک سائل کو نصف وسق غلہ قرض دلا دیا۔ قرض خواہ جب تقاضے کیلئے آیا تو رسول اللہ ﷺ نے نصف وسق قرض کا اور نصف بطور جود وسخا عنایت فرمایا۔

(شفا)

☆......حضور رحمت عالم ﷺ کا ارشاد عالی تھا کہ اگر کوئی شخص مقروض مر جائے اور باقی مال نہ چھوڑے تو ہم اسے ادا کریں گے اور کوئی مال چھوڑ دے تو وہ حق ورثاء کا ہے۔ (بخاری شریف)

☆......سخاوت کا بہترین اصول مستحقین کی امداد ہے، آپ ﷺ سے بڑھ کر کون سچا سخی ہو سکتا تھا؟ کیونکہ آپ ﷺ فیاضی کی ضرورت اور اس کے مصرف کو جانتے تھے اور مسلمانوں کو اس امر کی تعلیم دیتے رہتے تھے (خاندان بنی ہاشم جو آپ ﷺ کے قریبی رشتہ دار تھے) برابر آپ ہی کی مدد سے بسر اوقات کیا کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس بحرین سے مال کثیر آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد میں ڈال دو۔ آپ ﷺ نے اس مال کی طرف ذرا بھی توجہ نہ فرمائی اور جب نماز سے فارغ ہوئے۔ مال کے پاس تشریف لا کر محتاجوں میں تقسیم کرنا شروع کیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اچھا تم خود جس قدر اٹھا سکو سونا چاندی اٹھا کے لے جاؤ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک چادر بچھا کر ایک گٹھڑ سیم وزر کا تیار کیا لیکن چونکہ وہ بہت بھاری ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کے اٹھانے کیلئے جب کسی اور سے مدد طلب کی تو آپ ﷺ نے خندہ پیشانی سے فرمایا ''ابن عباس! یہ شرط نہیں ہے تمہیں خود ہی بلا امداد غیرے اٹھانا ہوگا'' دو چار دفعہ اپنے بوجھ کو ہلکا کر کے ابنِ عباس رضی اللہ عنہما اس تمام مال کو

لے گئے اور اس قدر تھا کہ کسی کو امیر الامراء بنانے کیلئے کافی تھا، جب وہ روانہ ہوئے تو آپ ﷺ ان کی جانب دیکھتے جاتے تھے اور ان کی حرص پر تعجب کرتے تھے۔ غرض کہ اس مال کو آپ ﷺ برابر تقسیم فرماتے رہے، جب اس میں ایک حبہ (دانہ) بھی باقی نہ رہا تو آپ ﷺ اٹھ کر خالی ہاتھ گھر تشریف لے گئے۔

(بخاری شریف)

☆......ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ ایک دن ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا اور اس نے آپ ﷺ کی چادر مبارک کو جو موٹے کنارہ کی تھی زور سے جھٹکا دیا۔ وہ کنارہ آپ ﷺ کی گردن میں ایسا دھنس گیا کہ اس سے نشان پڑ گیا اور ساتھ ہی زبان سے اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ اے محمد ﷺ! خدا کا مال جو تمہارے پاس ہے یہ نہ تمہارا ہے اور نہ تمہارے باپ کا ہے، اس میں ایک بار شتر مجھے بھی دلاؤ" سرکار دو جہاں رحمت عالم ﷺ نے جو حقیقی معنوں میں سخی اور کریم تھے۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا:" مال بے شک خدا کا ہے اور میں اس کا غلام ہوں، یہ کہہ کر صحابہ کو حکم دیا ایک بار شتر جو اور ایک بار شتر خرما اسے دیئے جائیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک بچے نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ میری ماں نے پیراہن مبارک مانگا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: تھوڑی دیر کے بعد لے جانا، وہ تھوڑی دیر کے بعد حاضر ہو گیا اور عرض کیا کہ میری ماں نے پیراہن شریف کیلئے مجھے دوبارہ بھیجا ہے۔ آپ ﷺ فوراً گھر میں تشریف لائے اور بدن اطہر سے پیراہن مبارک اتار کر بچہ کے حوالے کر دیا۔ حالانکہ اس کے سوا کوئی دوسرا پیراہن آپ ﷺ کے پاس نہ تھا اور آپ ﷺ برہنہ گھر میں بیٹھے رہے جب نماز کا وقت ہوا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی لوگوں نے کچھ دیر حضور نبی کریم ﷺ کا انتظار کیا جب آپ ﷺ تشریف نہ لائے تو

سب بے قرار ہو کر گھر میں حاضر ہوئے۔ وہاں دیکھا کہ آپ ﷺ برہنہ تشریف فرما ہیں۔

☆......ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں نوے ہزار درہم پیش کئے گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں ایک چٹائی پر رکھوالیا اور تقسیم فرمانے لگے، جو بھی سائل آتا، اس کو مایوس نہ فرماتے، ایک کو عطا فرماتے تو اس کے بعد ایک سائل اور آجاتا آپ ﷺ نے تمام درہم تقسیم فرما دیئے تو اس کے بعد ایک سائل اور آگیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ تم میرے نام پر اپنی ضرورت کی اشیاء خرید لو، جب کسی طرف سے مال آئے گا تو تمہارے قرض کی ادائیگی میں کردوں گا۔ اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ﷺ جس کی استطاعت نہ ہو تو وہ کام اللہ تعالیٰ نے ضروری قرار نہیں دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ بات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پسند نہ آئی۔ ایک انصاری جو کہ اس وقت وہاں موجود تھے، کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ آپ خرچ کرتے جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی مال کی کمی کا اندیشہ لاحق نہیں ہونے دیگا۔ یہ سن کر حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام خوش ہو گئے اور ارشاد فرمایا: کہ مجھے یہی حکم ملا ہے۔ (ترمذی شریف)

☆......سخاوت کی فضیلت و پسندیدگی و مرتبہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ بنی اسرائیل میں تین اشخاص تھے، ایک کوڑھی دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا۔ ان تینوں کا اللہ تعالیٰ نے امتحان لینا چاہا اور ان کی طرف ایک فرشتہ کو بھیجا۔ یہ فرشتہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے سب سے زیادہ کون سی چیز پسند ہے؟ کوڑھی نے جواب دیا کہ خوبصورت رنگ اور خوبصورت جلد اور اس مرض کا دور ہو جانا، جس کے سبب لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ یہ سن کر فرشتے

نے اس کوڑھی کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور اس کا کوڑھ ختم ہو گیا اور اس کے جسم کی رنگت نکھر گئی اور جلد خوبصورت ہوگئی اور اس کے بعد فرشتہ نے پوچھا کہ تجھے کس قسم کا مال پسند ہے؟ اس نے گائے یا اونٹ کہا۔ (حدیث کے راوی کو شک ہے کہ اس نے گائے کہا یا اونٹ) بہر حال گنجے اور کوڑھی میں ایک نے اونٹ بتائے اور دوسرے نے گائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اس کی خواہش کے مطابق اس کو حاملہ اونٹنیاں دے دی گئیں اور فرشتہ نے اس کو یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تیرے لئے ان میں برکت عطا فرمائے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ اس کے بعد فرشتہ گنجے کے پاس آیا اس سے پوچھا کہ تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟ وہ کہنے لگا کہ خوبصورت بال اور اس عیب کا دور ہو جانا کہ جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ یعنی گنجا پن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا: کہ فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا گنجا پن ختم ہو گیا اور اسے خوبصورت بال عطاء کر دیئے گئے، اس کے بعد فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تجھے کون سا مال پسند ہے؟ اس نے کہا کہ گائے، چنانچہ اس کو حاملہ گائیں دے دی گئیں اور فرشتے نے اس کو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تیرے اس مال میں برکت عطاء فرمائے۔

حضور رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ وہ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی مجھے لوٹا دے تاکہ میں اپنی آنکھوں سے لوگوں کو دیکھ سکوں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی اسے لوٹا دی، پھر فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تجھے کس قسم کا مال پسند ہے؟ وہ کہنے لگا کہ بکریاں چنانچہ اس کو زیادہ بچے دینے والی بکریاں دیدی گئیں۔ اس

طرح ان تینوں کے مال میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی اور کوڑھی اور گنجے کے اونٹوں اور گایوں سے جنگل بھر گئے اور اندھے کی بکریوں کے ریوڑ وادیوں میں دکھائی دینے لگے۔

حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد فرشتہ ایک کوڑھی کی شکل میں اس کوڑھی کے پاس گیا اور اسے کہا کہ میں مسکین شخص ہوں، میرے پاس سفر کیلئے کوئی زادِ راہ نہیں ہے، اب میرے لئے منزل مقصود تک پہنچنا اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور تیری مدد سے ہوسکتا ہے۔ اس لئے میں تجھے اس باری تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ جس نے تجھے اچھا رنگ، خوبصورت جلد اور مال عطا کیا ہے، مجھے ایک اونٹ دے تاکہ میں اس کے ذریعے منزل مقصود پر پہنچ سکوں۔ کوڑھی نے فرشتے کو جواب دیا کہ میرے اوپر بہت سے حقوق ہیں (میرے پاس اتنی گنجائش کہاں کہ تیری مدد کرسکوں؟) فرشتے نے اسے کہا کہ ہاں! میں تجھے پہچانتا ہوں تو وہی کوڑھی ہے جس سے لوگ نفرت کرتے تھے اور تو مفلس تھا، اللہ تعالیٰ نے تجھے مال دیا۔ کوڑھی نے جواب میں کہا کہ یہ مال تو مجھے نسل درنسل اپنے خاندان سے (ورثہ میں) ملا ہے۔ فرشتے نے کہا، اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے پر ویسا ہی کردے جیسا کہ تو پہلے تھا۔

گنجے نے بھی ایسا ہی کہا! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا اس سے کہا کہ میں ایک مسکین آدمی ہوں اور مسافر ہوں، میرا سفر کا سامان مجھ سے جاتا رہا، اب منزل مقصود تک پہنچنا اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور تیری مدد سے ہوسکتا ہے کہ میں تجھے اس ذات باری تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ جس نے تجھے دوبارہ بینائی عطا فرمائی، مجھے ایک بکری دے کہ میں اس کے ذریعے اپنا سفر پورا کروں۔ اندھے نے یہ سنا تو کہنے لگا کہ بے شک میں اندھا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ بینائی عطا فرمائی، پس تجھ کو جس قدر چاہیے لے جا اور تیرا جس قدر دل چاہے، چھوڑ جا، مجھے قسم ہے اللہ

تعالیٰ کی میں آج تجھے تکلیف نہیں دوں گا، اس چیز کو واپس کرنے کی جو تو لے گا۔ یہ سن کر فرشتے نے کہا تو اپنا مال اپنے پاس رکھ، تم لوگوں کا امتحان لیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی اور خوش ہوا اور تیرے ساتھیوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوا۔

(بخاری۔ مسلم)

☆......ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ چند افراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ان کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے کپڑوں کا سوال کیا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت اطہر کے اندر تشریف لے گئے۔ اس وقت اتفاق سے کچھ بھی نہ تھا۔ ایک بڑی سی چادر تھی جسے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اوڑھ رکھا تھا، آپ ﷺ نے اپنی پیاری صاحبزادی کو اپنے پاس بلایا اور ارشاد فرمایا: کیا تم اس چادر کے بدلے میں جہنم کی آگ سے محفوظ رہنا چاہتی ہو؟ حضرت بی بی فاطمہ نے جواب دیا۔ ہاں یا رسول اللہ! ﷺ چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے وہ چادر لے لی، یہ چادر مبارک چونکہ بہت بڑی تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے باہر آ کر یہ مبارک چادر ان افراد کو دے دی۔

☆......حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک سائل رسالت مآب ﷺ کے دروازے پر آیا۔ میں نے خادمہ کو کہا اس سائل کو کھانا دو۔ خادمہ نے مجھے روٹیاں دکھائیں تاکہ اسے دے سکے، میں گننے لگی تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عائشہ گن کر روٹیاں نہ دیا کرو تاکہ تمہیں بھی گن کر ثواب نہ دیا جائے۔ یاد رکھو! سورج اس وقت تک طلوع نہیں ہوتا اور اس وقت تک غروب نہیں ہوتا جب تک دائیں اور بائیں کندھوں پر دو فرشتے آواز نہیں دے لیتے۔ اے اللہ! مجھے شرک سے پاک رکھ اور دوسرا کہتا ہے اے اللہ! جس نے تیری راہ میں دیا ہے تو بھی اس کو اپنی رحمت سے عطاء فرما اور یہ بھی کہتا ہے کہ جو شخص جمع ہی کر کے رکھتا ہے اس کا

ضائع کر دے۔

☆......ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک (صحابی) رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ انکی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے چاہا کہ اسے کچھ تحفہ دیا جائے، چنانچہ اٹھے اور بیت اطہر کے اندر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ گھر میں کچھ چیز ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک تھیلا ہے جس میں تھوڑا سا آٹا ہے، چنانچہ حضور نبی پاک ﷺ نے وہ تھیلا اٹھایا اور اس صحابی کو دے دیا۔

☆......رسول کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو کپڑا پہنائے گا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں خوبصورت لباس عطا فرمائے گا، جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی کوئی حاجت پوری کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہزار نیکیوں سے نوازے گا اور اس کے نامۂ اعمال سے ایک ہزار گناہ دُھل جائیں گے اور اس کے ہزار درجے بلند کر دیئے جائیں گے اور جو بیمار کو کچھ کھانے کیلئے دے گا، اللہ تعالیٰ اسے جنتی میووں سے نوازے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے جو اس کے بندوں کی امداد کرتا ہے۔ یاد رکھو کہ کسی سائل کو اپنے دروازے پر آنے سے نہ روکو، جو شخص اپنے احسانات جتاتا ہے وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

☆......ایک شخص حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتائیں جس سے میں جنت میں جاؤں اور جہنم سے بچ جاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سچ بولا کرو اور سخاوت کیا کرو۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شجاعت

دشمن اسلام ابی بن خلف مکہ میں جب حضور نبی کریم ﷺ سے ملتا تو کہتا اے

محمد! ﷺ میں ایک گھوڑا سونا کھلا کھلا کر پال رہا ہوں۔ میں اسے آٹھ دس سیر جوار روزانہ کھلاتا ہوں، میں اس پر سوار ہو کر تجھ کو قتل کروں گا (نعوذ باللہ) مگر اس کے جواب میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کہ بلکہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ تجھ کو قتل کر دوں گا۔

جنگ احد میں جب کہ حضور نبی کریم ﷺ زخمی ہو چکے تھے اور آپ ﷺ کے قریب صرف چند جاں نثار صحابہ ابوبکر صدیق، عمر فاروق، علی مرتضیٰ شیر خدا، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام اور حارث بن ضمہ علیہم الرضوان اور چند دیگر صحابہ تھے۔ جب آپ ﷺ گھاٹی کے قریب پہنچے تو ابی بن خلف ننگی تلوار ہاتھ میں لئے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے ارادہ سے قریب آ پہنچا۔ وہ بڑے تکبر اور غرور سے آوازیں دے رہا تھا، اے محمد! ﷺ تم کہاں ہو؟ اے محمد ﷺ کہاں ہو؟ اس کی آوازیں سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ ہم میں سے ایک شخص اس کے مقابلے کو کافی ہے۔ یہ کہہ کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کے راستے میں حائل ہو گئے تو رسول اللہ نے فرمایا: اسے میرے سامنے آنے دو۔ تم راستہ سے ہٹ جاؤ۔ جب وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آ پہنچا، للکار کر بولا کہ اے محمد! ﷺ اگر تم بچ گئے تو میں نہیں بچوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے حارث بن ضمہ رضی اللہ عنہ سے حربہ لے کر اس زور سے ہلایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پاس سے اس طرح ہٹ گئے جیسے اونٹ کی پشت پر سے مکھیاں اڑ جاتی ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے نشانہ لے کر حربہ پھینکا۔ حربہ ابی بن خلف کی گردن پر لگا۔ وہ صدمہ سے لرز گیا اور گھوڑے پر سے لڑھکنے لگا، تاہم گرتا پڑتا گھوڑا بھگا کر سیدھا لشکر کفار تک جا پہنچا اور بولا! قسم بخدا! محمد ﷺ نے مجھے قتل کر دیا، کفار قریش نے کہا، تو ہمت ہار بیٹھا ہے۔ زخم تو کچھ ایسا گہرا نہیں ہے۔

ابی بن خلف نے کہا مکہ میں محمد ﷺ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ پس خدا کی قسم! محمد ﷺ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو بھی میں ضرور قتل ہو جاتا اور اب تو اس نے مجھے زخمی کر دیا ہے، اب میں ہرگز بچ نہیں سکتا پھر جب لشکر کفار مکہ کو واپس ہوا تو ابی بن خلف راستہ میں مقام سرف پر پہنچ کر مر گیا۔ یہی ایک ایسا بدبخت کافر تھا جو حضور نبی کریم ﷺ کے ہاتھ سے جہنم واصل ہوا۔ (سیرت ابن ہشام)

﴿صبر﴾

ایک دفعہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک عورت قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ ﷺ رک گئے اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: صبر کر' وہ آپ ﷺ کو پہچانتی نہ تھی (گستاخی کے ساتھ) بولی! ہٹو تم کیا جان سکتے ہو مجھ پر کیا کیفیت ہے؟ آپ ﷺ چلے آئے۔ لوگوں نے عورت سے کہا تو نے نہیں پہچانا وہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔ دوڑی ہوئی آئی اور کہا، میں حضور نبی کریم ﷺ کو پہچانتی نہ تھی، ارشاد فرمایا: صبر وہی ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے۔

﴿مہمان نوازی﴾

ایک دفعہ ایک کافر رسول کریم ﷺ کے ہاں مہمان ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے ایک بکری کا دودھ پلایا، وہ سیر نہ ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے دوسری بکری کا دودھ پلایا، وہ بھی کافی نہ ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے تیسری' چوتھی حتیٰ کہ سات بکریوں کا دودھ اسے پلایا اور وہ سیر ہو گیا، اس سارے عرصے میں آپ ﷺ نہایت مطمئن اور کشادہ رو رہے۔ نہ تو آپ ﷺ کی جبین مبارک پر شکن آئی اور کوئی حرف استعجاب آپ ﷺ

کی زبان مبارک سے نہ نکلا۔

ایک دفعہ ایک کافر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاں مہمان ٹھہرا۔ رات کو سوتے ہوئے اس کے پیٹ میں کچھ گڑ بڑ ہوگئی اور بستر ہی میں پاخانہ نکل گیا۔ صبح کو شرمندگی کے باعث رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے ہی اٹھ کر چلا گیا۔ راستہ میں یاد آیا کہ جلدی کی وجہ سے تلوار وہیں بھول آیا ہوں۔ تلوار لینے کے لئے واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بستر صاف کر رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ! ﷺ ہم یہ کام کر لیں گے لیکن آپ ﷺ فرماتے ہیں، نہیں نہیں وہ شخص میرا مہمان تھا اور مجھے ہی یہ کام کرنا چاہیے۔ پھر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نظر اس شخص پر پڑی تو فرمایا: بھائی تم اپنی تلوار یہیں بھول گئے تھے، اسے لے جاؤ۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا۔ آپ ﷺ نے مجھ کو فرمایا: کہ فلاں یہودی کے پاس جا کر کہو کہ میرے پاس ایک مہمان آیا ہے۔ مجھے تھوڑا سا آٹا قرض کے طور پر دے دے۔ یہودی نے جواب دیا کہ ادھار نہیں دوں گا۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں زمین و آسمان میں امین ہوں۔

اگر وہ مجھے قرض دے دیتا تو میں واپس کر دیتا۔ جاؤ، میری زرہ لے جاؤ اور اس کے پاس گروی رکھ کر رقم لے آؤ، تاکہ مہمان کی مہمان نوازی ہو سکے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے کھانا تیار کیا اور آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ چند حضرات کے ساتھ تشریف فرما تھے، میں آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور میں نے

آپ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ ﷺ نے میری طرف اشارہ فرمایا اور یہ لوگ؟ میں نے عرض کیا۔ نہیں آپ خاموش ہو گئے۔ میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ دوبارہ جب حضور نبی کریم ﷺ نے میری طرف دیکھا تو میں نے آپ ﷺ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اور یہ لوگ؟ میں نے کہا، نہیں اسی طرح دوسری یا تیسری مرتبہ میں نے عرض کیا، جی ہاں! یہ لوگ بھی۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ تھوڑی سی چیز تھی جو میں نے صرف رسول اللہ ﷺ کیلئے تیار کی تھی، چنانچہ آپ ﷺ تشریف لائے اور وہ جماعت بھی آپ کے ساتھ آئی اور سب نے کھایا اور اس میں سے بچ بھی گیا۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ میرے والد کے یہاں ٹھہرے، ہم نے آپ ﷺ کے سامنے ہریسہ پیش کیا۔ آپ ﷺ نے تھوڑا سا تناول فرمایا: پھر ہم نے کھجوریں پیش کیں، آپ ﷺ کھجوریں کھاتے تھے اور گٹھلیاں شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی میں پکڑ کر پھینکتے جاتے تھے۔ پھر پینے کیلئے کچھ پیش کیا گیا آپ ﷺ نے نوش فرمایا اور اپنے دائیں طرف بیٹھنے والے کے آگے بڑھا دیا۔ جب آپ ﷺ تشریف لے جانے لگے تو والد محترم نے آپ ﷺ کی سواری کی لگام پکڑ لی اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ! ﷺ ہمارے لئے دعا فرمائیں تو نبی اکرم ﷺ نے دعا فرمائی۔

اولاد سے محبت

اولاد ہر انسان کی عزیز ہوتی ہے۔ اولاد سے محبت کرنا انسان کی فطرت ہے۔ اس لئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ بھی بحیثیت انسان اس فطری جذبہ سے خالی نہیں تھے۔ آپ ﷺ کو بھی اپنی اولاد کے ساتھ محبت تھی اور بہت زیادہ تھی مگر اس عملی محبت میں

بھی آپ ﷺ کی حیثیت عام انسانوں سے الگ تھی۔

آپ ﷺ کی اکثر اولاد بچپن ہی میں دنیا سے رحلت کر گئی تھی۔ ان کی رحلت کے وقت بھی آپ ﷺ سے ان کی محبت کا اظہار ہوا۔ چنانچہ جب آپ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو آپ کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے، مگر ایسے وقت میں بھی آپ ﷺ نے منصبِ نبوت کو مدِ نظر رکھا، حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے دفن کے وقت اتفاق سے سورج کو گرہن لگ گیا اور نبی زادہ کی عظمت کی بناء پر عوام کو قدرتاً یہ خیال ہوا کہ شاید سیارے بھی ان کی رحلت کے غم سے متاثر ہیں تو آپ ﷺ کی دور اندیش نگاہ نے فوراً تاڑ لیا اور آپ ﷺ کے بے لوث باطن نے زبان سے یہ کہلا دیا کہ سورج اور چاند کو گرہن کسی کی موت اور حیات سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

گو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی اولاد خصوصاً حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے دلی محبت تھی، مگر آپ ﷺ کی یہ محبت بھی اپنے اندر شان نبوت رکھتی تھی اور اس بات کی کافی شہادت تھی کہ آپ ﷺ کا کوئی کام اس ارشاد خداوندی سے باہر نہیں ہوتا۔ ''کہہ (اے محمد ﷺ) کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کیلئے ہے''۔

باوجود یہ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بے حد محبت رکھتے تھے لیکن آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لائے اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی گردن میں ایک سونے کا گلوبند دیکھا، جسے ان کے شوہر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کیلئے خریدا تھا۔ جب آپ ﷺ کی نگاہِ مبارک اس گلوبند پر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ! ''کیا لوگ نہیں کہیں گے کہ فاطمہ حضرت محمد ﷺ کی بیٹی مغرور امیروں سا زیور پہنتی ہے'' صاحبزادی بھی

چونکہ اسی آفتاب رسالت ﷺ کے نور سے منور تھی، یہ سنتے ہی اٹھیں اور گلو بند کو گلے سے اتار کر فروخت کر دیا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خرید کر آزاد کیا۔ جب اس واقعہ کی خبر آپ ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ بہت محظوظ ہوئے۔

دنیا میں کون آدمی ہے جو اپنی اولاد کیلئے آرام و آسائش مہیا نہیں کرتا۔ ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی اولاد کیلئے آرام و آسائش ہو، اس کو ہر طرح کی نعمت میسر ہو مگر یہاں یہ حالت تھی کہ باوجود اس کے کہ پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی صاحبزادی (فاطمہ رضی اللہ عنہا) کو سب سے زیادہ چاہتے تھے، اس پر بھی وہ گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ چکی پینے سے آپ رضی اللہ عنہا کے دستہائے مبارک پر نشان پڑ گیا تھا اور گھر میں جھاڑو دینے اور کھانا پکانے سے آپ رضی اللہ عنہا کے کپڑے اکثر غبار آلود اور سیاہ رہتے تھے۔ غرض کہ ہر قسم کی تکلیف اٹھاتی تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ تم اپنے والد ماجد کے پاس جاؤ اور ان سے ایک خادمہ کی درخواست کرو، کہ تمہاری تکلیف کسی قدر کم ہو جائے۔ میرے اس کہنے پر وہ اپنے والد ماجد حضرت رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں مگر آپ ﷺ کو لوگوں سے باتیں کرتے دیکھ کر کچھ نہ کہہ سکیں اور واپس تشریف لے آئیں۔ دوسرے دن آپ ﷺ خود تشریف لائے اور پوچھا کہ اے بیٹی! کل تم کس غرض سے آئی تھیں؟ یہ سن کر میں نے عرض کیا یا محمد ﷺ وہ ایک خادمہ مانگنے کیلئے گئی تھیں، تا کہ ان کو اس محنت و تکلیف سے جو پانی بھرنے، چکی پینے اور جھاڑو دینے میں ہوتی ہے، کچھ نجات ملے۔

یہ سن کر حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: کہ میں تم کو ایسی چیز کیوں نہ بتاؤں جو تم دونوں کے حق میں خادمہ سے بہتر ہو اور وہ یہ کہ 33 دفعہ سبحان اللہ اور 33 دفعہ الحمد للہ اور 34 دفعہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔ اس پر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں خدا اور

اس کے رسول ﷺ سے راضی ہوئی۔

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ کی عادت تھی کہ جب آپ ﷺ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنے ہر ایک گھر والے سے رخصت ہوتے مگر سب سے آخر میں اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو الوداع کہتے اور ان کے گھر سے تشریف لے جاتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ ﷺ کسی سفر پر تشریف لے گئے تو حضرت علی بن ابی طالب نے حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ مال بھیجا، حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے چاندی کے دو کنگن بنوائے اور ایک پردہ (خرید کر) اپنے دروازے پر لٹکایا۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے اور اپنی عادت کے موافق سیدھے اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لائے، تو فاطمہ رضی اللہ عنہا خوش خوش آپ ﷺ کے استقبال کیلئے آپ کی طرف دوڑیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے جونہی آپ کے ہاتھوں میں دو کنگن دیکھے اور دروازے کے پردے پر نظر کی تو واپس تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات ناگوار محسوس ہوئی، وہ رونے لگیں اور سب کچھ سمجھ گئیں کیونکہ ان چیزوں سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی یہ عادت نہ تھی۔ اس لئے فوراً پردہ دروازے پر سے اتارا اور دونوں کنگن ہاتھ سے اتارے اور حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کو بلا کر دونوں چیزیں ان کے ہاتھ میں دیں اور فرمایا: کہ ”اسے اپنے نانا جان کی خدمت میں لے جاؤ اور سلام کے بعد میری طرف سے عرض کرو، آپ ﷺ کے پیچھے ہم نے ان چیزوں کے سوا کچھ نہیں بنایا۔ اب یہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہیں جو چاہے کریں۔“

جب صاحبزادے ان چیزوں کو لے کر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی والدہ کا پیغام اپنے نانا کو سنایا تو دونوں کے منہ پر بوسہ دیا اور شفقت سے اپنے زانوئے مبارک پر بیٹھا کر اور خوش ہو کر حکم دیا کہ یہ دونوں چاندی کے کنگن

توڑ دیئے جائیں، پھر اہل صفہ کو جو مہاجرین میں سے تھے اور مسجد نبوی ﷺ کے حجرے میں مسکینی وغربت کی وجہ سے پڑے رہتے تھے، بلایا اور ان میں وہ چاندی کے ٹکڑے تقسیم فرما دیئے، پھر انہیں اصحاب صفہ میں سے جن صحابی کے پاس کپڑا نہیں تھا آگے بلایا اور اس دروازے کے پردے میں سے ایک ٹکڑا پھاڑ کر اسے دیا۔ اسی طرح تھوڑا تھوڑا ٹکڑا اس پردے کا ہر ایک کو عنایت کیا۔

اس سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا: خدا رحمت بھیجے میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا پر، ان کو حلہ ہائے جنت عطا کرے، اس بخشش کے بدلے میں جو انہوں نے کی، اس پردے کے بدلے میں جس سے مسلمانوں کی ستر پوشی ہوئی اور جنت کا زیور پہنائے ان کنگنوں کے بدلے میں جو انہوں نے غرباء میں تقسیم کیے۔

حضرت عمران بن حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار رسول کریم ﷺ اپنی صاحبزادی کے گھر عیادت کے واسطے تشریف لے گئے اور دروازے پر دستک دی اور ارشاد فرمایا: اسلام علیکم! میں اندر آؤں حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا ''تشریف لائیں'' آپ نے فرمایا: میں اور میرا ساتھی دونوں آئیں۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا آپ ﷺ کے ساتھ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: کہ عمران بن حسین رضی اللہ عنہ، انہوں نے عرض کیا ''قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے میرے پاس ایک عبا کے سوا کوئی کپڑا نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے دستِ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اس کو اس طرح سے لپٹ لو۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ بدن تو میں نے چھپا لیا ہے سر کیسے چھپاؤں آپ ﷺ نے اپنی چادر اندر پھینکی اور فرمایا: اسے اپنے سر پر باندھ لو۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا اور بعد ازاں اندر آنے کی اجازت دی۔

آپ ﷺ نے اندر جا کر فرمایا: بیٹی آج تم کیسی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے درد

ہےاوراس درد پرایک اور درد ہے کہ میرے پاس کھانے کونہیں۔ بھوک نے نڈھال کر دیا ہے۔ آپ ﷺ رو پڑے اور آب دیدہ ہو کر فرمایا: اے لختِ جگر! تو مت گھبرا، بخدا! میں نے تین دن سے کھانا نہیں کھایا اور تیری بہ نسبت خدا تعالیٰ کے حضور میں زیادہ مقرب ہوں، اگر میں خدا سے کچھ مانگتا تو مجھ کو کھلا دیتا مگر میں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اور اسی کو پسند کیا۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے ان کے مونڈھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ''تجھ کو بشارت ہو کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے''۔

☆......☆......☆

استقلال واستقامت

حضرت محمد مصطفی ﷺ کی زندگی کے واقعات میں ایک روشن اور درخشندہ واقعہ یہ ہے کہ جس سے آپ ﷺ کے استقلال اور استقامت پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ جب مکہ کے کافروں نے دیکھا کہ مخالفت اور عداوت سے کامیابی نہیں ہوئی اور عام مظالم سے کام نہیں چلتا تو عمائدین قریش نے ارادہ کیا کہ حضرت محمد ﷺ کو قتل کر دیں۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ) لیکن اس قتل کرنے سے پہلے انہوں نے پھر ایک دفعہ لالچ دے کر آزمانا چاہا اور آپ ﷺ کو تبلیغ حق سے روکنے کی آخری تدبیر کی چونکہ روپیہ' عورت' حکومت یہی تینوں چیزیں ہمیشہ دنیاداروں کا نصب العین ہوا کرتی ہیں۔ اسی لئے عمائدین قریش اپنے معبودوں کی حمایت میں انہی تینوں چیزوں کا لالچ دینے کیلئے سب مل کر آپ ﷺ کے پاس آئے۔ ان میں سے مکہ کا مشہور سردار جس کا نام عتبہ تھا۔ آپ ﷺ سے اس طرح مخاطب ہوا۔

''اے میرے بھتیجے محمد! ﷺ ہم اب تیرے سامنے ایک تجویز پیش کرتے ہیں تو اس پر غور کر اور اگر تجھے پسند خاطر ہو تو اسے قبول کر اور وہ یہ ہے کہ اگر اپنی اس کارروائی سے مال و دولت جمع کرنا مقصود ہے' تو ہم خود ہی تیرے پاس اتنی دولت جمع کر دیتے ہیں کہ تو مالا مال ہو جائے بلکہ ہم میں سے کسی کے پاس اتنی دولت نہ ہو گی۔ اگر تجھے عزت کی ضرورت ہے تو ہم سب تجھے اپنا رئیس مان لیتے ہیں' اگر تجھے حکومت کی خواہش ہے تو ہم تجھے بادشاہ عرب بنا دیتے ہیں تو ہم سب کا امیر اور بادشاہ ہو گا اور کوئی امر تیرے مشورے کے خلاف نہ کریں گے اور اگر عورت چاہیے تو ہم اعلیٰ درجہ کی جمیلہ حسینہ عورت تجھے لا دیں گے یا جو کوئی پسند خاطر ہو چکی ہو وہ بھی حاضر ہو سکتی ہے مگر تم اپنا یہ طریق چھوڑ دو کہ ہمارے خداؤں اور معبودوں کی توہین اور ہتک نہ کیا کرو یا کم

از کم ان کے متعلق کچھ نہ کہا کرو۔ اگر تمہارے دماغ میں کچھ خلل آ گیا ہے کہ ہم تمہارا علاج کریں''۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا:

''جو کچھ تم نے میری بابت میں کہا وہ ذرا بھی صحیح نہیں' مجھے مال' عزت و دولت' حکومت اور عورت کچھ درکار نہیں اور میرے دماغ میں خلل بھی نہیں' میری حقیقت تم کو قرآن پاک کے اس کلام سے معلوم ہوگی۔ یہ فرمان خدائے رحمٰن ورحیم کے حضور سے صادر ہوتا ہے۔ یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کی باتیں عربی زبان میں سمجھ دار لوگوں کیلئے تفصیل کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔ ان کے واسطے اس فرمان میں بشارت ہے اور جو انکار کرتے ہیں ان کو خدا کے عذاب سے ڈراتا ہے تاہم بہت سے لوگوں نے اس فرمان سے منہ پھیر لیا' وہ اسے سنتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا ہمارے دل پر اثر نہیں اور ہمارے کان اس کے شنوا نہیں اور ہم میں اور تم میں ایک طرح کا پردہ پڑا ہے تم اپنی تدبیر کرو ہم اپنی تدبیر کر رہے ہیں۔

اے نبی ﷺ! ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مگر مجھ پر وحی آتی ہے اور خدا کے فرشتے نے یہ بتلا دیا ہے کہ سب لوگوں کا معبود صرف ایک ہے' اسی کی طرف متوجہ ہونا اور اسی سے گناہوں کی معافی مانگنا لازم ہے۔ ان لوگوں پر افسوس ہے جو شرک کرتے ہیں اور صدقہ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں لیکن جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کیلئے آخرت میں بڑا اجر ہے۔

ان آیات کی تلاوت ختم فرما کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوالولید تو نے سنا اب تجھے اختیار ہے کہ ان دو راہوں میں سے جس راہ کو چاہے اختیار کر لے''۔

(ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۱۸۰ اور ۱۸۶)

حضور نبی کریم ﷺ کو طرح طرح کے لالچ دے کر بھی جب عمائدین قریش

کامیاب نہ ہوئے تو تمام قبائل کے سرداروں کو جمع کر کے آپ کے چچا اور ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

ہم نے آپ کا بہت ادب کیا مگر حد ہوتی ہے' اب ہم سے تیرے بھتیجے کی باتیں سنی نہیں جاتیں' وہ ہمارے دیوتاؤں اور بتوں کو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے اتنا سخت سست کہنے لگا ہے کہ اب ہم صبر نہیں کر سکتے۔ اب آپ مہربانی کر کے انہیں سمجھا دیں کہ آئندہ سے اپنی زبان بند کر لیں ورنہ ہم اسے جان سے مار ڈالیں گے اور ان کے جانبداروں سے بھی اچھی طرح نپٹ لیں گے اور تم اکیلے سب کا کچھ نہیں کر سکو گے۔ ابو طالب سمجھے کہ اب معاملہ نازک ہو گیا ہے۔ سارے ملک کی عداوت کو دیکھ کر ان کا دل درد اور محبت سے بھر گیا چونکہ ان کو یقین ہو گیا کہ اب آپ ﷺ کی جان عزیز خطرے میں ہے' اس لئے انہوں نے رسول کریم ﷺ کو اپنے پاس بلا کر سمجھانا شروع کیا کہ بیٹا! اب تم خاموش رہو۔ بت پرستی کی مخالفت نہ کیا کرو ورنہ میں بھی تمہاری حمایت نہ کر سکوں گا۔ اے میرے بھتیجے! تو اپنے آپ کو اور مجھ کو بچا لے اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈال کہ جس کی متحمل میری ضعیف ہڈیاں نہ ہو سکیں۔

ابو طالب جیسے مہربان اور حامی چچا کے ان الفاظ نے پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے استقلال و استقامت میں مطلقاً کوئی تغیر پیدا نہیں کیا حالانکہ آپ ﷺ دیکھ رہے تھے' اب چچا کی اس بات سے رہی سہی جو کچھ طاقت و حمایت ہے وہ بھی جا رہی ہے' آپ ﷺ فوراً اپنے مالک الملک صاحب قوت خدا پر بھروسہ کر کے اٹھ کھڑے ہوئے اور کمال استقلال و اطمینان کے ساتھ فرمایا: ''اے چچا! اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر رکھیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اپنے کام (تبلیغ حق) سے نہ ہٹوں گا اور خدائے پاک کے حکم میں ایک حرف بھی کم و بیش نہ کروں گا' خواہ اس کو پیش کرنے میں میری جان بھی جاتی رہے۔

یہ پاک اوصاف اور پر جوش الفاظ فرما کر آپ ﷺ کے آنسو بھر آئے اور وہاں سے منہ پھیر کر باہر تشریف لے آئے۔ بزرگ ابو طالب یہ الفاظ سن کر ششدر و حیران رہ گئے اور آپ ﷺ کی اس حیرت انگیز استقامت نے ان کے دل پر گہرا اثر ڈالا کہ آپ ﷺ کو چھوڑ دینے یا تبلیغ حق کے روکنے کا خیال بالکل محو ہو گیا اور بے اختیار بول اٹھے کہ بھتیجے! تو جو چاہتا ہے کر خدائے کعبہ کی قسم! میں تیرا ساتھ کبھی نہ چھوڑوں گا۔

﴿قرض ادا ہو گیا﴾

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں ایک یہودی رہتا تھا جس سے میں قرض لیا کرتا تھا۔ ایک سال اتفاق سے کھجوریں نہیں پھلیں اور قرضہ ادا نہ ہو سکا۔ اس پر پورا سال گزر گیا۔ بہار آئی تو یہودی نے تقاضا شروع کیا۔ اس مرتبہ بھی پھل کم آئے تھے، میں نے آئندہ فصل کی مہلت مانگی اس نے انکار کیا۔ میں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے آ کر تمام واقعات بیان کئے۔ آپ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ خود یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور سمجھایا کہ مہلت دے دو۔ اس نے کہا ابو القاسم! میں کبھی مہلت نہ دوں گا۔ آپ ﷺ نخلستان میں تشریف لے گئے اور ایک چکر لگا کر پھر یہودی کے پاس آئے اور اس سے وہ گفتگو کی لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوا۔ بالآخر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: کہ چبوترہ پر (جو سقف تھا) فرش بچھا دو۔ اس پر آرام فرمایا اور سو گئے۔ سو کر اٹھے پھر یہودی سے خواہش کی کہ مہلت دے دے، وہ شقی اب بھی نہ مانا، آپ ﷺ درختوں کے جھنڈ میں کھڑے ہو گئے اور جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کھجوریں توڑنی شروع کرو۔ آنحضرت ﷺ کی برکت سے اتنی کھجوریں نکلیں کہ یہودی کا قرضہ ادا کر کے بچ رہیں۔

عبادت وریاضت

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت اور عقائد کا اظہار عبادت سے ہوتا ہے۔ عبادت کرنے سے بندہ کا تعلق اپنے خالق و مالک سے ظاہر ہوتا ہے جو آدمی عبادت کرتا ہے وہ اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اس کو اپنے مالک رب العالمین سے سچا تعلق ہے اور نیز عبادت ایک بیج کے مانند ہے جس کا اثر روح اور جسم دونوں پر پڑتا ہے' عبادت جس قدر زیادہ کی جاتی ہے' اسی قدر وہ بیج پھلتا پھولتا ہے اور ثمر دار ہوتا ہے۔ انسان جب تک عملی طور پر عبادت اور بجا آوری احکام سے یہ ثابت نہ کردے کہ وہ حقیقت میں خدا پر سچا اور پکا ایمان رکھتا ہے۔ اس وقت تک وہ فیوض و برکات حاصل نہیں ہو سکتے جو مقربوں کو ملا کرتے ہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے کبھی اسے پسند نہیں کیا کہ کوئی شخص دنیا کے تمام ضروری کاموں سے کنارہ کش ہو کر صرف تسبیح لے کر بیٹھ جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے برگزیدہ طرز عمل سے دکھا دیا کہ فرائض انسانی کیا ہیں۔ چنانچہ ان کو میدان جنگ میں دیکھنے والا کبھی خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ لوگ مسجدوں میں خشوع و خضوع سے نمازیں پڑھتے ہوں گے اور اس وقت ایسے متفرق ہوں گے کہ کاٹو تو ایک قطرہ خون نہ نکلے اور نماز میں ان کو دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ایسے تیغ زن اور بہادر ہو سکتے ہیں جو اپنی تلوار سے ساری دنیا کو لرزہ براندم کردیں۔ غرض! آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی ہر کام میں بے حد مستعد اور ہوشیار تھے جو کرتے تھے دل سے اور خدائے پاک کیلئے کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات آپ ﷺ کے ساتھ نماز تہجد پڑھی تو آپ ﷺ برابر کھڑے رہے' یہاں تک کے میں بالکل تھک گیا۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ بعض وقت تہجد کو اس قدر طول دیتے تھے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک ورم کر جاتے تھے‘ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ آپ ﷺ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ آپ تو پاک ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ میں بھی ایک بندہ ہوں۔ کیا خدائے پاک کی شکر گزاری چھوڑ دوں۔ (بخاری شریف)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کے پاؤں بہت سوج جاتے تو آپ ﷺ بیٹھ جاتے تھے اور جب رکوع کرنا چاہتے تو کھڑے ہو کر اور کچھ پڑھ کر رکوع کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

ایک روایت میں ہے کہ اللہ پاک کے خوف سے آپ ﷺ کے سینے سے نماز میں ایسے رونے کی آواز آتی تھی کہ جیسے ہانڈی جوش مارتی ہے۔ (نسائی شریف)

نماز کا اصلی مقصد خشوع و خضوع ہے۔ آپ ﷺ کسی سے اس کا ظہور ہوتا ہوا نہ دیکھتے تھے تو اس کو تنبیہ فرماتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے نہایت عجلت کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز پڑھ چکا تو آپ ﷺ نے فرمایا: نماز کو پھر دہراؤ‘ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں‘ اس نے تین بار نماز دہرائی اور آپ ﷺ نے تینوں بار اس کو ٹوکا‘ آخر میں اس نے عرض کیا کہ اب میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ آپ ﷺ نے تکبیر‘ قرأت‘ رکوع‘ سجود‘ قیام و قعود کے وہ طریقے بتائے جن سے اطمینان‘ سکون‘ وقار اور اعتدال کا اظہار ہوتا ہے۔ (بخاری شریف)

بعض لوگ جب امامت کرتے تھے تو نماز میں طول دیتے تھے‘ جس سے کاروباری اور ضعیف لوگ گھبرا جاتے تھے۔ ایک شخص نے اسی بناء پر امام کی شکایت کی۔ آپ ﷺ کو معمول سے زیادہ غصہ آگیا اور فرمایا: تم لوگوں کو مذہب سے متنفر کر رہے ہو۔ امام کو نماز میں تخفیف کرنی چاہیے‘ کیونکہ اس میں مریض‘ ضعیف‘ کاروباری ہر قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ (بخاری)

مزاح و تبسم

بعض لوگ مزاح و خوش طبعی کو تقویٰ اور تقدس کے خلاف سمجھتے ہیں مگر حقیقت حال اس کے خلاف ہے' مثلاً ایک شخص نماز پڑھ کر کسی دیہاتی سے اس کے اہل وعیال اور کاروبار کے استفسار میں مشغول ہو جائے اور کھیتی باڑی کے حالات پوچھ کر اس سے ہمدردی ظاہر کرے اور دوسرا شخص لا الہ الا اللہ کی تسبیح میں مصروف ہو تو بظاہر یہ دوسرا شخص افضل اور اکمل معلوم ہوتا ہے' لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ اگر پہلے شخص کی نیت درست ہے' یعنی مسافر کے انبساط خاطر کیلئے ایسا کر رہا ہے' یا کسی ہمدردی کی نیت سے تو یہ باتیں زیادہ افضل اور مقبول ہیں کیونکہ ہر عمل اپنے آثار اور غایت کے اعتبار سے افضل ہوتا ہے۔ پس ہر عمل کی غایت دیکھنا چاہیے اور یہی عوام الناس کی غلطی ہے کہ وہ اس کو نہیں سمجھتے۔

مشہور ہے کہ ایک آدمی ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا' وہ بزرگ بہت دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے' اس شخص نے جب اجازت مانگی تو رخصت کے وقت عرض کیا کہ حضرت آج میں نے آپ کی عبادت میں بہت حرج کیا' وہ بزرگ فرمانے لگے کہ ''بندۂ خدا کیا کہا؟ کیا نماز روزہ ہی عبادت ہے اور دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں؟''

حضور نبی کریم ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اسی قاعدہ کے مطابق عمل پیرا ہوتے تھے اور حد جواز تک جس قسم کی باتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے' آپ ان کے ساتھ شریک رہتے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ کھانے پینے حتیٰ کہ ایام جاہلیت کے تذکروں میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ شامل رہتے تھے اور ان لوگوں کے تذکروں کو سن کر آپ ﷺ تبسم فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا تبسم'

مسکرانے سے زیادہ نہ ہوتا تھا اور کبھی کسی نے آپ ﷺ کی آواز قہقہہ نہیں سنی۔ ہنسی تو ان لوگوں کو آسکتی ہے جو بالکل بے فکر ہوں' مگر اللہ والوں کو بے فکری کہاں؟

البتہ! دوسروں کی خاطر کبھی کبھی ہنس دیتے تھے' آپ کا تبسم فرمانا اور قہقہہ کی آواز نکالنا بھی خوفِ خدا کی وجہ سے تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اپنے بھائی کے ساتھ خصومت مت رکھو اور ایسا (مزاح) نہ کرو کہ جس سے اس کو ایذا پہنچے اور ایسا وعدہ نہ کرو جس وعدہ کو تم بعد میں وفا نہ کرسکو''۔

ایک بار حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کھجوریں کھا رہے تھے' آپ ﷺ نے اپنی کھجوروں کی گٹھلیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گٹھلیوں میں ملا دیں اور فرمایا: دیکھو علی! تم نے مجھ سے زیادہ کھجوریں کھائی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت! میں آپ ﷺ کی طرح گٹھلیوں سمیت کھجوریں نہیں کھاتا رہا۔

ایک دفعہ ایک بڑھیا نے آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ مجھے جنت نصیب کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائیگی۔ بیچاری بڑھیا نے حیران ہو کر پوچھا' کہ کیوں بڑھیا عورتیں بہشت میں نہیں جائیں گی؟ بڑھیا قرآن خواں تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا: کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا اور تجھے معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بہشتی عورتوں کو ہم ناکتخدا پیدا کریں گے' وہاں بوڑھی کوئی نہ ہوگی' سب جوان ہوں گی۔

ایک دن ایک شخص سے آپ ﷺ نے پوچھا کہ بتلاؤ' تمہارے ماموں کی بہن تمہاری کیا لگی' اس سادہ دل نے سر نیچے جھکا لیا اور سوچنے لگا۔ آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: کہ ہوش کر' کیا تجھے تیری ماں بھول گئی۔

ایک دفعہ ایک موقع پر جب آپ ﷺ تمام صحابہ میں گھوڑے اور اونٹ (سواری کے جانور) تقسیم فرما رہے تھے' ایک صحابی سے فرمایا: کہ اس کو بھی اونٹ کا بچہ دے دو۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اونٹ کا بچہ کیا کروں گا؟ آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: ایک بڑا اونٹ بھی اونٹ ہی کا بچہ ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے پیٹ میں شدید درد ہو گیا' میں درد سے بیتاب تھا' حضور نبی کریم ﷺ وہاں سے گزرے اور ارشاد فرمایا: ابو ہریرہ! نماز پڑھو' درد سے آرام آجائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ حضور پاک ﷺ نے فرمایا: میں تو مزاح کر رہا تھا۔

ایک مرتبہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا یا رسول اللہ! ﷺ میرا خاوند بیمار ہے' وہ آپ ﷺ کو یاد کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اوہو' اس کی آنکھ میں تو سفیدی ہے' وہ عورت بھاگتی ہوئی اپنے گھر واپس آئی اور اپنے خاوند میں دیکھنے لگی۔ خاوند نے پوچھا کیا دیکھتی ہو؟ کہنے لگی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہاری آنکھوں میں سفیدی ہے۔ خاوند نے کہا' اے اللہ کی بندی! رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے کہ ہر ایک کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں کسی نے بہت ہی خوبصورت سیاہ پھولوں والی چادر تحفہ کے طور پر پیش کی۔ آپ ﷺ نے قبول فرماتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ بتاؤ یہ چادر کس کو عطاء کروں؟ صحابۂ کرام نے خاموشی اختیار فرمائی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ جسے مناسب سمجھیں عطا فرمائیں۔ صحابۂ کرام کو خاموش دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ام خالد رضی اللہ عنہا کو بلاؤ۔ یہ حکم سن کر ایک صحابی حضرت ام خالد کو بلا کر لے آئے۔ رسول کریم ﷺ نے وہ چادر ام خالد کو عطا کرتے ہوئے فرمایا' اسے پہنو اور پرانی کرو۔ پھر آپ ﷺ نے

چادر پر بنے ہوئے پھولوں پر دست مبارک رکھ کر خوش طبعی کے موڈ میں فرمایا' دیکھو یہ سنہ ہے۔ سنہ حبشی زبان کا لفظ ہوتا ہے اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم ﷺ نے خوش طبعی کے انداز میں مسکراتے ہوئے اس لفظ کو اس لئے ادا فرمایا کہ حضرت ام خالد رضی اللہ عنہا حبشی زبان سے واقف تھیں' اور ان کو خوش کرنا مقصود تھا' چنانچہ حضرت ام خالد نے جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان اطہر سے یہ لفظ سنا تو بہت خوش ہوئیں۔

حضور خاتم النبیین ﷺ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے بچوں کا سا سلوک فرمایا کرتے تھے اور ان سے بہت پیار کرتے تھے' ایک مرتبہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف فرما تھے' قریب ہی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ رسول اللہ ﷺ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر خوش طبعی کے موڈ میں مسکرائے اور فرمایا: اگر یہ میری بیٹی ہوتی تو میں اس کو بہت بناؤ سنگھار کرتا' اس کو اچھے اچھے زیور پہناتا' تاکہ اس کا چرچا ہر طرف ہوتا اور ہر جانب سے پیام آتے۔

حضور نبی کریم ﷺ اپنے پیارے نواسے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بہت پیار فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت امام حسین راستہ میں بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مشغول تھے کہ حضور نبی پاک ﷺ ادھر سے گزرے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بچوں کے ساتھ مشغول دیکھا تو انہیں اپنے پیار اور شفقت سے نوازنے کیلئے لوگوں سے آگے بڑھ کر تیز تیز قدم مبارک اٹھا کر ان کی طرف بڑھے۔ امام حسین کی نگاہ مبارک پڑی تو انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی انہیں ہنسانے کی خاطر خوش طبعی کے موڈ میں مسکراتے ہوئے ان کے پیچھے بھاگنا شروع فرمایا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے انہیں پکڑ لیا اور اپنا ایک دست مبارک ان کے سر کے اوپر اور دوسرا ان کی تھوڑی کے نیچے رکھ

کر پیار سے منہ چوم لیا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ اس دن اتفاق سے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کی چڑیا مر گئی۔ جس کی وجہ سے وہ صاحبزادے کچھ رنجیدہ تھے' کیونکہ ان کو چڑیا سے بہت پیار تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت خوش طبعی کے موڈ میں تھے' آپ ﷺ نے ان کی دل جوئی فرمائی' مسکرا کر مزاح کے انداز میں فرمایا: اے ابا عمیر! تمہاری چڑیا کہاں گئی؟ یہ سن کر ابوعمیر ہنس پڑے اور بولے وہ تو مر گئی۔

یہ غزوہ خندق کا واقعہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو خندق کی کھدائی کے دوران کام کرتے ہوئے نیند کا غلبہ ہونے لگا تو وہ وہیں پر سو گئے۔ اتفاق سے اس وقت حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی نزدیک ہی موجود تھے۔ انہوں نے خوش طبعی فرماتے ہوئے ان کے ہتھیار اتار دیئے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بالکل خبر نہ ہوئی کہ حضرت عمار انصاری نے ان کے ہتھیار اتار لیے ہیں۔ جب حضور نبی کریم ﷺ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھا تو مسکرائے اور ان کو جگاتے ہوئے خوش طبعی کے انداز میں فرمایا: اے نیند کے باپ! اٹھو۔ رسول اللہ ﷺ کی آواز مبارک سن کر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھل گئی' اس کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا کہ کسی سے بھی اس طرح کا مزاح نہ کیا کرو۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپس میں گفتگو فرما رہے تھے۔ گفتگو کے دوران جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کسی بات پر تھوڑا سا ناراض ہو گئیں اور روٹھنے کے انداز میں ذرا اونچی آواز کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے گفتگو فرمانے لگیں کہ اسی اثناء میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

تشریف لے آئے۔ انہوں نے جب اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس انداز میں رسول اللہ ﷺ سے بات کرتے ہوئے دیکھا تو فوراً غصے میں آ گئے اور یہ فرماتے ہوئے تھپڑ مارنے کو آگے بڑھے کہ تم نبی کریم ﷺ سے جو اللہ کے رسول سے اس لہجہ میں بات کرتی ہو۔ حضرت محمد ﷺ نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس قدر غصے کی حالت میں دیکھا تو فوراً اٹھ کر درمیان میں آ گئے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بچالیا۔ اس کے کچھ ہی دیر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے تو حضور نبی کریم ﷺ خوش طبعی فرماتے ہوئے مزاح کے انداز میں فرمایا: کیوں عائشہ بچالیا ناں۔ سرکار دوعالم ﷺ کے اس مزاح پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔

﴿قوم کا اعزاز واحترام﴾

دوسروں کا ادب واحترام کرنا اور باوجود اپنے علو مرتبت کے اوروں کے ساتھ تواضع وانکساری سے پیش آنا انسانی فضائل میں ایک ایسی شریفانہ اور نیک خصلت ہے جس سے اخوت واتحاد اور مساوات و یگانگت کی بنیادیں مستحکم ہوتی ہیں۔ اس لئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دوسروں کے ادب واحترام کا بہت خیال رہتا تھا اور اس امر خاص میں جو اسوۂ حسنہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کیلئے پیش فرمایا ہے اگر مسلمان اس پر عمل کرنے لگیں تو بہت جلد اپنی کھوئی ہوئی عزت کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

حضور رحمت عالم ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ ﷺ کبھی مجلس میں پائے مبارک دراز کر کے تشریف نہیں رکھتے تھے۔ اور اپنے اصحاب کو کنیت کے نام سے پکارتے تھے۔ (عرب میں عزت سے بلانے کا یہی دستور ہے) اگر آپ ﷺ کو کوئی شخص بلاتا تو آپ ﷺ اس کے جواب میں لبیک (حاضر ہوں) فرمایا کرتے۔ کوئی

شخص آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں آتا تو اس کی تعظیم کرتے' اس کا ادب بجا لاتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ حجرہ میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کے اصحاب اس کثرت سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کہ حجرہ شریف بھر گیا۔ بیٹھنے کو جگہ نہ رہی۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ جو ایک صحابی تھے' تشریف لائے اندر جگہ نہ دیکھی تو دہلیز پر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر لپیٹ کر ان کے پاس پھینک دی اور فرمایا: کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔ انہوں نے چادر مبارک کو اٹھا کر آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دے کر رونے لگے اور تہہ کر کے آپ ﷺ کو واپس کر دی اور عرض کیا کہ میں اس لائق نہیں کہ آپ ﷺ کی چادر مبارک پر بیٹھوں' پھر آپ ﷺ نے دائیں بائیں دیکھ کر فرمایا: جب تمہارے پاس کوئی آدمی آئے تو تم اس کی تعظیم و تکریم کیا کرو۔

بعض اوقات آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں کوئی حاضر ہوتا اور آپ ﷺ تکیہ لگائے بیٹھے ہوتے جس میں اتنی گنجائش نہ ہوتی کہ اسکو اپنے ساتھ بٹھالیں تو تکیہ نکال کر اسے دے دیتے' اگر وہ لینے سے انکار کرتا تو آپ ﷺ اصرار کر کے اسے دے ہی دیتے تھے' یہ یاد رہے کہ یہ تکیہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔

ایک دفعہ ایک بڑھیا آپ ﷺ کے پاس آئی۔ آپ نے اس کی بہت تعظیم کی' جب آپ ﷺ سے اس کا حال پوچھا گیا تو فرمایا: یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی ہے وہ ان کے پاس اکثر آیا کرتی تھی۔

آپ ﷺ اپنے بزرگوں کی بڑی عزت کرتے اور ان کی بات مان لیتے تھے آپ ﷺ کی دایہ جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا' ایک دفعہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں آئیں تو آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک ان کے لئے بچھا دی۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کنویں پر اپنے ایک صحابی کے ساتھ غسل کرنے لگے' انہوں

نے ایک چادر کی آڑ آپ ﷺ پر کر لی۔ جب آپ ﷺ نہا چکے تو وہ صحابی نہانے لگے۔ تو آپ ﷺ بھی کپڑا روک کر کھڑے ہو گئے' تا کہ ان کا پردہ ہو جائے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ پر میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں' آپ ایسا نہ کریں۔ آپ ﷺ نے نہ مانا اور جب تک وہ غسل سے فارغ نہ ہو گئے آپ پردہ کئے کھڑے رہے۔

جہاں آپ ﷺ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتے تھے اور عاجزوں پر رحم کرتے تھے' وہاں جو لوگ نیک اخلاق ہوتے ان کی بڑی عزت اور احترام کرتے تھے' چنانچہ حاتم طائی ایک مشہور سخی ہوا ہے' اس کا نام سب لوگوں میں مشہور ہے' جب اس کے قبیلہ کے لوگ قید ہو کر حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں آئے تو ان میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ اس نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ''آپ مناسب سمجھیں تو ہمیں رہا کر دیں اور عرب قبیلوں کو ہم پر ہنسنے کا موقع نہ دیں' میں اپنی جماعت کے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ اپنی قوم کی حمایت کرتا تھا۔ قیدیوں کو چھوڑ دیا کرتا تھا۔ بھوکوں کا پیٹ بھرتا تھا' انہیں کھانا کھلاتا تھا۔ ننگوں کو کپڑا پہناتا تھا۔ مسافروں کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جو حاجت مند شخص اس کے پاس آتا تھا مقصد کے مطابق اس کی حاجت پوری کیا کرتا تھا' اس کا نام حاتم طائی تھا۔ آپؐ نے عزت و احترام کے ساتھ حاتم طائی قبیلے کو واپس بھجوا دیا۔

﴿عدل و انصاف﴾

آپ ﷺ کی زندگی کے واقعات میں یہ واقعہ مشہور ہے کہ جب آپ ﷺ کی عمر 35 سال کے قریب تھی۔ تو اس وقت کعبہ شریف کی قریش نے از سر نو تعمیر شروع

کی۔ اس مذہبی کام میں سب قبیلوں نے شرکت کی اور کام ختم ہو گیا۔ جب حجر اسود لگانے کا وقت آیا تو ہر قبیلہ نے چاہا کہ ہم حجر اسود اٹھائیں اور اس کی جگہ لگائیں۔ اس کو رکھنے کے واسطے مباحثہ ہونے لگا۔

ہر شخص یہی کہتا تھا کہ مجھے یہ فخر حاصل ہو۔ حتیٰ کہ جھگڑا طوالت پکڑ گیا اور ہر ایک آدمی کشت وخون پر اتر آیا۔ آخر یہ قرار پایا کہ کل جو شخص مسجد حرام میں سب سے پہلے آئے گا' اس کے بارے میں وہ جو کچھ فیصلہ دے' اس کی رائے پر عمل کیا جائے۔ دوسرے دن فجر کو سب سے پہلے آپ تشریف لائے اور یہ مقدمہ آپ ﷺ کے سامنے آگیا۔ آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر بچھا کر حجر اسود اس پر رکھا اور فرمایا: کہ ہر قبیلے کے سردار آئیں اور چادر کے گوشے پکڑ کر اٹھائیں۔ جب حجر اسود اپنے موقع پر آیا' آپ ﷺ نے دستِ مبارک سے اس کو نصب کر دیا۔ اس طرح یہ جھگڑا طے ہو گیا۔ قریش آپ ﷺ کے اس انصاف سے نہایت مسرور ہوئے اور جنگ وجدل کے خیالات ان کے دلوں سے دور ہو گئے۔ ہر ایک سردار راضی ہو گیا اور خوش خوش گھر آیا۔ اگر آپ ﷺ ایسا نہ کرتے تو حرم کی زمین ہزاروں آدمیوں کے خون سے سرخ ہو جاتی' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک عورت جس کا نام فاطمہ تھا' اس نے چوری کی' معاملہ سرکار رسالت مآب ﷺ میں پہنچا۔ گو لوگوں کو یہ خیال تھا کہ آپ ﷺ خدائے تعالیٰ کے احکام میں کسی کی رعایت نہیں کرتے' ضرور فاطمہ کو سزا دیں گے مگر تاہم انہوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے جو سرکار دو عالم ﷺ کو بہت پیارے تھے۔ سفارش کرائی۔ ان کی سفارش کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اسامہ کیا تم حدود الٰہی میں سفارش کرتے ہو۔ اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی ایسا کرتی تو میں حد جاری کرتا۔"

پس ابن عمر کہتے ہیں کہ وہ ایک دن سرکارِ رسالت پناہ ﷺ کے سامنے ورس کا

رنگین کپڑا پہن کر گئے۔ سرکار دو عالم ﷺ حط حط فرمایا اور چھڑی سے ان کے شکم میں چونکا بھی دیا۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ میں تو قصاص لوں گا۔" رسول کریم ﷺ نے جھٹ اپنا شکم مبارک میرے سامنے کر دیا۔

ایک دن ایک یہودی جس سے حضور نبی کریم ﷺ نے کچھ قرض لیا تھا' تقاضے کو آیا اور سختی سے مطالبہ کرنے لگا' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے سختی سے جھڑک دیا۔ سرکار ابد قرار ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا: عمر! تمہیں لازم تھا کہ میرے ساتھ اور اس کے ساتھ اور طرح برتاؤ کرتے' مجھے حسن ادائیگی کیلئے کہتے اور اسے حسن تقاضا سکھلاتے۔ پھر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے زید کی جانب مخاطب ہو کر فرمایا: اس کا قرض ادا کرو۔ (20 صاع) زیادہ بھی دینا' کیونکہ تم نے اس کو بلا وجہ دھمکایا اور ڈرایا بھی ہے۔

ایک دن رسول کریم ﷺ اپنی بیوی کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کی کسی دوسری بیوی نے ایک رکابی میں کھانا بھیجا۔ جس بیوی کے گھر میں آپ ﷺ تشریف فرما تھے' اس نے غلام کے ہاتھ جب اس کو واپس بھیجنا چاہا تو وہ رکابی گر گئی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ٹکڑے جمع کئے اور خادم کے ہاتھ اس بیوی سے (جس کے مکان میں آپ تھے) دوسری نئی رکابی منگوا کر اس بیوی کے ہاں (جس کی رکابی ٹوٹی تھی) بھجوا دی اور ٹوٹی ہوئی رکابی اس بیوی کے گھر میں رکھ دی جس نے توڑی تھی۔

مدینہ طیبہ میں ایک دن ایک مسلمان اور ایک یہودی میں جھگڑا ہوا چونکہ آپ ﷺ کی دیانت و امانت اور عدل و انصاف کو دشمن بھی تسلیم کرتے تھے اور یہودی حق پر تھا۔ اس لئے اس نے مسلمان سے کہا کہ چلو تمہارے ہی پیغمبر صاحب جو فیصلے کریں وہ مجھ کو منظور ہے۔ آخر کار یہودی اس کو کشاں کشاں دربار رسالت

پناہ ﷺ میں لے آیا۔ آپ ﷺ نے مسلمان کا کوئی پاس نہ کیا اور فوراً یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

عدل وانصاف کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ عزیز سے عزیز اور قریب سے قریب تعلق والا آدمی بھی اگر کوئی ہوتا تو ممکن نہیں کہ آپ ﷺ اس کی کسی طرح رورعایت کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے چچا زاد بھائی ہونے کے علاوہ آپ ﷺ کے داماد بھی تھے اور منظور نظر بھی ایسے تھے کہ آپ ﷺ ہر ایک معاملہ میں ان کی خاطر عزیز رکھتے تھے۔ مگر عدل وانصاف کے بارے میں ان کے ساتھ بھی یہ حال تھا کہ کعبہ کے کنجی بردار تھے' داخلہ کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش ہوئی کہ بیت اللہ کی کنجی ان کے ہاتھ لگ جائے۔ چنانچہ انہوں نے دربار نبوی ﷺ میں درخواست کی کہ کعبہ کی کنجی ہمارے حوالے کی جائے اور ہم کو کعبہ کا کنجی بردار بنایا جائے۔ درخواست دینے والے ایک تو آپ ﷺ کے چچا تھے اور دوسرے داماد جن سے بڑھ کر کوئی دوسرا قریبی رشتہ دار نہیں ہوسکتا' مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس کا حق ہے اس کے پاس رہے گا اور کنجی اس کے حوالے کی۔ (باب القول) اور کنجی دیتے وقت آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''ہمیشہ کنجی برداری تمہارے پاس رہے گی''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ کے کلید مانگنے کی وجہ یہ تھی کہ ابتدائے ایام نبوت ﷺ میں ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے عثمان بن ابی طلحہ سے فرمایا تھا کہ ''بیت اللہ کھول دو' اس نے صاف انکار کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک دن یہ کلید میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا۔

عثمان نے جواب دیا تھا کہ کیا اس روز قریش کے سب مرد ذلیل وتباہ ہو جائیں گے۔

تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''وہ اور بھی زیادہ عزت واقبال سے ہوں

گے‘‘ ان دونوں صاحبوں کے دل میں اس بات کا خیال تھا مگر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ان کی درخواست کے جواب میں فرمایا: ’’آج کا دن سلوک کرنے اور عطیات پورے کر دینے کا ہے۔‘‘ پھر عثمان کو بلایا اور فرمایا: کہ ’’جو کوئی تم سے یہ کلید چھینے گا وہ ظالم ہوگا‘‘۔

آپ ﷺ کے زمانہ باسعادت میں ایک انصاری کی زرہ آٹے میں رکھی ہوئی چوری ہوگئی اور آٹے کا کھوج پہلے ایک مسلمان طعمہ اور پھر ایک کے گھر تک لگا اور زرہ یہودی کے گھر سے برآمد ہوئی۔ یہودی نے کہا کہ طعمہ کی قوم نے رات کو مشاورت کی کہ ہم سب مل کر دربار رسالت ﷺ میں چلیں اور اس کی صفائی کی شہادت دے آئیں تا کہ طعمہ بری ہو جائے اور جب ہم سب مل کر آپ ﷺ کے پاس چلیں گے تو آپ ﷺ ہماری ضرور حمایت کریں گے اور یہودی کو چور ٹھہرائیں گے۔ صبح کو وہ تمام مل کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی طعمہ کے چور ہونے کی اطلاع دے دی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے صاف فرما دیا کہ میں انصاف میں کسی کی رورعایت نہیں کرسکتا۔ حقیقت میں چور طعمہ ہی ہے۔

جانوروں پر رحمت

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے بیان فرمایا کہ جنت میرے اس قدر قریب ہوگئی تھی کہ اگر میں چاہتا تو اس کے خوشوں میں ایک خوشہ توڑ کر تمہارے پاس لے آتا اور دوزخ بھی میرے قریب ہوگئی تھی یہاں تک کہ میں نے کہا' اے میرے پروردگار! کیا میں ان لوگوں میں رکھا جاؤں گا کہ اچانک ایک عورت پر نظر پڑی۔ جس کو ایک بلی پنجے مار رہی تھی تو میں نے اس کا حال پوچھا لوگوں

نے کہا کہ اس عورت نے بلی کو باندھے رکھا تھا' یہاں تک کہ وہ بھوک اور پیاس سے مر گئی اور اس عورت نے نہ ہی اس کو کھلایا اور نہ پلایا' اور نہ ہی اسے چھوڑا' تا کہ وہ خود کہیں سے کھا پی لیتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا' کہ ایک بدکار عورت صرف اس بات پر بخش دی گئی کہ اس کا گزر جب ایک جگہ سے ہوا جہاں ایک کتا مٹی چاٹ رہا تھا اور قریب تھا کہ اس کو پیاس ہلاک کر دے تو اس عورت نے' اپنا موزہ اتارا اور اس کو اپنے دوپٹے سے باندھ کر کنوئیں میں لٹکا کر پانی نکالا اور کتے کو پلایا' اس کار خیر کی وجہ سے وہ نجات پا گئی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا گزر ایک ایسی جماعت پر ہوا جو مرغی کو رسی سے باندھ کر نشانہ لگا رہی تھی' آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر سب منتشر ہو گئے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے پوچھا' یہ فعل کون کر رہا تھا؟ یاد رکھو کہ ایسا کرنے والے پر اور جانوروں کے مثلہ کرنے والے پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

ایک مرتبہ ایک اونٹ پر راستہ میں آپ ﷺ کی نظر پڑی جس کے پیٹ اور پیٹھ میں بھوکا رہنے کی وجہ سے کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ان بے زبانوں کے متعلق خداوند عالم سے ڈرو۔ ایسے ہی ایک بار گدھے کو دیکھا جس کا چہرہ داغا گیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ چہرہ داغنے والے پر خدا کی لعنت ہے۔

ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جس نے اپنی چادر میں پرندے کے کچھ بچے چھپا رکھے تھے۔ آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: تو اس نے عرض کیا کہ اے محمد! ﷺ جھاڑی سے آواز آ رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو یہ چھوٹے چھوٹے بچے تھے' میں نے ان کو اٹھا لیا' ان کی ماں نے جب دیکھا تو

سر پر منڈلانے لگی' حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: واپس جاؤ' ان کو وہیں رکھ آؤ۔

ایک بار رسول کریم ﷺ جنگل میں تشریف لے گئے تو دیکھا ایک شکاری نے ایک ہرنی پکڑ رکھی ہے۔ حضور نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کہ یہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کیلئے جانا چاہتی ہے اور التجا کرتی ہے کہ اس کو اجازت ہو تو یہ بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجائے۔ شکاری نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! یہ جنگل کے جانور ہاتھ سے نکل کر واپس کب آتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں ضمانت میں تمہارے پاس بیٹھا ہوں۔ اسے جانے دو' یہ واپس آجائے گی۔ چنانچہ شکاری نے اس کو چھوڑ دیا' وہ بھاگی ہوئی گئی اور اپنے دونوں بچوں کو دودھ پلا کر واپس آگئی کہ اللہ کریم کے رسول محمد ﷺ میری ضمانت میں ہیں۔ آپ ﷺ کو انتظار کی تکلیف نہ ہوا' اس واقعہ سے شکاری مشرف بہ اسلام ہو گیا اور ہرنی کو بچوں سمیت رہا کر دیا۔

﴿پانی بہادو﴾

ایک دفعہ ایک بدو خدمت اقدس ﷺ میں آیا۔ آپ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے' اس کو پیشاب کی حاجت ہوئی' آداب مسجد سے واقف نہ تھا' وہیں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا۔ لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اس کو سزا دیں' آپ ﷺ نے فرمایا: جانے دو اور ایک ڈول پانی کا بہا دو' خدا نے تم لوگوں کو دشواری کیلئے نہیں آسانی کیلئے بھیجا ہے۔

﴿رسول اللہ ﷺ کی سادہ زندگی﴾

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "ایک دن ایک انصار کی بیوی میرے پاس آئی' اس نے ہمارے گھر میں ایک دوہری چادر حضور نبی کریم ﷺ کے بستر کی دیکھی تو اس کو افسوس ہوا' یہاں سے اٹھ کر سیدھی اپنے گھر پہنچی اور وہاں سے

رسول اللہ ﷺ کیلئے بستر بھیجا جس میں اون بھری ہوئی تھی۔ میں نے اس بستر کو لیکر خوشی سے اپنے گھر رکھ لیا۔ جب آپ ﷺ گھر میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کہ ”عائشہ! آج یہ نئی چیز تمہارے پاس کیا رکھی ہے؟“ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ فلاں انصاریہ نے آپ ﷺ کیلئے بستر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اسی وقت اس بستر کو واپس کر دو۔ یہ ہم بندوں کا کام نہیں، قسم خدا کی! اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلتے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کے ہاں حضرت محمد ﷺ کیسے بچھونے پر استراحت فرمایا کرتے تھے؟ ام المومنین نے جواب دیا کہ ایک ٹاٹ تھا جسے ہم دوہرا کر کے بچھا لیا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے اس کی چار تہیں کر کے حضور نبی کریم ﷺ کے نیچے بچھا دیا' تا کہ نرم رہے۔ صبح اٹھ کر آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ ”رات کو تم نے میرے نیچے کیا بچھا دیا تھا“ میں نے کہا' جی وہی ٹاٹ ہے جو روز بچھا کرتا ہے' البتہ کل شب کو میں نے چار تہیں کر دی تھیں' تا کہ ملائم ہو جائے۔ ارشاد ہوا کہ ”اسے ویسا ہی کر دو جیسا تھا“ کیونکہ اس کی نرمی نے رات کو میری نماز میں ڈھیل ڈال دی۔

حضور سرور عالم ﷺ کی جو عبا تھی وہی آپ ﷺ جہاں تشریف لے جاتے تھے' دوہری کر کے اپنے نیچے بچھا لیتے تھے۔ آپ ﷺ اکثر چٹائی پر ہی سو رہتے تھے اور اس کے سوا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نیچے کچھ نہ تھا۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ اس بوریے کے نشان آپ ﷺ کی پسلیوں پر دیکھ کر مجھے رونا آ جاتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”جس وقت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے انتقال فرمایا' میرے پاس تھوڑا سا جو کا آٹا اور نصف وسق جو تھے'

اس کے سوا کوئی شے کھانے کی یا روپیہ پیسہ ہمارے پاس نہ تھا۔‘‘

آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ’’کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مہینہ مہینہ بھر ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی کیونکہ ہمارے پاس کو پکانے کی چیز نہیں ہوتی تھی۔ صرف کھجوروں اور پانی سے گزر اوقات ہوتی تھی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ’’جب رسول پاک ﷺ کا انتقال ہو گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک چادر پیوند لگی ہوئی اور ایک تہ بند موٹا نکالا اور فرمایا: کہ انہی دو کپڑوں میں (جو ہمارے گھر میں تھے) نبی کریم ﷺ کی روح قبض کی گئی۔ (بخاری شریف)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نازک وقت میں جب کہ آپ ﷺ نزع کی حالت میں تھے‘ ایک پڑوسن سے مانگ کر چراغ کیلئے تیل منگوایا تھا۔

(بخاری شریف)

آپ ﷺ کا گزر بسر ایک معمولی غریب سے غریب انسان جیسا تھا۔ آپ ﷺ مجلس میں جہاں کہیں جگہ ملتی‘ وہیں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اپنے جوتے کو خود گانٹھ لیتے تھے۔ اپنا کپڑا خود دھو لیتے تھے۔ اپنے کپڑے میں خود پیوند لگا لیتے تھے۔ بکری کا دودھ دھو لیتے تھے۔ اونٹ کو خود ہی باندھ دیتے تھے اور مویشی کو بھی چارہ ڈال دیتے تھے۔

شفقت

ایک صحابی اپنے بچپن میں انصار کے باغوں میں چلے جاتے اور کھجور کے پیڑوں پر ڈھیلے مار کر کھجوریں گرایا کرتے۔ لوگ ان کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور شکایت کی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں محبت سے بلا کر اپنے پاس بٹھایا۔

سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا! بیٹا ڈھیلے مار کر کھجوریں گرانا اچھی بات نہیں۔ اس سے نقصان ہوتا ہے' پھر انہیں باہر بھیج دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ان کی شکایت آئی کہ یہ بچہ اپنی حرکت سے باز نہیں آتا۔ اس بار بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے انہیں جھڑکا نہیں اور محبت سے پوچھا۔ بیٹا پیڑوں پر ڈھیلے کیوں مارتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ کھجوریں کھانے کیلئے پس رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کھجوریں جو خود بخود گرتی ہیں انہیں اٹھا کر کھالیا کرو' ڈھیلے نہ مارا کرو۔ یہ فرما کر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی'' رسول کریم ﷺ کی شفقت کا ان پر ایسا اثر ہوا کہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کی۔

دھوکہ مت دو

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ غلے کے ایک ڈھیر پر گزرے اور اس میں اپنا ہاتھ داخل کیا تو آپ ﷺ کی انگلیوں کو تری محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے غلے کے مالک سے پوچھا ''یہ کیا بات ہے؟'' اس نے کہا یا رسول اللہ! ﷺ اس پر کچھ بارش ہوگئی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس (بھیگے ہوئے غلے) کو تو نے اوپر کیوں نہیں رکھا؟ تا کہ لوگ اسے دیکھتے' جو شخص دھوکہ دے وہ میرے طریقے پر نہیں۔

سرخ اونٹ

طارق بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہمارے قبیلے کے چند لوگ جن میں میں بھی تھا' مدینہ سے کھجوریں خریدنے گئے اور شہر سے باہر ستانے کیلئے ٹھہر گئے اتنے میں شہر سے ایک شخص آیا جس کا لباس دو پرانی چادروں پر مشتمل تھا۔ اس نے سلام کے بعد ہم سے پوچھا کہ آپ لوگ کدھر سے آئے ہیں اور کدھر جائیں گے؟ ہم نے جواب دیا کہ ربذہ سے مدینہ کی کھجوریں خریدنے آئے ہیں' ہمارے پاس ایک سرخ اونٹ تھا جس کو مہار ڈالی ہوئی تھی' اس نے کہا یہ اونٹ بیچتے ہو۔ ہم نے کہا' ہاں!

کھجوروں کی اتنی مقدار کے عوض ہم دے دیں گے۔اس شخص نے اونٹ کی مہار پکڑی اور شہر کے اندر چلا گیا۔ بعد میں ہمیں خیال آیا کہ ہم نے اپنا اونٹ ایک ایسے آدمی کو دے دیا ہے جسے ہم جانتے تک نہیں' اب ہم اونٹ کی واپسی یا قیمت کی وصولی کا کیا انتظام کریں؟ ابھی ہم اسی فکر میں ہی تھے کہ شہر سے ایک آدمی کھجوروں کی کثیر مقدار لے کر آیا اور کہا' مجھے حضرت رسول کریم ﷺ نے بھیجا ہے۔اپنے اونٹ کی قیمت کے برابر کھجوریں ناپ کر پوری کرلو۔باقی تمہاری ضیافت کیلئے ہیں' کھاؤ پیو۔

ہم کھا پی کر شہر میں داخل ہوئے تو وہی پہلے صاحب مسجد کے منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے اور یہی اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ تھے۔

﴿میں بادشاہ نہیں ہوں﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہمراہ بازار گیا آپ ﷺ کپڑا بیچنے والوں کے پاس بیٹھے اور ان سے ایک پاجامہ چالیس درہم کا خریدا۔تاجروں کے پاس ترازو تولنے والا تھا۔رسول کریم ﷺ نے اس سے کہا کہ تول' اور جھکتا تول' تولنے والے نے کہا کہ یہ ایسا کلمہ ہے کہ میں نے اس کو کسی سے نہیں سنا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میں نے اس سے کہا کہ تیرے لئے دین کے بارے میں جہالت اور سختی کی یہی بات کافی ہے کہ تو اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو نہیں پہچانتا ہے۔یہ سن کر اس نے ترازو ڈال دی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دست مبارک کی طرف جھپٹا اس کا ارادہ تھا کہ آپ ﷺ کے ہاتھ کو چومے' آپ ﷺ نے اس سے اپنا ہاتھ علیحدہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ کیا ہے؟ ایسا کام تو عجم کے لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں' میں بادشاہ نہیں ہوں' میں تو تم ہی میں سے ایک انسان ہوں۔

توکل واخلاص باللہ

حضور نبی کریم ﷺ کے ہر فعل ہر حرکت اور ہر سکون میں حکمت کے دریا موجیں مارتے ہیں، کوئی بھی ایسا موقع نہیں جہاں آپ ﷺ کے متعلق پورے توکل اور کامل اخلاص کا پتہ نہ لگتا۔ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا خیال رہتا تھا۔ اسی کے سہارے اور بھروسے پر آپ ﷺ کی پاک زندگی کا دارو مدار تھا۔ یوں آپ ﷺ کی پاک زندگی کا ہر لمحہ اور ہر لحظہ ہر ایک ساعت اور ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ ﷺ کے توکل و اخلاص کا پورا پتہ چلتا ہے۔ مگر ذیل میں چند واقعات درج کئے جاتے ہیں جن سے اس مسئلہ پر کافی روشنی پڑسکتی ہے۔

کھانے پینے یا تلاش رزق کی نسبت تو آپ ﷺ کا توکل اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کل کیلئے بھی کوئی چیز گھر میں نہیں رکھا کرتے تھے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابتدائے دعوت نبوت اور اشاعت دین اسلام کے آغاز میں چونکہ کفار کی کثرت تھی اور سب کے سب در پے قتل رہتے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ کی حفاظت کیلئے آپ ﷺ کے گرد پہرا رہا کرتا تھا۔ جب یہ وحی اے رسول ﷺ! اللہ تم کو دشمنوں کے شر سے بچائے رکھے گا۔ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے اسی وقت پہرہ موقوف کر دیا ور فرمایا: کہ اب پہرہ کی حاجت نہیں رہی، اب میری حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے لیا ہے۔

ایک دن آپ ﷺ اپنی تلوار ایک درخت پر لٹکا کر سو رہے تھے کہ اتنے میں آپ ﷺ کے دشمنوں میں سے ایک مشرک آیا اور تلوار اٹھا کر کھینچ لی اور آپ ﷺ سے کہا، کہ اب آپ ﷺ کو کون بچا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یعنی

میرا خدا مجھے بچا سکتا ہے۔ یہ ایمان سے لبریز الفاظ سن کر اس کافر کے ہاتھ سے تلوار گر گئی' پھر آپ ﷺ نے خود تلوار اٹھائی اور فرمایا: تو بول اب میرے ہاتھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے! وہ کہنے لگا' محمد ﷺ کا رحم بچائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اشھد ان لا الہ الا اللہ کہہ دے' اس نے کہا کہ یہ تو میں نہیں کہتا لیکن میں نہ آپ ﷺ سے لڑوں گا نہ آپ کا ساتھ دوں گا اور نہ ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے لڑتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔

واقعہ ہجرت ایک عجیب ہولناک واقعہ ہے۔ سارا عرب مخالف اور خون کا پیاسا تھا مگر حضور سرور کائنات ﷺ صرف ایک ساتھی کو لے کر مدینہ طیبہ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں وہ قومیں آباد تھیں جو مذہب کی مخالفت کی وجہ سے آپ ﷺ کے مارنے کی فکر میں تھیں۔ ادھر آپ ﷺ کی غیر حاضری کو دیکھ کر قریش نے آپ ﷺ کی گرفتاری اور قتل پر انعام مقرر کر دیا تھا اور اعلان شائع کر دیا کہ جو شخص حضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زندہ یا مردہ لے آئے گا اسے دو سو اونٹ فی کس انعام ملے گا' اس لالچ اور طمع کی وجہ سے ہر طرف آپ ﷺ کی تلاش شروع ہوئی۔ ایسے موقع پر بہادر سے بہادر انسان بھی دل ہار بیٹھتا ہے اور اگر کوئی نہایت قوی دل' نہایت دلیر اور خلاف معمول جرأت رکھنے والا انسان بھی ہو تو اس پر بھی ایسا خوف طاری ہو جاتا ہے کہ اس کی ہر ایک حرکت سے اس کا اظہار ہوتا ہے' لیکن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دنیاوی لوگوں میں سے نہ تھے۔ آپ ﷺ کی نظریں دنیا کی طرف نہیں لگی ہوئی تھیں' بلکہ آپ ﷺ کی نگاہ خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ دنیا کے اسباب آپ ﷺ کے مدنظر نہ تھے۔

رسول کریم ﷺ یہ دیکھ رہے تھے کہ میرے ساتھ وہ خدا ہے جو ہمیشہ سے اپنے نیک بندوں کا محافظ چلا آتا ہے اور جس کے وار کا کوئی دشمن مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سراقہ بن جعشم لالچ اور دشمنی سے گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے تعاقب میں نکلا۔ دور سے دیکھ کر آپ کی طرف گھوڑے کو اس طرح دوڑا دیا جس طرح شکاری اپنے شکار کو دیکھ کر لپکتا ہے۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر آپ ﷺ کی طرف لپکا اور تیر کمان پر چڑھا کر چاہتا تھا کہ آپ ﷺ پر وار کرے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایک سوار آ پہنچا اور آپ ﷺ پر وار کرنا چاہتا ہے' لیکن آپ ﷺ نے سراقہ بن جعشم کی اتنی بھی پرواہ نہیں کی۔ جتنی ایک بیل کی جاتی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ باوجود اس توکل اور بھروسہ کے جو آپ ﷺ میں پایا جاتا تھا۔ مڑ مڑ کر دیکھتے تھے اور گھبرا رہے تھے مگر رسول پاک ﷺ کو خدائے تعالیٰ پر اس قدر توکل اور بھروسہ تھا کہ سراقہ سے خوف و ہراس کا اظہار کرنا تو در کنار آپ ﷺ نے ایک دفعہ منہ پھیر کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔

یہ وہ توکل و اخلاص باللہ کی انتہائی حد ہے کہ جہاں سوائے آپ ﷺ کے کسی دوسرے کی رسائی نہیں۔ آپ ﷺ کی اس ادا نے سراقہ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور اس کی آنکھیں کھل گئیں کہ میں کس انسان کا پیچھا کر رہا ہوں؟ وہ مدت العمر اس نظارہ کو اپنے حافظہ سے نہیں ہٹا سکا' بلکہ وہ ہمیشہ اس خلاف معمول واقعہ کو بیان کرتا رہا اور کہا کرتا تھا۔

''میں گھوڑا دوڑاتے دوڑاتے اس قدر نزدیک ہو گیا کہ میں آپ ﷺ کے قرآن پڑھنے کی آواز سن رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ دائیں بائیں بالکل نہ دیکھتے تھے۔ ہاں! ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار دیکھتے تھے۔ آپ ﷺ کے اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہونے اور آپ ﷺ کے تمام کاروبار کے منجانب اللہ ہونے کیلئے یہی کافی ہے۔''

کفارِ قریش نشان قدم پہچانتے پہچانتے اور پتہ لگاتے لگاتے جب غارِ ثور تک پہنچ

گئے تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ان کی آہٹ سنی۔ نہایت مضطرب ہوئے اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ کفار آپہنچے ہیں' اب ہم دونوں کا یہیں خاتمہ ہے۔ رسول کریم ﷺ نے اس موقع پر جب موت آنکھوں کے سامنے تھی اور تمام امیدوں کا خاتمہ تھا بے نظیر توکل باللہ اور استقلال وعدیم المثال جوانمردی سے ارشاد فرمایا: ''اے ابوبکر! رضی اللہ عنہ! غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

﴿حسن اخلاق﴾

ایک صحابی نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ! ﷺ فلاں عورت نہایت کثرت سے عبادت کرتی ہے اور صدقہ و خیرات بھی بہت کرتی ہے لیکن اس کے ہمسائے اس کی زبان درازی سے نالاں رہتے ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا: یہ عورت دوزخ کا کندہ ہے۔ پھر سائل نے عرض کی یا محمد! ﷺ فلاں بی بی نماز و روزہ اور صدقہ' خیرات تو واجبی طور پر ادا کرتی ہے' مگر اس کے حسن اخلاق کی بدولت اس کے ہمسائے اس سے بہت خوش ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ خوش نصیب جنت میں جائیگی۔

﴿اللہ آگ حرام کردیتا ہے﴾

عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ جو اصحاب بدر میں سے تھے' ان کی بینائی میں فرق آ گیا۔ آخر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں آ کر درخواست کی کہ میں اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہوں' لیکن جب بارش ہو جاتی ہے تو مسجد جانا مشکل ہو جاتا ہے' اس لئے اگر آپ ﷺ میرے گھر میں تشریف لا کر نماز پڑھ لیتے تو میں اس جگہ کو سجدہ گاہ بنا لیتا' دوسرے دن صبح کے وقت آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر ان کے گھر تشریف لے گئے اور دروازہ پر ٹھہر کر اجازت مانگی۔ اندر

سے جواب آیا تو گھر کے اندر تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کہاں نماز پڑھوں؟ انہوں نے جگہ بتا دی۔ آپ ﷺ نے تکبیر کہہ کر دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد لوگوں نے کھانے کیلئے اصرار کیا' حریرہ ایک کھانا ہوتا ہے۔ قیمے پر آٹا چھڑک کر تیار کرتے ہیں۔ وہ سامنے آیا۔ محلّہ کے تمام لوگ کھانے میں شریک تھے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا مالک بن خیش نظر نہیں آئے۔ ایک نے کہا' وہ منافق ہے۔ ارشاد فرمایا: یہ نہ کہو۔ وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں' لوگوں نے کہا' ہاں! ان کا میلان منافقین کی طرف ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے لا الہ الا اللہ کہتا ہے' خدا اس پر آگ کو حرام کر دیتا ہے۔

نصائح نبوی ﷺ

ایک دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتماع میں نبی اکرم ﷺ تشریف فرما تھے۔ فجر کی نماز ہو چکی تھی۔ وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ایسا شخص ہے جو مجھ سے چند باتیں اچھی طرح سیکھ لے؟ پھر ان پر عمل بھی کرے اور دوسروں کو ان کی تعلیم بھی دے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فوراً کھڑے ہو گئے اور عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں۔ مجھے آپ ان باتوں کی تعلیم دیں' میں ان پر عمل کروں گا اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دوں گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ کلمات ارشاد فرمائے۔ فرمایا: ''حرام سے بچنا تم سب سے بڑے عابد بن جاؤ گے۔ اللہ کی طرف سے تمہیں جو مل جائے راضی ہو جانا تم سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔ اپنے پڑوسی سے حسن سلوک کرنا تم حقیقی معنوں میں مومن بن جاؤ گے۔ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کیلئے بھی پسند کرنا تم سچے مسلمان بن جاؤ گے۔ زیادہ نہ ہنسنا ورنہ تمہارا دل مردہ

ہو جائے گا۔

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان باتوں کو سنا اور پھر لوگوں تک پہنچایا' عبادات کے دو پہلو میں ایک مثبت اور دوسرا منفی' مثبت پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر پورے خلوص سے عمل کیا جائے۔ اس کی جزا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کی جائے اور منفی پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ ان سے کامل پرہیز کیا جائے۔ عبادت نور ہے اور حرام تاریکی' نور اور تاریکی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونا بھی کمال کی دلیل ہے۔ ساتھ ہی طمانیت قلب کا سامان' اس لئے کہ دنیا کی کوئی طاقت اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی قضاء کے نفاذ کو نہ تو روک سکتی ہے اور نہ ہی ٹال سکتی ہے۔ اس لئے اس کا حل صرف اس میں ہے کہ تقدیرِ الٰہی سے موافقت اختیار کی جائے اور اس کی تقسیم پر راضی رہا جائے۔ یہ رضا بالقضاء انسان کو توکل اور قناعت کا سبق دیتی ہے اور پھر اسے دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

پڑوسی کے حقوق کی اہمیت کا اندازہ تو اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پڑوسی سے نیک سلوک کرنے کی مجھے اتنی مرتبہ تاکید کی کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو وراثت میں حصہ مل جائے گا اور یہ جو رسول پاک ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کیلئے بھی پسند کرو' اس میں بھی وہی اخوت و محبت اور باہمی ہمدردی و مواخات کے پاکیزہ جذبات کو پروان چڑھانے اور اسے مسلم معاشرے میں عام کرنے کی حکمت و مصلحت پوشیدہ ہے' جو اسلام کا مقصود اولین ہے۔ اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نگاہ میں سب سے بڑی عبادت دلوں کو جوڑنا۔ پیار اور محبت کی تبلیغ کرنا اور امت مسلمہ کے افراد کے درمیان اخوت و

محبت پیدا کرنا ہے اور سب سے بڑا گناہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے جدا کرنا' دلوں میں تفریق پیدا کرنا اور فرقہ بندی اور دھڑے بازی کو فروغ دینا ہے' اسی لئے تفرقہ بازی کو قرآن کریم میں مشرکوں کا عمل کہا گیا ہے۔

اگر واقعتاً ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کیلئے وہی پسند کرنے لگے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو مسلم معاشرہ صحیح معنوں میں امن کا گہوارہ بن جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ آخری بات بتائی گئی ہے کہ زیادہ ہنسا نہ کرو' اس سے تمہارا دل مردہ ہو جائے گا۔ اس کا مفہوم یہ ہے زندگی کے اہم مسائل پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ آفاق و انفس و اقوام کے حالات و تغیرات پر اگر غور کیا جائے تو انسان کو ہنسنے اور لہو و لعب میں مبتلا ہونے کا موقع ہی کہاں ملتا ہے؟ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ خوش دلی اور خوش باشی ترک کی جائے۔ البتہ! کسی بھی صورت میں وقار کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوڑنا چاہیے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آخری وصیت

سرکارِ دو عالم' نبی محتشم' رحمت عالم ﷺ مرض وصال میں بیحد کمزور ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ کے بیمار ہو جانے کے غم میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہایت پریشان تھے۔ انہیں گھروں میں چین نہ آتا تھا۔ مسجد نبوی ﷺ کے اردگرد دیوانہ وار پھرتے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو سہارا دے کر بٹھایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا انصار کیا کہتے ہیں؟ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ شاید اس مرض میں ہم سے جدا ہو کر دار القرار میں تشریف لے جائیں گے۔ پھر نہ معلوم ہمارا کیا حال ہوگا؟

نبی کریم ﷺ اٹھے۔ ایک ہاتھ دوش علی رضی اللہ عنہ پر رکھا اور دوسرا فضل بن

عباس رضی اللہ عنہ کے کندھے پر رکھ کر مسجد نبوی میں تشریف لائے اور منبر پر خطبہ ارشاد فرمایا: شمع رسالت ﷺ کے پروانے دیوانہ وار فدا ہونے کو حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے بلال! رضی اللہ عنہ شہر میں اعلان کردو کہ سب جمع ہو جائیں تاکہ میں انہیں وصیت کروں آخری وصیت' حضرت بلال رضی اللہ عنہ روتے ہوئے چلے اور مدینہ کے گلی کوچوں میں اعلان کر دیا تمام لوگ بے قراری کے عالم میں دوڑتے چلے آئے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حمد وثناء کے بعد فرمایا: کہ اب میرا وقت رحلت قریب ہے اور میرا خیال ہے کہ تم مجھ سے بہت جلد جدا ہونے والے ہو۔ سچ بتاؤ کہ جب میں تم سے جدا ہو جاؤں گا تو تم کس طرح رہو گے؟

یہ سن کر تمام حاضرین رو پڑے۔ مسجد نبوی ﷺ میں ایک کہرام برپا ہو گیا۔ سب نے روتے ہوئے عرض کی' یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ کے احکام کی دل و جان سے پیروی کریں گے اور قرآن کو اپنا دستور العمل بنائیں گے۔ اس کے بعد حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: کہ سچ کہو میں نے تم کو کس طرح احکام پہنچائے؟ تمہاری وجہ سے کیا کیا مصیبتیں برداشت کیں؟ میرے دانت تم نے توڑے' میرے چہرے کو خون میں رنگا' جاہلوں سے گالیاں سنیں' بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھے اور صبر سے رہا۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ! ﷺ بے شک آپ ﷺ اعلیٰ درجہ کے صابر اور انتہائی شاکر ہیں اور آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے احکام ہم تک بلا کم وکاست پہنچا دیئے۔

ہمیں گمراہی سے نکال کر راہِ ہدایت پر لگایا' آپ ﷺ نے ہمیں خدا سے ملا دیا' اس کی جزا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ دے گا۔ ہم آپ ﷺ کے احسانات کا بدلہ دینے کی کچھ طاقت نہیں رکھتے۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! تو اس پر گواہ ہو جا' پھر فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ جس کسی کا قرض میرے ذمے ہو وہ

ابھی وصول کر لے جس کسی کو میں نے مارا' وہ ابھی مجھ سے بدلہ لے لے۔ حقوق العباد میں سے جس کا مجھ پر کوئی حق باقی ہو' ابھی صاف صاف کہہ دے اور لے لے' میں نہیں چاہتا کہ یہاں کا معاملہ قیامت کے دن کیلئے باقی رہ جائے۔

کوئی شخص اپنے دل میں یہ خیال نہ کرے کہ اگر اس وقت میں اپنا حق لوں گا تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے مزاج کے خلاف ہوگا۔ یاد رکھو' عداوت میرے دل میں اللہ نے پیدا ہی نہیں کی' میں اس کو اپنا دوست جانتا ہوں جو اپنا حق ابھی مجھ سے طلب کر لے یا مجھے معاف کر دے۔ اتنا فرما کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ منبر سے اترے اور نماز ظہر ادا فرمائی۔ پھر منبر پر آئے اور یہی اعلان دوبارہ فرمایا۔ ایک شخص اٹھا عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرے تین درہم آپ ﷺ کے ذمے ہیں' فرمایا: میں تجھے نہ جھٹلاتا ہوں نہ قسم دلاتا ہوں لیکن اتنا پوچھتا ہوں کہ یہ کس معاملے کے ہیں؟

وہ شخص بولا: یا نبی اللہ ﷺ! ایک دن کوئی سائل آپ ﷺ کے حضور میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سائل کو تین درہم دے دو' میں نے اس سائل کو تین درہم دے دیئے تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ اسے تین درہم ادا کیے جائیں۔ فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے تین درہم ادا کر دیئے۔

اسی مجلس میں حضرت عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ چونکہ آپ ﷺ اصرار کے ساتھ فرماتے ہیں۔ اس لئے مجبوراً عرض کرتا ہوں کہ اگر اب نہیں کہتا تو گنہگار ٹھہرتا ہوں۔ یارسول اللہ! ﷺ سفر تبوک میں آپ ﷺ ناقہ پر تازیانہ مار رہے تھے۔ وہ میرے شانہ اور پشت پر لگا تھا اور مجھے اس سے سخت تکلیف پہنچی تھی۔ یارسول اللہ! ﷺ اب اس وقت میں آپ ﷺ سے اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: جزاک اللہ

اے عکاشہ! اچھا ہوا کہ تم نے ابھی کہہ دیا قیامت پر نہ چھوڑا' میں دنیا میں بدلہ دینے کو زیادہ پسند کرتا ہوں بمقابلہ آخرت کے۔ اے عکاشہ! تمہیں معلوم ہے کہ وہ تازیانہ (چابک) کون سا تھا؟ عکاشہ نے عرض کی۔ ہاں یارسول اللہ! ﷺ لکڑی کا دستہ اور خیزران سے گتھا ہوا اور تسمہ درہ کی صورت میں اس کے آگے تھا۔

حضرت محمد ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: وہ چابک میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہے جاؤ اور جلدی سے لے آؤ۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر پہنچے' ان سے تازیانہ طلب کیا۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا اے سلمان رضی اللہ عنہ! میرے ابا جان بخار میں مبتلا ہیں۔ سواری کرنے کی طاقت نہیں' پھر آپ ﷺ نے تازیانہ کس لئے طلب فرمایا ہے؟ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے سب ماجرا کہہ سنایا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر رو پڑیں اور یوں دعا کی' یا اللہ! جو شخص اس وقت میرے ابا جان سے قصاص طلب کر رہا ہے تو اس کے دل میں رحم ڈال دے کہ میرے والد گرامی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس وقت بہت نحیف ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تازیانہ لے کر مسجد نبوی ﷺ میں آئے۔ صحابۂ کرام تازیانہ دیکھ کر چیخ اٹھے۔ ادھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جلدی جاؤ ایک تازیانہ کے عوض سو سو تازیانے اپنے اوپر لے لو۔ اپنے نانا جان پر فدا ہو جاؤ۔ دونوں شہزادے جب مسجد میں پہنچے تو صحابہ رضی اللہ عنہ کے گریہ سے مسجد گونج رہی تھی اور صرف عکاشہ ہاتھ میں تازیانہ لئے کھڑا تھا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرما رہے تھے کہ اے عکاشہ! جیسے میں نے تجھے زور سے تازیانہ مارا تھا تو بھی اسی قوت سے مجھے مار لے۔ یہ دیکھ کر تمام صحابۂ کرام حضرت عکاشہ کے اردگرد ہو

کر کہنے لگے کہ رسول کریم ﷺ کو ایک تازیانہ مارنے کی بجائے ہم سب کو ایک ایک سو تازیانے مار لو' حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ نے رو کر پکارا کہ اے عکاشہ! ہمارے نانا جان کا بدلہ اور کسی سے نہ لو' ہم حاضر ہیں' ہم دونوں کو سو سو تازیانے مار لے۔

حضرت محمد ﷺ نے شہزادوں کو گود میں لے کر فرمایا: جان پدر' تم یہ خیال نہ کرو قصاص مجھ پر واجب ہے میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ پھر عکاشہ سے فرمایا: کہ جلدی کرو اور اپنا بدلہ لے لو۔ عکاشہ بولا' یارسول اللہ ﷺ اس دن میری پشت برہنہ تھی۔ سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی پشتِ مبارک سے کپڑا ہٹا دیا۔ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ اور سب حاضرین کی چیخیں نکل گئیں۔

حضرت عکاشہ تازیانہ ہاتھ میں لئے آگے بڑھے قریب پہنچے' مہر نبوت ﷺ پر نظر پڑی' تازیانہ پھینک دیا اور بیتاب ہو کر مہر نبوت ﷺ کو چومنے لگ گئے پھر وارفتہ پروانہ وار ہو کر رسول اللہ ﷺ کے گرد طواف کرتے ہوئے بولے! یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان! عکاشہ کے ہاتھوں میں یہ ہمت نہیں کہ وہ آپ ﷺ سے بدلہ لے سکیں۔ عکاشہ نے عرض کی! یا نبی اللہ ﷺ! یہ حیلہ میں نے اس لئے کیا تھا تاکہ مہر نبوت ﷺ کو چوم سکوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا جس کا بدن میرے بدن سے چھو گیا اسے (جہنم کی) آگ نہیں چھوئے گی۔ یارسول اللہ ﷺ میرا قصور معاف فرما دیں۔ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ یہ آخری دعا تھی جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حیات دنیوی میں فرمائی۔ (سیرت النبی ﷺ)

☆......☆......☆

حکایات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

صبر کی عظیم مثال

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے پیارے صحابی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے دور کسی سفر پر گئے ہوئے تھے' آپ کا ایک صاحبزادہ تھا جس کو آپ بڑا پیار کرتے تھے' آپ کی غیر موجودگی میں وہ انتقال کر گیا' حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا بڑی ہی حوصلہ مند اور ہمت والی خاتون تھیں جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سفر سے واپس اپنے گھر آئے تو آتے ہی اپنی بیوی سے پوچھا کہ بیٹے کا کیا حال ہے؟ آپ کی بیوی نے جواب دیا وہ آرام کر رہا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ اسی اثناء میں آپ کی بیوی نے آپ کے سامنے کھانا رکھ دیا اور آپ کھانے میں مصروف ہو گئے۔

جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کھانا کھا لیا تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتی ہوں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پوچھو کیا پوچھنا چاہتی ہو؟ فرمایا: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے میرے پاس اپنی کوئی امانت رکھوائی ہو اور چند دنوں کے بعد وہ اپنی امانت مجھ سے طلب کرے تو کیا اس کی امانت لوٹا دینی چاہیے یا نہیں لوٹانی چاہیے؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ اس کی امانت جب وہ مانگے اسی وقت لوٹا دینی چاہیے۔ یہ سن کر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا جب امانت واپس کر دی جائے تو پھر اس کا کوئی غم بھی رکھنا چاہیے یا نہیں؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بالکل نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بعد ام سلیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر ایسی بات ہے تو میں آپ کو اصل بات

بتاتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو امانت ہمارے پیارے فرزند کی شکل میں ہمیں دی تھی، وہ واپس لے لی ہے' ہمارا بیٹا انتقال کر گیا ہے۔ اب صبر سے کام لینا چاہیے۔ یہ سن کر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے صبر کیا اور پھر جب رات ختم ہوئی تو فجر کے وقت حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے سن کر ان کیلئے دعا فرمائی اور ارشاد فرمایا: اے ابوطلحہ! رضی اللہ عنہ آج کی رات اللہ تیرے لئے برکت والی کرے۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعا کی برکت سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت ہی خوب صورت اور پیارا بیٹا عطا فرمایا۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اس کو لے کر رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اس بچے کی پیشانی پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی تا حیات حضرت محمد ﷺ کا دست مبارک پھیرے جانے کی برکت سے بہت روشن اور چمک والی دکھائی دیتی تھی۔

حسن سلوک

ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک خچر پر سوار سر پر عمامہ باندھے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف جا رہے تھے' دوران سفر ایک گاؤں کے پاس سے ان کا گزر ہوا۔ ایک دیہاتی بنے جو انہیں دیکھا تو پہچان گیا کہ ہو نہ ہو' خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ ڈرتے ہوئے آہستہ آہستہ دیہاتی آپ کے قریب آیا۔ جناب ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جو دیکھا کہ ایک بوڑھا تیزی سے ان کی طرف آ رہا ہے' تو سواری روک لی۔ بوڑھا قریب آیا' غور سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا چہرہ دیکھا تو پوچھا' کیا آپ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لڑکے نہیں ہیں؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں! اور سواری سے اتر پڑے۔ دریافت کیا کہ آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ اس نے جواب دیا کہ میں آپ کے والد گرامی کی خدمت میں اکثر حاضری دیا کرتا تھا۔ میں ان کا دوست تھا۔ آج عرصے کے بعد آپ کو جو میں نے دیکھا تو آپ کے والد مجھے یاد آ گئے۔ آپ کا چہرہ ان کے مشابہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے جو سنا کہ وہ دیہاتی ان کے والد کا دوست ہے۔ تو اپنا خچر اور عمامہ اس کے حوالے کر دیا وہ بیچارا انکار ہی کرتا رہا مگر ابن عمر رضی اللہ عنہم نہ مانے اور فرمایا: کہ آپ یہ عمامہ سر پر باندھ لیں اور یہ خچر قبول فرمالیں۔ میری طرف سے یہ ہدیہ ہے۔ ناچار دیہاتی نے قبول کر لیا۔ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم آگے بڑھے تو ان کے رفقائے سفر نے کہا کہ جناب والا! خدا آپ کا بھلا کرے۔ آپ نے اپنی سواری دیہاتی کے حوالے کر دی۔ عمامہ دے دیا' اتنا طویل سفر ہے' آپ نے اپنی حاجت کی مطلق پرواہ نہیں کی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ والد کی وفات کے بعد اس کے دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے حسن سلوک کیا جائے۔ چنانچہ جونہی مجھے پتہ چلا کہ یہ دیہاتی میرے والد کے دوستوں میں سے ہے' تو میں نے ضروری سمجھا کہ اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤں' اس وقت میرے پاس یہی دو چیزیں ایسی تھیں جنہیں میں آسانی سے اسے دے سکتا تھا تو میں نے دے دیں۔

آزادی پر غلامی کو ترجیح

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کم سن تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت سے قبل (زمانۂ جاہلیت میں) ایک قافلہ میں اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال جا رہے تھے۔

قیس کے قبیلہ نے قافلہ لوٹا اور حضرت زید کو بھی پکڑ لائے۔ ان کو لا کر مکہ شریف کے بازار میں بیچا۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کیلئے خرید لیا۔ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضور نبی پاک ﷺ کے ساتھ ہوا تو انہوں نے زید کو بطور ہدیہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ زید کے والد کو ان کا حال کچھ معلوم نہ تھا' وہ ان کی جدائی میں دیوانے ہو رہے تھے اور فراقیہ اشعار پڑھتے' سارا سارا دن روتے' اتفاقاً ان کی قوم کے چند افراد مکہ شریف آئے اور زید کو دیکھ کر پہچان لیا اور باپ کی حالت زار' غم فراق کی داستان سنائی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ چند شعر لکھ کر بھیجے۔

جن کا یہ خلاصہ تھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں۔ نہایت شریف اور کریم لوگوں کی غلامی میں بالکل راحت اور خیریت سے ہوں۔ ان لوگوں نے جب زید کے والد کو حالات بتائے اور شعر سنائے تو باپ اور چچا فدیہ دینے کیلئے بہت سا روپیہ لے کر زید کو لینے مکہ معظمہ آئے۔ تلاش کرتے کرتے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کہا' اے ہاشم کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار! آپ ارض حرم کے رہنے والے ہیں' مہمان نواز وغریب پرور ہیں' بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں' قیدیوں کو آزاد کرتے ہیں اور مصیبت زدہ کی امداد کرتے ہیں' ہم اپنے بچے کیلئے تمہارے پاس آئے ہیں۔ ہم پر احسان کرو اور جس قدر چاہو فدیہ لے کر اسے رہا کر دو۔ رسول کریم ﷺ نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم زید کو لینا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ بس اتنی سی بات کیلئے اتنی منت سماجت کر رہے ہو' یہ تو کوئی بات نہیں' زید کو بلا لو اس سے پوچھ لو اگر وہ جانا چاہے تو شوق سے اپنے ساتھ لے جاؤ' پھر فدیہ بھی مطلقاً نہ لوں گا۔ اگر وہ جانا نہ چاہے گا تو پھر زبردستی نہ کروں گا۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر باپ اور چچا بہت خوش ہوئے اور آپ ﷺ کا شکریہ ادا کیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلایا

گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ زید تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟ کہنے لگے' جی ہاں! یہ میرے والد صاحب ہیں اور یہ چچا ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرا حال بھی تمہیں معلوم ہے۔ اب تمہیں اختیار ہے کہ خواہ ان کے پاس رہو یا میرے پاس۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! ﷺ میں آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں تو یہیں رہوں گا' باپ اور چچا یہ جواب سن کر حیرت زدہ رہ گئے کہنے لگے' زید! کیا تم غلامی کو آزادی سے اچھا سمجھتے ہو اور اپنوں کو چھوڑ کر غیروں میں رہنا پسند کرتے ہو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ یہ بات سن کر ہنسے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے کہ جی ہاں! ان کی غلامی کو میں ہزار آزادیوں سے بہتر سمجھتا ہوں اور یہ ایسے غیر ہیں کہ ان پر ہزار اپنے بھی قربان کر دوں تو ان کی برابری نہ ہوسکے گی' میرے باپ بھی یہیں ہیں اور ماں بھی۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جب یہ برجستہ جواب سنا بہت مسرور ہوئے اور زید کو اپنی گود میں بٹھالیا اور فرمایا: کہ میں نے تمہیں اپنا بیٹا بنالیا۔ باپ اور چچا بھی یہ عجیب منظر دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بخوشی چھوڑ کر چلے گئے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

مصر کو فتح کرنے کی غرض سے مسلمانوں نے مصر کی طرف پیش قدمی شروع کی اور ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ مصر کے بادشاہ مقوقس کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے فوری طور پر ایک قاصد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں مسلمانوں سے بات چیت کرنا چاہتا ہوں' اس لئے میرے پاس مسلمانوں کا ایک وفد بنا کر بھیجا جائے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دس مسلمانوں کو منتخب فرما کر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی

قیادت میں اس وفد کو شاہ مصر مقوقس کے پاس بھیجا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی رنگت سیاہی مائل تھی۔ جب مسلمانوں کا یہ وفد مقوقس کے دربار میں پہنچا تو مقوقس جناب عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ڈر گیا اور کہنے لگا۔ کیا مسلمان اسی طرح کے ہوتے ہیں؟ یہ کیا ہمارے ساتھ لڑیں گے؟ مقوقس نے یہ بات انتہائی رعونت آمیز انداز میں کہی۔ مقوقس نے اور بھی اس طرح باتیں کیں جن سے وہ اپنا رعب قائم کرنا چاہتا تھا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ چونکہ اسلامی وفد کی قیادت کر رہے تھے' اس لئے آپ نے مقوقس کی باتیں سن کر فرمایا: اے شاہ مصر! تمہاری باتیں میں نے سن لی ہیں اب میری باتیں سنو۔ جن لوگوں کے پاس سے میں آیا ہوں ان میں میری طرح کے مزید ایک ہزار آدمی موجود ہیں بلکہ ان کی رنگت مجھ سے بھی زیادہ سیاہ ہے اور شکل مجھ سے زیادہ ہیبت ناک اور جلالی ہے۔ اگر تم ان کو دیکھ لو تو تمہاری کیا کیفیت ہو؟ میں تمہیں اپنی بات بتاتا ہوں' اگرچہ میں بوڑھا ہوں اور میری جوانی رخصت ہو چکی ہے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھ میں اتنی قوت بھر دی ہے کہ میں اکیلا سو آدمیوں سے بھی نہیں ڈرتا۔ یہی حالت میرے تمام ساتھیوں کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا اصلی مقصد اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا ہے اور یہ سب کچھ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کرتے ہیں۔ ہم کسی دنیاوی لالچ یا ملک گیری کی ہوس کیلئے جہاد نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال کر دیا ہے' اس لئے ہمیں دنیاوی مال کی طمع نہیں ہے۔ ہمارے پاس ایک درہم ہو یا لاکھوں درہم' ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا' ہم دونوں صورتوں میں راضی رہتے ہیں۔ دنیا کی نعمتیں ہمارے لئے کچھ اہمیت نہیں رکھتیں' ہمارے لئے حقیقی نعمت آخرت کا آرام ہے۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم دنیا کے مال سے بھی اتنا

ہی لیں جس سے بھوک مٹ جائے اور ستر کو ڈھانپا جا سکے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر مقوقس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اس کے گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس کی باتوں کا اس قدر جرأت مندانہ جواب دیا جائے گا لیکن چونکہ وہ ایک سلطنت کا بادشاہ تھا اور اسے اپنی فوجوں اور طاقت کا پورا پورا گھمنڈ تھا' اس لئے کہنے لگا جو کچھ تم نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے بارے میں کہا' میں نے سن لیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم لوگ اپنی اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے ہم پر غلبہ حاصل کرتے رہتے ہو اور دنیا کی کوئی بھی قوم تم سے مقابلے کی تاب نہ لا سکی لیکن یاد رکھو! تم لوگوں کا مقابلہ اب مجھ سے ہے اور تم مجھ سے ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں نے تمہارے مقابلے کیلئے ایک بہت بڑی فوج کو جمع کر رکھا ہے' تم اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے' اس لئے تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ میں تم میں سے ہر ایک آدمی کو دو دو دینار اور تمہارے خلیفہ کو ایک ہزار دینار دیتا ہوں' اس کو قبول کرو اور اپنے ملک کی راہ ہو۔

شاہ مصر مقوقس کی باتیں سن کر حضرت عبادہ بن صامتِ رضی اللہ عنہ جلال میں آ گئے اور فرمایا: اے بادشاہ! تم اور تمہارے ساتھی کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ تم ہمیں رومیوں کی بڑی فوج سے ڈرا رہے ہو۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہمیں تم لوگوں کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے' بلکہ تمہاری باتوں نے ہمارے جذبۂ جہاد کو مزید ابھار دیا ہے' اب ہم ان دو نعمتوں میں سے ایک نعمت تو ضرور حاصل کر کے رہیں گے' اگر ہم نے تم پر فتح پالی تو ہمارے ہاتھ بے شمار مال غنیمت آئے گا اور اگر ہم تم پر غلبہ حاصل نہ کر سکے تو پھر شہادت کی نعمت سے بہرہ مند ہوں گے' اس طرح ہمیں آخرت کی دولت ملے گی اور اے بادشاہ! یاد رکھو! ہم میں سے کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں ہے جو صبح و شام اللہ تعالیٰ سے اپنے شہید ہونے کی دعا نہ مانگتا ہو۔

مصر کا شاہ مقوقس حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی باتیں سن کر ہکا بکا رہ گیا

اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ مسلمان اس قدر دلیر اور ارادے کے پکے ہیں لیکن مقوقس کو اپنی فوجوں کی طاقت پر ناز تھا' وہ سمجھتا تھا کہ مٹھی بھر مسلمانوں کو شکست دینا کوئی مشکل اور بڑی بات نہیں وہ اپنی عددی برتری کی بناء پر بڑے زعم میں مبتلا تھا۔ آخر کار مسلمانوں نے اپنی تعداد میں کمی کے باوجود بادشاہ مصر کی فوجوں کے چھکے چھڑا دیئے' حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی فرمائی ہوئیں باتیں سچ ثابت ہوئیں۔ مسلمانوں نے جذبۂ ایمانی سے سرشار ہو کر ایسی بے جگری سے جہاد میں حصہ لیا کہ پورا مصر ان کے قبضہ میں آ گیا' شاہ مصر مقوقس کا غرور خاک میں مل گیا۔ اسلامی لشکر فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑتا ہوا مصر میں داخل ہو گیا۔

شہیدوں کی ماں

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا بہت قابل و لائق عالمہ و فاضلہ شاعرہ خاتون تھیں۔ ان کی قوم کے چند بزرگ قبول اسلام کیلئے مدینہ شریف لا رہے تھے۔ یہ بھی ان کے ساتھ حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوئیں۔ 16ھ میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں جنگ قادسیہ میں اپنے صاحبزادوں سمیت شریک ہوئیں۔ شرکت سے ایک دن پہلے اپنے بیٹوں کو بہت نصیحتیں کیں اور جہاد کا جوش دلایا۔ فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے کافروں سے جہاد کرنے میر کیسے کیسے ثواب اور برکتیں رکھی ہیں؟ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ دنیا کی اد چند روزہ فانی زندگی سے آخرت کی باقی رہنے والی دائمی اور ابدی زندگی بدر جہا بہت پُر سرور اور پُر کیف ہے۔ قرآن مجید ان مضامین عالیہ سے بھر پور ہے' اس لئے کل صبح جب تم خیر سے اٹھو تو جنگ میں شریک ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی مدد مانگتے رہو۔ دین کے دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ اور جب آتش جنگ مشتعل ہو جائے اور تلواریں چمکنے

لگیں تو اپنے دلوں کو مضبوط رکھو اور کافروں کے سردار کا مقابلہ کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ جنت میں نہایت عزت واحترام کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے داخل کر دیئے جاؤ گے۔

چنانچہ اگلے دن جب لڑائی شروع ہو گئی اور گھمسان کا رن پڑنے لگا تو اپنی والدہ ماجدہ کے حکم کے مطابق ایک ایک بیٹا آگے بڑھتا۔ میدان جنگ میں اچھلتا ہوا اور جذبہ جوش دلانے والے اشعار پڑھتا ہوا اور تلوار چلاتا ہوا شہید ہو جاتا۔ وہ شہید ہو جاتا تو دوسرا اسی طرح آگے بڑھتا۔ الغرض! چاروں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ جب والدہ ماجدہ کو شہادت کی اطلاع پہنچی تو خوشی سے اچھل پڑیں اور فرمایا: خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے شہیدوں کی ماں بنایا اور یہ عزت وشرف عطا فرمایا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ ان شہیدوں کے ساتھ میں بھی اس کی رحمت کے سایہ میں رہوں گی۔

حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ

حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ آپ انتہائی بہادر، دلیر، جرأت منداور جوش وولولہ کے ایمانی جذبہ سے سرشار میدان جنگ میں کافروں کے مقابلے پر بھرپور جوہر دکھایا کرتے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اسلامی فوجیں اسکندریہ کے شہر پر حملہ آور ہوئیں، کفار اسلامی لشکر کا جوش وجذبہ دیکھ کر اپنے ایک مضبوط قلعہ میں بند ہو گئے۔ مسلمانوں نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ چند دنوں تک وقفہ وقفہ سے جنگ ہوتی رہی، لیکن کافروں کے مقابلے میں بند ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں کو کوئی واضح کامیابی نہیں ہو رہی تھی، اسکندریہ کا بادشاہ بھی اس قلعہ میں موجود تھا اور اپنے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانے میں مصروف تھا لیکن پھر بھی کافر اپنا حوصلہ پست کیے ہوئے تھے اور قلعہ سے باہر نہیں نکلتے تھے۔

اس محاصرے سے تنگ آ کر ایک دن حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے کفار کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے فرمایا: اے کافرو! اللہ کی عزت کی قسم! اس وقت ہمارے درمیان اللہ کے ایسے پیارے بندے بھی موجود ہیں کہ اگر وہ اس قلعہ کی دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہیں کہ زمین میں دھنس جا تو یہ قلعہ اس وقت زمین میں دھنس جائے گا۔ یہ فرماتے ہی حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ قلعے کی طرف اٹھاتے ہوئے بلند آواز سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ آپ کا قلعہ کی طرف اشارہ کرنا ہی تھا کہ قلعہ فصیل سمیت پورے کا پورا زمین میں دھنس گیا اور تمام کافر جو کہ قلعہ کے اندر محصور تھے ایک ہی لمحے میں کھلے آسمان تلے میدان میں کھڑے تھے اور قلعہ کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔ اسکندریہ کا بادشاہ یہ دیکھ کر اپنے حواس قائم نہ رکھ سکا' اس نے اپنے ساتھیوں اور فوج سمیت راہ فرار اختیار کی۔ اس طرح اسکندریہ کا شہر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

ضرورت کا دن

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سے مویشی تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت برکت عطا فرمائی تھی لیکن طلب ثواب آخرت کا یہ کمال تھا کہ مال و دولت نہ اپنے پاس جمع ہونے دیتے تھے' نہ اس مردار کو کسی دوسرے کے پاس دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے امراء سے ہمیشہ آپ کی لڑائی رہتی تھی۔ آپ کی ضرورت کے چند اونٹوں اور بھیڑوں کے چرانے کیلئے ایک بوڑھا سا چرواہا تھا' ایک روز قبیلہ بنو سلیم کے ایک شخص نے آ کر آپ سے عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں رہنا چاہتا ہوں تا کہ فیض صحبت سے مستفیض ہو سکوں اور تو کچھ آپ کی خدمت میں حاضر نہیں کر سکتا' البتہ آپ کے چرواہے کی کچھ مدد کر دیا کروں گا۔ آپ نے فرمایا: کہ میرا دوست' رفیق

اور ساتھی وہ ہے جو میری اطاعت کرے' اگر کر سکتے ہو تو پھر شوق سے رہ سکتے ہو۔

انہوں نے عرض کیا آپ کس کس کام میں اطاعت چاہتے ہیں فرمایا؟ کہ بس میری اطاعت یہ ہے کہ جب میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرنے کا حکم دوں تو بہتر سے بہتر اور عمدہ سے عمدہ مال خرچ کیا جائے۔ انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور وہاں رہنے لگے۔

ایک روز حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے کسی نے عرض کیا کہ فلاں طرف جنگل میں کچھ غریب لوگ رہتے ہیں۔ کھانے کی کوئی چیز ان کے پاس نہیں' آپ نے اپنے رفیق سُلیمی سے فرمایا کہ میرے اونٹوں میں سے ایک اونٹ لے جاؤ۔ چنانچہ وہ جنگل میں گئے اور اپنے وعدے کے مطابق بہترین اونٹ منتخب کیا' جو نہایت طاقتور' جوان' خوبصورت اور سواری میں نہایت فرمانبردار تھا لیکن پھر دل میں سوچا کہ یہ اونٹ تو خود حضرت کی سواری اور دیگر متعلقین کیلئے مفید اور کارآمد ہے' غریبوں کے کھلانے اور ذبح کرنے کے لئے ایسے اچھے اونٹ کی کیا ضرورت ہے؟ گوشت تو سب کا برابر ہی ہوتا ہے' اس لئے وہ اونٹ چھوڑ دیا اور ایک اونٹنی جو اس اونٹ سے تو ذرا کم تھی مگر اور تمام میں سب سے افضل تھی لے کر حاضر خدمت ہوئے۔

آپ نے دیکھتے ہی فرمایا: سلیمی تم نے خیانت کی' یہ سمجھ گئے اور واپس آ کر وہی بہترین اونٹ لے گئے' آپ نے اسے ذبح کرایا اور رفقاء سے فرمایا کہ اس بستی میں جتنے لوگ ہیں ان سب کے گھر شمار کر لو اور ان کے ساتھ ہی ابوذر کا گھر بھی تھا' مکان گن لو اور اس گوشت کو سب کے گھروں میں مساوی تقسیم کر دو مگر دیکھنا ابوذر کے گھر میں زیادہ نہ دینا بلکہ سب جگہ برابر برابر گوشت جائے چنانچہ حسب الارشاد گوشت تقسیم کر دیا گیا۔

بعد میں اپنے دوست سلیمی کو بلایا فرمایا' کہ تم نے اللہ کی راہ میں عمدہ مال خرچ

کرنے کا جو وعدہ مجھ سے کیا تھا جان بوجھ کر اس کی مخالفت کی یا سہواً؟

انہوں نے عرض کیا کہ بھولا تو نہیں تھا' وعدہ یاد تھا لیکن میں نے خیال کیا کہ یہ اونٹ حضرت کی ضرورت کا ہے' اس لئے میں دانستہ اسے چھوڑ آیا تھا۔ فرمایا: کہ صرف میری ضرورت کی وجہ سے چھوڑ آئے تھے۔ عرض کیا' جی ہاں! محض آپ کی ضرورت کی وجہ سے۔ فرمایا: اپنی ضرورت کا دن بتاؤں؟ یاد رکھو میری ضرورت کا دن وہ ہے جس روز مجھے قبر کے گڑھے میں اکیلا ڈال دیا جائے گا' میرے ساتھ اس دن میرے عزیز و اقارب دوست واحباب میں سے کوئی نہ ہوگا۔ میرا مال و دولت سب یہیں رہ جائیں گے اور میں وہاں پر تن تنہا ہوں گا' میری ضرورت کا دن وہ ہے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

جنگ احد کے ایام میں حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی تھی۔ جس رات آپ اپنی دلہن بیاہ کر لائے تھے' اسی رات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف سے منادی ہوگئی کہ کفارِ مکہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ ان کے مقابلہ کے لئے میدان جہاد میں نکلو۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ باوجودیکہ نوجوان تھے اور شادی کی پہلی شب تھی مگر حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے اعلان جہاد سن کر سب کچھ بھول گئے اور اپنی دلہن کو بھی نظر انداز کر کے میدان جہاد میں چلنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اسی محویت کے عالم میں آپ کو اپنے غسل کرنے کی ضرورت بھی یاد نہ رہی۔ اسی حالت میں معرکۂ جنگ میں تشریف لے گئے اور اسی دن رسول اللہ ﷺ کے سامنے شہید بھی ہوگئے' جب لڑائی ختم ہوئی تو شہداء کی لاشیں جمع کرنے کا حکم نبوی ہوا۔ سب لاشیں مل گئیں مگر حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک نہ ملی۔ یکایک نبی کریم ﷺ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر ملاحظہ فرمایا' آپ ﷺ نے دیکھا کہ

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی لاش کو فرشتے اوپر لے جا کر ایک نورانی تختے پر لٹا کر آب رحمت سے غسل دے رہے ہیں' اسی دن سے آپ کا لقب غسیل الملائکہ ہوا۔

بکری کی سری

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کسی صاحب کو ایک صحابی کی احتیاج کا علم ہوا تو انہوں نے ایک بکری کی سری ہدیتہً ان کے پاس بھیج دی۔ انہوں نے خیال فرمایا کہ میرے فلاں دوست مجھ سے زیادہ حاجت مند ہیں' بال بچے زیادہ ہیں اور آمدنی کم' اس وجہ سے وہ سری انہوں نے ان کے پاس بھیج دی۔ انہوں نے ان کے پاس بھجوادی' ان کو بھی اپنے ایک اور دوست کے متعلق یہی خیال آ گیا اور وہ سری ان کے گھر بھیج دی۔ الغرض! اسی طرح وہ سری سات گھروں میں پھر پھرا کر بالآخر سب سے پہلے والے صحابی کے گھر لوٹ آئی۔

رومی پہلوان

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلام کے مایۂ ناز جرنیل تھے۔ آپ کے ہاتھوں بے شمار فتوحات ہوئیں۔ اسلام کا پرچم دور دراز کے ملکوں تک پہنچا۔ فتح ونصرت کے جھنڈے گاڑھتے ہوئے جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رومیوں کی طرف بڑھے تو میدان جنگ میں رومیوں کا ایک زبردست پہلوان جو انتہائی طاقتور اور جنگجو تھا' اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے میدان میں آیا اور بلند آواز سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو للکارتے ہوئے اپنے مقابلہ پر بلایا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس رومی کی للکار پر انتہائی تیزی اور پھرتی کے ساتھ لشکر اسلام سے نکل کر اس کی طرف بڑھے' اس رومی پہلوان کا نام جرجہ تھا۔

جرجہ پہلوان نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو کہنے لگا' میں آپ

کے ساتھ چند باتیں کرنا چاہتا ہوں' اس لئے آپ تھوڑی دیر کیلئے میری بات سن لیں' اس دوران ہم ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے پابند ہیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کی بات سن کر رک گئے' چنانچہ جرجہ پہلوان آگے بڑھا اور اس نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا۔ مجھے عرصہ سے ایک بات بے چین کئے ہوئے ہے' امید کرتا ہوں کہ میں جو بھی آپ سے پوچھوں گا' آپ مجھے اس کے بارے میں بالکل سچ جواب دیں گے کیونکہ جھوٹ بولنا بہادروں کا شیوہ نہیں ہے اور میں یہ بھی آپ سے امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے دھوکہ نہیں دیں گے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا' کہو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ جرجہ پہلوان کہنے لگا۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا خدا نے آپ کے پیغمبر پر آسمان سے کوئی تلوار اتاری ہے اور وہ تلوار انہوں نے آپ کو عطا فرمادی ہوئی ہے کہ جس قوم پر بھی اس کو نکالتے ہیں اس قوم کو شکست دیئے بغیر وہ تلوار میان میں نہیں جاتی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جرجہ پہلوان کہنے لگا' تو پھر آپ کو "سیف اللہ" کیوں کہا جاتا ہے؟ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے جرجہ! سنو! اللہ تعالیٰ نے ہم میں اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ میرا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جنہوں نے شروع میں ان کی مخالفت کی پھر وہ وقت آیا' جب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت بخشی اور میں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی غلامی اختیار کرلی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: تم اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہو۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر سونتا ہے' پیغمبر خدا نے میری مدد اور کامیابی کیلئے دعا فرمائی۔ اس لئے میرا نام سیف اللہ ہے اور میں تمام مسلمانوں سے مشرکین پر بہت بھاری اور سخت ہوں۔ یہ سب کچھ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی دعا کی برکت سے ہے۔

یہ سن کر جرجہ پہلوان کہنے لگا۔ میں ایک آخری بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں' وہ یہ کہ اگر کوئی دین اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کی حیثیت آپ لوگوں میں کیا ہوتی ہے؟ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہماری اور اس کی حیثیت میں کوئی فرق و تضاد نہیں ہوتا۔ ہم سب آپس میں برابر ہوتے ہیں بلکہ اس داخل ہونے والے کا درجہ ہم سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ جرجہ پہلوان یہ سنتے ہی اپنے گھوڑے سے نیچے اترا اور کلمہ اسلام پڑھ کر دین اسلام میں داخل ہو گیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسے لے کر لشکر اسلام میں آئے' جرجہ نے غسل کیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کو دین کے احکامات بتائے' اس کے بعد جرجہ پہلوان نے دو رکعت نماز ادا کی اور پھر لشکر اسلام میں شامل ہو کر رومیوں کے خلاف بھرپور انداز میں جہاد میں حصہ لیا۔

قرضہ ادا کر دوں گا

حضرت مہیعہ بن اعوان رضی اللہ عنہ کے ذمہ ایک یہودی کا بہت زیادہ قرضہ تھا۔ یہودی نے کہا' مہیعہ! اگر تم اپنا دین چھوڑ دو تو میں اپنا قرضہ معاف کر دوں گا۔ آپ ہنسے اور فرمایا: کہ کیا ایمان کی قیمت تو نے ان چند سکوں کو سمجھا ہے؟ ارے نادان! ایمان تو ساری دنیا کی دولت کے بدلے بھی نہیں دیا جا سکتا۔ میں اسلام ہرگز نہ چھوڑوں گا' تیرا قرضہ ادا کروں گا۔

اللہ کی پسند کا انصاف

حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت خولہ رضی اللہ عنہ بنت قیس کہتی ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر بنی ساعدہ کے کسی آدمی کے ساٹھ صاع (یعنی پانچ من دس سیر) کھجور کا قرض تھا۔ وہ آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور ان کی ادائیگی کا آپ ﷺ سے مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ وہ

آپ ﷺ کا قرض ادا کریں۔ چنانچہ انہوں نے کھجوریں قرضہ میں دیں' لیکن یہ کھجوریں اس ساعدی کی کھجوروں سے کم درجہ کی تھیں۔ اس ساعدی نے ان کو لینے سے انکار کر دیا اور انصاری نے کہا کہ کیا تو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے پاس واپس چلتا ہے؟ ساعدی نے کہا' ہاں! اور کون آدمی آپ ﷺ سے زیادہ حق پسند ہوسکتا ہے۔ یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ کی دونوں آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا اٹھیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ساعدی نے سچ کہا۔ مجھ سے زیادہ انصاف کرنے کا کون حقدار ہے؟ اللہ پاک اس امت کو پروان نہیں چڑھاتا جس میں اس کا کمزور اس کے قوی سے اپنا حق بلا تکلف نہ لے سکے۔ اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے خولہ رضی اللہ عنہ! تم اسے کھانا کھلاؤ اور اس کا قرضہ ادا کرو' پس بات اسی طرح پر ہے کہ کوئی قرض خواہ اپنے مقروض کے پاس سے جب راضی ہو کر واپس ہوتا ہے تو اس مقروض پر روئے زمین کے جاندار اور سمندروں کی مچھلیاں دعائے رحمت کرتی ہیں اور جب کسی آدمی سے اس کا قرض خواہ دل تنگ ہو کر واپس ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مقروض کیلئے ہر دن رات ایک گناہ لکھتا ہے۔

معافی مانگ لی

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوسکے تھے اور اس وجہ سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آپ سے ناراض تھے۔ ایک عیسائی سردار کو اس ناراضگی کی خبر ہوئی تو اس نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس خفیہ طور پر ایک خط لکھا' کہ اے کعب! مجھے یہ معلوم ہو کر افسوس ہوا کہ محمد ﷺ تم جیسے شریف اور بزرگ سے ناراض ہیں۔ اب تم اسلام چھوڑ کر میرے پاس چلے آؤ۔ میں تمہاری پوری غم خواری کروں گا اور بہت زیادہ عزت و احترام کے

ساتھ رکھوں گا۔

دیکھتے ہی دیکھتے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سخت برافروختہ ہوئے اور قاصد کے سامنے ہی اس کے ناپاک خط کو تنور میں ڈال اس کو نذر آتش کر دیا اور قاصد سے کہا' جاؤ اپنے آقا سے کہہ دو کہ ہم مذہب فروش نہیں ہیں اور اسی وقت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر اپنے قصور کی معافی چاہی۔

﴿کھانا نہیں کھایا﴾

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب صبح یا شام کھانا کھاتے تو آس پاس کے یتیموں کو بلا کر شریک کرتے۔ ایک دن صبح کا کھانا کھانے بیٹھے کسی یتیم کو بلانے کیلئے بھیجا' وہ یتیم نہ ملا۔ ان کے پاس گھلا ہوا ستو تھا جس کو کھانا کھانے کے بعد پی لیا کرتے تھے' اتنے میں وہ یتیم آ پہنچا اور لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ستو والا پیالہ تھا' آپ اسے پینے ہی کو تھے۔ وہ ستو اس یتیم کو دیدیا اور فرمایا: اسے لے اور میرا خیال یہ ہے کہ تو خسارہ میں نہیں رہا۔

میمون بن مہران رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں لوگوں نے عتاب کیا۔ چنانچہ اس سے کہا گیا کہ تو اس بڑے میاں کی طرف توجہ نہیں کرتی ہے۔ اس عورت نے جواب دیا۔ میں ان کا کیا کروں؟ جب کبھی ہم ان کیلئے کھانا بناتے ہیں' یہ اس کھانے پر کسی نہ کسی کو بلا کر اسے کھلا دیتے ہیں۔ چنانچہ اس عورت نے ان مسکینوں کی طرف جوان کے راستے میں انتظار میں بیٹھے تھے کہ آپ مسجد سے نکلیں۔ کھانا بھیجا اور ان مسکینوں سے کہہ دیا کہ تم ان کے راستہ میں نہ بیٹھو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گھر پہنچے اور

فرمایا کہ فلاں فلاں مسکینوں کو آدمی بھیج کر بلاؤ اوران کی عورت ان مسکینوں کی طرف کھانا بھیج چکی تھی اور یہ کہہ دیا تھا کہ اگر وہ تم کو بلائیں تو ان کے پاس آنا نہیں (چنانچہ وہ مسکین نہیں آئے) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا ارادہ یہ ہے کہ آج رات میں نہ کھاؤں چنانچہ اس رات آپ نے کھانا نہیں کھایا۔

جنت کا مشتاق

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ ایک ٹانگ سے لنگڑے تھے۔اس لئے جہادوں میں شریک نہ ہو سکتے تھے۔دل میں شوق رہتا مگر معذور تھے' جنگ احد میں یہ شوق بہت زیادہ ہوا اور آپ کی اہلیہ محترمہ نے بھی لڑائی پر ابھارنے کیلئے کچھ طعن آمیز گفتگو کی۔اس لئے اور بھی پختہ ارادہ شرکت جنگ کا کرلیا' ہتھیار لے کر روبہ قبلہ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔اے اللہ! مجھے میرے گھر والوں کی طرف نہ لوٹائیو! لوگوں نے منع کیا کہ عمرو تم معذور ہو' نہ جاؤ' لیکن آپ نہ مانے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خواہش کا اظہار کیا۔آپ ﷺ نے بھی یہی فرمایا کہ تم معذور ہو گھر میں بیٹھ کر دعا کرو' لیکن آپ نے عرض کیا یارسول اللہ! ﷺ مجھے اجازت دیجئے میری تمنا ہے کہ میں اپنے لنگڑے پاؤں سے جنت میں چلوں پھروں۔چنانچہ اجازت عطا فرمادی گئی۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمرو کو میدانِ جنگ میں دیکھا کہ اچھلتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے جارہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں جنت کا مشتاق ہوں' چنانچہ دشمن کے دستے میں گھس گئے' خوب لڑے آخر کار شہید ہو گئے۔ ان کے ایک صاحبزادے بھی ان کے ساتھ تھے۔وہ بھی لڑ کر شہید ہو گئے' ان کی اہلیہ صاحبہ نے دونوں لاشوں کو اونٹوں پر لادا تا کہ مدینہ شریف میں دفن کریں۔مگر اونٹ

دل تو بیٹھ گیا' بڑی مشکل سے اٹھا تو ہر چند مدینے شریف کی طرف ہانکا مگر نہ چلا' بار بار حد کی طرف منہ کرتا تھا' مجبور ہو کر حضرت محمد ﷺ کے دربار میں شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اونٹ کو یہی حکم ہے کہ وہ مدینے کی طرف نہ جائے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے گھر سے چلتے وقت کچھ دعا بھی یہی کی تھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں کہا تھا۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ اونٹ اس طرف کو نہیں جاتا۔

﴿باپ کے قرض کی ادائیگی﴾

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا باپ فوت ہو گیا تو میں نے قرض خواہوں پر قرض کے بدلے تمام کھجوریں پیش کیں۔ انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ ﷺ کو معلوم ہے کہ میرے والد ماجد احد کے غزوہ میں شہید ہو گئے ہیں۔ ان پر بہت زیادہ قرض تھا اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ غریب خانہ پر تشریف لائیں اور لوگ آپ ﷺ کو دیکھ لیں' شاید کوئی رعایت ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جا اور تمام قسم کی کھجوروں کو علیحدہ علیحدہ ڈھیر کر دے۔ میں نے ایسا ہی کیا پھر حضور نبی پاک ﷺ کو بلایا۔ جب آپ ﷺ کو دیکھا تو قرض خواہ اس وقت دلیر ہو گئے۔ جب نبی کریم ﷺ نے لوگوں کا رویہ دیکھا تو بڑے ڈھیر کا تین دفعہ طواف فرمایا: پھر اس کے اوپر بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا: اپنے قرض خواہوں کو میرے پاس بلاؤ۔ آپ ﷺ ان کو ماپ کر دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے باپ کا قرضہ ادا کر دیا اور میں اس بات پر بڑا خوش ہوا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں اپنی بہنوں تک ایک کھجور نہ لے جاؤں گا مگر اللہ تعالیٰ نے سارے ڈھیر صحیح وسالم رکھے' حتیٰ کہ میں اس ڈھیر کو دیکھتا تھا جس پر نبی کریم ﷺ قرض کی ادائیگی کیلئے تشریف فرما تھے'

کہ اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہ تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب باپ کا قرض ادا ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے جابر! رضی اللہ عنہ تم نے اپنے باپ کا قرض ادا کر دیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں بخش دیا۔

بچہ اور سانپ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ رکوع وسجود اس قدر طویل و بے حرکت کر۔ تھے کہ چڑیا آپ کی پشت پر آ کر بیٹھ جاتیں۔ اکثر تمام رات ایک سجدے میں گزار د۔ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے' آپ کا بچہ پاس سو رہا تھا۔ اتفاقاً چھت میں ۔ سانپ گرا اور اس کو لپٹ گیا' وہ چلا اٹھا سب گھر والوں میں شور مچ گیا' خدا خدا کر۔ سانپ کو مارا لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اسی اطمینان وسکون سے نما پڑھتے رہے' فراغت کے بعد پوچھا کہ کیا بات تھی؟ کچھ شور سنا تھا' اہلیہ نے سارا واقعہ سنایا اور فرمایا: آپ پر خدا رحم فرمائے' بچہ تو مرنے ہی لگا تھا اور آپ کو خبر نہ ہوئی' فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کے دربار میں حاضر تھا گناہ بخشوا رہا تھا' دوسری طرف متوجہ کیسے ہو جاتا۔

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ میں ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دنوں میں ایمان حاصل کرنے کا شرف حاصل کیا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کسی بات پر ناراض ہو کر اپنے غلام کو مارنے لگے' وہ غلام مار کھاتا جا رہا تھا اور بلند آواز سے خدا کو پکارتے ہوئے دہائی دے رہا تھا۔ غلام نے جب یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی دہائی دینے سے بھی مار پڑنا بند نہیں ہوئی تو اس نے بلند آواز سے رسول اللہ ﷺ کے نام کی دہائی دینا شروع کر دی' حضور نبی پاک ﷺ کا اسم مبارک زبان پر آتے ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے غلام کو مارنا بند کر دیا۔

اتنی دیر میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تشریف لے آئے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: رب تعالیٰ اس سے بھی زیادہ تجھ پر قدرت رکھتا ہے۔ جتنی تو اس غلام پر قدرت رکھتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان سنا تو اسی وقت اس غلام کو رہا کر دیا۔

بیٹے تم کہاں ہو؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک جوان تھا۔ جب ریت شریف پڑھتا تو خوش آوازی کی وجہ سے مرد اور عورتیں سب ہی نکل پڑتے' یہ ،ان شراب بھی پیا کرتا تھا۔ ایک روز اس کی ماں اسے کہنے لگی کہ اگر بنی اسرائیل کے ئوں کو پتا چل گیا کہ تو شراب پیتا ہے تو تجھے اپنے پڑوس سے نکال دیں گے۔ ایک فعہ ایک رات وہ شراب کے نشہ میں گھر آیا اور توریت شریف پڑھنا شروع کر دی۔ لوگ جمع ہو گئے' اس کی ماں نے اس سے کہا کہ اٹھ وضو کر۔ نشے کی حالت میں اس نے ماں کے چہرہ پر مارا۔ جس کی وجہ سے اس کی ماں کی ایک آنکھ نکل گئی اور ایک دانت ٹوٹ گیا۔ وہ کہنے لگی خدا تجھ سے کبھی راضی نہ ہو۔ جب صبح ہوئی تو اِس نے اپنی ماں کو دیکھا' کہا' اے ماں! میں تجھے سلام کرتا ہوں اور اب سے قیامت تک تجھے کبھی نہ دیکھوں گا اس کی ماں نے جواب دیا' خدا تجھ سے راضی نہ ہو' چاہے جہاں مرضی جا' وہ پہاڑ پر جا کر خدا کی عبادت میں مشغول ہو گیا اور چالیس سال تک عبادت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ضعیف ہو گیا کمزور ہو گیا۔ پھر اس نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ اے میرے مولیٰ! اگر تو نے مجھے بخش دیا ہے تو مجھے بتا۔ ہاتف غیبی سے آواز آئی تیری ماں کی رضامندی میں ہماری رضا ہے۔ یہ سن کر وہ واپس چلا گیا اور اس نے پکار کر کہا اے جنت کی چابی! اگر تو بقید حیات ہے تو نہایت خوشی ہے اور اگر تو فوت ہو چکی ہے تو میرے لئے مصیبت

ہے۔اس کی والدہ نے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے کہا' میں تیرا فلاں بیٹا ہوں۔ ماں نے کہا خدا تجھ سے راضی نہ ہو۔اس نے آگے بڑھ کر ماں سے کہا' اے ماں! یہی وہ ہاتھ ہے جس نے تجھے مارا۔ تیری آنکھ نکالی اور دانت توڑا تھا' اس ہاتھ کو کاٹ ڈالا' اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا میرے لئے لکڑیاں جمع کرو اور آگ جلاؤ۔ انہوں نے لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کی' وہ اس میں کود پڑا اور اپنے بدن سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ آتش دوزخ سے پہلے آتش دنیا کا مزہ چکھ لے۔ یہ خبر لوگوں نے اس کی ماں کو دی۔ اس نے آواز دی اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! تو کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا' آگ کے اندر۔ تب وہ کہنے لگی اے بیٹا! خدا تجھ سے راضی ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا۔ انہوں نے اپنا ایک پر اس کی ماں کی آنکھ اور دانت پر مل دیا' اس کی آنکھ اور دانت دونوں پہلے جیسے ہو گئے' پھر اس لڑکے کے جسم پر بھی مل دیا' وہ خدا کے حکم سے جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔

دو بچوں کا جذبۂ جہاد

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں بدر کی لڑائی میں میدان میں لڑنے والوں کی صف میں کھڑا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میرے دائیں اور بائیں جانب انصار کے دو کم عمر لڑکے ہیں' مجھے خیال ہوا کہ میں اگر قوی اور مضبوط لوگوں کے درمیان ہوتا تو اچھا تھا کہ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کر سکتے۔ میرے دونوں جانب بچے ہیں' یہ کیا مدد کر سکیں گے؟ اتنے میں ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ چچا جان! تم ابوجہل کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا' ہاں! پہچانتا ہوں۔ تمہاری کیا غرض ہے؟ اس نے کہا مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ رحمت عالم ﷺ کی شان میں گالیاں بکتا ہے۔ اس پاک ذات کی قسم جس کے

قبضے میں میری جان ہے' اگر میں اسے دیکھ لوں تو اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوں گا جب تک کہ وہ مر نہ جائے یا میں مر جاؤں۔ مجھے اس کے سوال و جواب پر تعجب ہوا۔ اتنے میں دوسرے نے یہی سوال کیا جو پہلے نے کیا تھا' وہی اس نے بھی کہا۔ اتفاقاً میدان میں ابوجہل دوڑتا ہوا مجھے نظر پڑ گیا۔ میں نے ان دونوں سے کہا' تمہارا مطلوب جس کے بارے میں تم مجھ سے سوال کر رہے تھے' وہ جا رہا ہے۔ دونوں یہ سن کر تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے ایک دم بھاگے چلے گئے اور جا کر اس پر تلوار چلانی شروع کر دی یہاں تک کہ اس کو گرا دیا۔

یہ دونوں صاحبزادے معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اور معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ ہیں۔ معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں لوگوں سے سنتا تھا کہ ابوجہل کو کوئی نہیں مار سکتا' وہ بڑی حفاظت میں رہتا ہے۔ مجھے اسی وقت سے یہ خیال تھا کہ میں اس کو ماردوں گا' یہ دونوں صاحبزادے پیدل تھے اور ابوجہل گھوڑے پر سوار صفوں کو درست کر رہا تھا۔ جس وقت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور یہ دونوں دوڑے تو گھوڑے پر براہِ راست حملہ مشکل تھا۔ اس لئے ایک نے گھوڑے پر حملہ کیا اور دوسرے نے ابوجہل کی ٹانگ پر حملہ کیا جس سے گھوڑا بھی گرا اور ابوجہل بھی گرا اور اٹھ نہ سکا۔ دونوں حضرات اس کو ایسا کر کے چھوڑ آئے تھے کہ اٹھ نہ سکا' وہیں تڑپتا رہا۔ مگر معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے اور ذرا ٹھنڈا کر دیا کہ مبادا اٹھ کر چلا جائے' لیکن بالکل انہوں نے بھی نہ نمٹایا۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بالکل ہی سر جدا کر دیا۔ معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت میں نے اس کی ٹانگ پر حملہ کیا تو اس کا لڑکا عکرمہ ساتھ تھا۔ اس نے میرے مونڈھے پر حملہ کیا تو اس سے میرا ہاتھ کٹ گیا اور صرف کھال میں لٹکا ہوا رہ گیا۔ میں نے اس لٹکے ہوئے ہاتھ کو کمر کے پیچھے ڈال دیا اور دن بھر دوسرے ہاتھ سے لڑتا رہا لیکن جب اس کے لٹکے رہنے سے

دقت ہوئی تو میں نے اس کو پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا اور وہ کھال بھی ٹوٹ گئی جس سے وہ اٹک رہا تھا اور میں نے اس کو پھینک دیا۔

اسلامی اخوت کا تقاضا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حضور نبی پاک ﷺ کے جلیل القدر صحابی تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک پھٹا ہوا پرانا کمبل اوڑھا ہوا تھا۔ اتفاق سے ایک شخص نے انہیں دیکھا' اسے بڑی حیرت ہوئی۔ آخر رہ نہ سکا تو آپ کے قریب آ کر ان سے پوچھنے لگا۔ حضرت کیا اس پھٹے پرانے کمبل کے علاوہ آپ کے پاس کوئی کپڑا نہ تھا کہ آپ اس حالت میں نظر آ رہے ہیں؟ فرمایا: اگر کوئی دوسرا کپڑا ہوتا تو تم میرے بدن پر ضرور دیکھتے۔ اجنبی سے برداشت نہ ہوا اس نے کہا' جناب گستاخی معاف! ابھی تو دو دن ہوئے ایک نہایت عمدہ جوڑا آپ کے بدن پر دیکھا تھا۔ وہ کیا ہوا؟ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ٹھیک کہتے ہو مگر میں نے ایک شخص کو دیکھا جو مجھ سے زیادہ اس جوڑے کا ضرورت مند تھا۔ میں نے اسے دے دیا کہ اخوت اسلامی کا یہی تقاضا تھا۔ اجنبی ہنس پڑا' جناب! ایسا تو نہ فرمائیں۔ بھلا آپ سے زیادہ اس کپڑے کا محتاج کون ہو سکتا ہے؟ آپ کے پاس تو بس یہی ایک پرانا کمبل ہے۔ اجنبی کا اصرار اور اس کی ضد دیکھ کر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا چہرہ تمتا اٹھا اور نہایت ہی کرخت لہجے میں فرمایا: اے شخص! اللہ تیری مغفرت فرمائے تو دنیا کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ عمدہ عمدہ لباس' اچھے اچھے کھانے' آرام دہ مکان' خدام وحشم' شان وشوکت ہی تیرے نزدیک سب کچھ ہے۔

اے اجنبی! یہ ساری چیزیں دنیا ہی میں رہ جانے والی ہیں' انسان کا خلوص' اس کا اخلاق' اس کی شرافت' ہمدردی' مواخات اچھے بھائی کی غم خواری' کسی کی مصیبت میں

کام آنا اور کمزوروں، غریبوں کی دستگیری کرنا یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں لے کر انسان سفر آخرت پر روانہ ہوتا ہے اور اللہ کے مقبول بندوں کی جماعت میں شامل ہوتا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے میرے پاس تو بوسیدہ سہی یہ کمبل بھی نہ تھا کہ وہ تن ڈھانکتا۔ میں نے دیکھا کہ وہ مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہے۔ میں نے اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دی اور وہ عمدہ جوڑا جو تو نے میرے بدن پر دیکھا تھا اس کے حوالے کر دیا۔ اے شخص! سن! میرے پاس بکریاں ہیں جن کا میں دودھ پیتا ہوں، میرے پاس ایک گدھا ہے جس پر سامان لادتا ہوں۔ غلام ہیں جو میری خدمت کرتے ہیں۔ عید فطر و عید بقر کے موقع پر پہننے کیلئے میرے پاس ایک عبا ہے۔ تم خود غور کرو ان نعمتوں سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہو سکتی ہے، بلکہ میرے پاس عید بقر عید کیلئے جو عبا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ میری ضرورت سے زائد ہے، مجھے تو یہی ڈر سمایا ہوا ہے کہ کہیں کل قیامت کے دن مجھ سے اس زائد ضرورت عبا کے بارے میں سوال نہ کیا جائے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر میرا محاسبہ ہوا تو اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ میرے دوست! دنیا سے اتنا ہی لینا چاہیے جتنا کہ ضروری ہے، ورنہ طلب کی تو کوئی حد نہیں ہے۔

ایثار کی انوکھی مثال

یہ غزوۂ یرموک کا واقعہ ہے۔ مسلمانوں اور کفار کے مابین بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی میدان جنگ دونوں طرف کے زخمیوں سے بھرا پڑا تھا، اس غزوہ میں بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت ابن حذیفہ رضی اللہ عنہ مسلمان مجاہدین کو پانی پلانے کی خدمت پر مامور تھے۔ اچانک ایک طرف سے کسی زخمی صحابی کے کراہنے کی آواز آئی جو پیاس کی شدت سے العطش العطش پکار رہے

تھے۔ حضرت ابن حذیفہ رضی اللہ عنہ اس کی پکار پر پانی کی مشک کاندھے سے لٹکائے دوڑتے ہوئے وہاں پر پہنچے' تو دیکھا کہ ایک صحابی زخمی حالت میں پڑے پیاس کی شدت سے بے حال ہو رہے ہیں' ابھی آپ ان کے منہ میں پانی ڈالنے ہی لگے تھے کہ اس صحابی نے اپنا ہاتھ آگے کرتے ہوئے پانی پینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: اے ابن حذیفہ رضی اللہ عنہ! مجھ سے بھی زیادہ زخمی حالت میں میرا مسلمان بھائی پیاس سے تڑپ رہا ہے' پہلے اس کو پانی پلا دو اس کے بعد مجھے پلا دینا۔

حضرت ابن حذیفہ رضی اللہ عنہ جلدی سے بھاگ کر اس دوسرے زخمی صحابی کے پاس پہنچے' تا کہ ان کو پانی پلائیں لیکن اس جلیل القدر صحابی نے بھی پانی پینے سے انکار کر دیا اور فرمایا: اے ابن حذیفہ! رضی اللہ عنہ یہاں قریب ہی مجھ سے بھی زیادہ پیاسا میرا مسلمان بھائی پڑا ہے' پہلے جا کر اس کو پانی پلا دو۔ حضرت ابن حذیفہ رضی اللہ عنہ جلدی سے بھاگتے ہوئے اس تیسرے زخمی مجاہد کے پاس پہنچے لیکن قریب جا کر دیکھا کہ وہ پیاسے ہی شہادت کے منصب پر سرفراز ہو چکے ہیں۔ یہ دیکھ کر جناب ابن حذیفہ رضی اللہ عنہ تیزی سے پلٹے تا کہ اس دوسرے صحابی کی پیاس کو بجھائیں' لیکن قریب پہنچ کر دیکھا کہ وہ بھی شہادت کا جام نوش فرما چکے تھے' یہاں سے دوڑتے ہوئے پہلے والے صحابی کے پاس پہنچے تو وہ بھی شہادت کا سفر مکمل کر چکے تھے۔

﴿اللہ کی مدد﴾

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ انہوں نے باپ کی صحبت' چچا کی شفقت' عزیز و اقارب کی قربت اور اپنی آزادی کو بھی اللہ کے رسول ﷺ کی غلامی پر قربان کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کی جاں نثاری' جذبۂ اطاعت شعاری اور محبت و خدمت کو قبول فرما کر انہیں اپنا بیٹا بنا لیا تھا' وہ کہتے

ہیں کہ مجھے طائف جانا تھا میرے پاس کوئی سواری بھی نہ تھی' میں نے ایک خچر والے کو راضی کیا کہ مجھے طائف چھوڑ دے۔ میں دوسرے دن خچر پر سوار ہو کر طائف جا رہا تھا کہ کچھ فاصلہ طے کر کے اس نے سیدھا راستہ چھوڑ کر جنگل کی راہ لی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ سیدھا راستہ چھوڑ کر جنگل کی طرف کیوں جا رہے ہو؟ اس نے کہا آپ کو اپنی منزل پر پہنچانا میرا فریضہ ہے' آپ نہیں جانتے یہ راستہ زیادہ قریب ہے۔ میں ہمیشہ ادھر سے ہی جاتا ہوں۔ کچھ دیر چلنے کے بعد ہم پھر عام راستے پر آ گئے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے پھر راستہ بدلا اور جنگل میں گھس گیا اس دفعہ میں خاموش رہا اور اس کو کچھ نہ کہا۔ چلتے چلتے ہم ایک ایسی جگہ پر پہنچے' جہاں تھوڑے تھوڑے سے فاصلے پر ایک چھوٹا سا میدان دکھائی دے رہا تھا۔ ہم جب اس میدان کے پاس پہنچے تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ایک عجیب منظر دیکھا سارے میدان میں انسانی کھوپڑیاں اور جسمانی ڈھانچے بکھرے پڑے تھے' اس نے بڑے تحکمانہ لہجے میں مجھ سے کہا کہ سواری سے نیچے اترو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ میرے حوالے کر دو اور مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ میں تمہیں قتل کر دوں گا' یہ انسانی ڈھانچے جو گل سڑ چکے ہیں سب میرے شکار ہیں جنہیں تم دیکھ رہے ہو۔ میں دل ہی دل میں اس کی احمقانہ بات پر مسکرا رہا تھا۔ میرا ایمان بھی تھا اور ایقان بھی کہ موت و حیات تو میرے اللہ کے اختیار میں ہے جسے چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے اور اس کا وقت مقرر ہے۔ اس سے پہلے نہ تو کوئی مر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اسے مار سکتا ہے۔ میں نے اسے کہا جو کچھ میرے پاس ہے وہ تم لے لو اور مجھے جانے دو۔ اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں تمہیں ضرور قتل کروں گا اور تلوار نکال کر میری طرف بڑھا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے جو تمہارا جی چاہے تم کر لینا۔ مجھے صرف دو رکعت نماز پڑھنے دو' اس نے مجھے نماز پڑھنے کی اجازت دے دی۔ میں اپنے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گیا۔

نماز ختم کر کے میں نے کہا ''یا ارحم الراحمین'' اسی وقت ایک آواز آئی کہ ''اسے قتل نہ کرنا'' خچر والا گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا' مگر اسے کوئی دکھائی نہ دیا۔ وہ پھر میری طرف بڑھنے لگا۔ میں نے پھر ''یا ارحم الراحمین'' زور سے کہا اور پھر وہی آواز آئی کہ اسے مت قتل کرنا' اب وہ زیادہ پریشان ہو گیا۔ جھاڑی جھاڑی دیکھ آیا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ وہ کوئی نہیں ہے تو وہ تیزی سے پلٹ کر میری طرف آیا۔ میں نے پھر ''یا ارحم الراحمین'' کا نعرہ لگایا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص نیزہ ہاتھ میں لئے گھوڑے پر سوار برق رفتاری سے ہماری طرف آ رہا ہے۔ اس نے آتے ہی نیزہ خچر والے کے سینے کے آر پار کر دیا' وہ چکرا کر زمین پر گرا۔ کچھ تڑپا اور پھر ٹھنڈا ہو گیا۔ میں حیران کھڑا سوچ رہا تھا کہ مجھے موت کی نیند سلانے والا خود موت کی آغوش میں سو رہا ہے۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی بہادری

سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت غالب عبداللہ کلبی رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بنی ملوح کفار کدید کے خلاف جہاد کیلئے روانہ فرمایا۔ کدید میں پہنچا تو ایک جنگل کے کنارے پر پڑاؤ ڈال دیا۔ سردار لشکر نے حضرت جندب بن کمیث جہنی کو دشمن کی نقل و حرکت کی نگرانی پر مامور کیا تو حضرت جندب ایک بلند ٹیلہ پر چڑھ کر بیٹھ گئے جہاں سے بنی ملوح کے تمام مکانات دکھائی دیتے تھے۔

بنی ملوح کا ایک آدمی اپنے مکان سے نکلا اور اپنی بیوی کو آواز دے کر کہا' مجھے سامنے ٹیلہ پر کچھ سیاہی نظر آتی ہے جو اس سے پہلے میں نے کبھی نہ دیکھی تھی' میری کمان اور تیر لا کر دو۔ اس کی بیوی نے کمان اور تیر لا کر دے دیئے۔

اس شخص نے ایک تیر چلایا۔ یہ تیر حضرت جندب کے پہلو میں پیوست ہو گیا۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے وہ تیر نکال کر اپنے پاس رکھ لیا مگر مزید کچھ حرکت نہ کی۔ اس شخص نے دوسرا تیر چلایا۔ یہ تیر حضرت جندب رضی اللہ عنہ کے شانہ پر آ لگا۔ انہوں نے تیر شانہ سے نکال کر رکھ لیا مگر اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔

اس شخص نے اپنی بیوی سے کہا اگر یہ کوئی آدمی ہوتا تو ضرور حرکت کرتا' معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی چیز نہیں ہے' صبح جا کر یہ دونوں تیر اٹھا کر لے آنا اور پھر وہ اپنے گھر چلا گیا۔ رات بھر حضرت جندب رضی اللہ عنہ ٹیلہ پر پہرہ دیتے رہے' صبح کے وقت مجاہدین اسلام نے بنی ملوح پر حملہ کیا اور فتح یاب ہو کر واپس آئے۔

آخری وقت

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ جب آپ کے وصال کا آخری وقت نزدیک آیا تو فرمایا: میرے غلاموں اور خدمت گاروں اور ہمسایوں کو اور جو لوگ میرے پاس آیا کرتے تھے۔ ان سب کو میرے پاس بلاؤ' چنانچہ ان سب کو ان کی خدمت میں حاضر کر دیا گیا۔ جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو دن میرے اوپر دنیا سے گزرے ہیں میرا خیال ہے کہ یہ آخری دن ہے اور یہ میری آخرت کی پہلی رات ہے اور میں نہیں جانتا کہ شاید تم لوگوں کے ساتھ میری زبان یا میرے ہاتھوں سے کچھ زیادتی ہوئی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ جس کے قبضہء قدرت میں میری جان ہے' قیامت کے روز بدلہ لینے والا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ایک ایک کر کے اس کے دل میں جو کچھ ہو میرے پاس آئے اور مجھ سے بدلہ لے لے اس سے پہلے کہ میری جان نکال لی جائے۔

لوگوں نے عرض کیا' اے عبادہ بن صامت! رضی اللہ عنہ آپ تو ہمارے لئے والد کے برابر درجہ رکھتے تھے اور ہم کو ادب سکھانے والے تھے اور کبھی اپنے خادم کو بھی برا

کلمہ نہ کہتے تھے۔ یہ سن کر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے جو کچھ ہوا ہے سب کچھ معاف کر دیا؟ لوگوں نے جواب دیا' ہاں! آپ نے فرمایا: یا اللہ! تو گواہ رہ' اس کے بعد فرمایا: اچھا اگر کوئی بدلہ نہیں لیتا اور مجھے معاف کر دیا تو میری وصیت کی حفاظت کرنا' میں تم میں سے ہر انسان پر اس بات کی پابندی لگاتا ہوں کہ وہ میرے اوپر نہ روئے۔ جب میری جان نکل جائے تو تم سب وضو کرنا اور اچھا وضو کرنا' پھر تم میں سے ہر انسان مسجد میں جائے اور نماز پڑھے اور پھر عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور اس کی جان کیلئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے۔

ایمانداری کی قدر و قیمت

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ صحابی رسول تھے اور تجارت کیا کرتے تھے ایک روز کا واقعہ ہے کہ نماز عصر پڑھ کر بازار میں آئے' خرید و فروخت کی جلدی تھی۔ اتفاق سے ایک گاہک آیا اور اس نے ایک اونٹ کی قیمت دریافت کی۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے تین سو درہم بتلائے۔ گاہک نے اونٹ کا جائزہ لیا اور جلد ہی اس کی خریداری کا فیصلہ کیا۔ تین سو درہم نکال کر حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کئے اور اونٹ کی نکیل تھام کر روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت واثلہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سخت پریشان ہو گئے اور دیوانہ وار بازار کے چکر کاٹنے لگے۔ خریدار کا حلیہ بتا کر جو ملتا اس سے اس کے بارے میں دریافت کرتے' آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے بڑی مشکل سے وہ گاہک ملا تو حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا کہ جناب! ذرا یہ تو بتلائیں کہ یہ اونٹ آپ نے کس غرض سے خریدا ہے؟ گاہک نے کہا کیا بات ہے؟ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ بات یہ ہے کہ اگر آپ نے یہ اونٹ ذبح کرنے کیلئے لیا ہے تو تب تو کوئی بات نہیں' لیکن اگر سواری

کیلئے لیا ہے تو میں آپ کو بتلا دوں کہ اس کے پیر میں عیب ہے اور اس کے اگلے ایک پنجے میں سوراخ ہے۔ خریدار نے کہا' جناب میں نے اسے سواری ہی کیلئے لیا ہے۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر اس کی قیمت ایک سو درہم کم کر دیں۔ یہ فرما کر حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے اسے ایک سو درہم لوٹا دیئے۔ یہ دیکھ کر خریدار کو سخت تعجب ہوا' اس نے کہا جناب والا! آپ نے تو اپنا نقصان خود ہی کر لیا۔

مستدرک میں ہے کہ جناب واثلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھائی! یہ نقصان تو عارضی ہے' آج نقصان ہوا ہے کل ان شاء اللہ پورا ہو جائے گا۔ دنیا کی دولت سونا اور چاندی تو آنی جانی چیزیں ہیں' آج ہیں کل نہیں رہیں گی مگر ایمان کا کوئی دام نہیں' دولت ایمان لٹ گئی تو سمجھ سب لٹ گیا۔ ہم نے تو آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دست مبارک پر اس بات کیلئے بیعت کی تھی کہ زندگی کے ہر لمحے میں اپنے مسلمان بھائی کے خیر خواہ رہیں گے اور آپ نے ارشاد فرمایا تھا' کہ اگر کسی شئے میں خرابی ہو اور اس خرابی کو بتلائے بغیر کوئی شخص کسی خریدار کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس کی قیمت دکاندار کیلئے حرام ہو گی۔ یہ اس لئے کہ اس نے اپنے ایک مسلمان بھائی کو دھوکہ دے دیا' جو کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ جو دولت دھوکے اور فریب سے کھائی جاتی ہے' وہ دھوکے اور فریب کی راہ سے چلی جاتی ہے۔ حقیقی ایمان تو پہاڑ کی طرح ہوتا ہے جو ہل سکتا ہے' نہ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے۔

اسلام کی دعوت

تاریخ اسلام حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ آپ انتہائی بہادر اور دلیر جرنیل تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ ایک سو مسلمانوں کی جماعت لے کر ماہان ارمنی کے دربار

میں تشریف لے گئے۔ ماہان ارمنی اسلام کا زبردست مخالف تھا اور اس کے پاس دس لاکھ سے بھی زائد فوج تھی جو پوری طرح مسلح تھی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب اس کے دربار میں پہنچے تو ماہان ارمنی نے سفارتی آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ملاقات کی۔

جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دربار میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ فرش پر ریشم کا قالین بچھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس قالین کو یہاں سے اٹھا دیا جائے۔ یہ بڑی جرأت اور حوصلے کی بات تھی جو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ماہان ارمنی سے کہہ دی۔ ماہان ارمنی پر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ سن کر اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ اس نے اپنے دربار سے ریشم کا قالین اٹھوا دیا اور کہنے لگا۔ اے خالد! رضی اللہ عنہ میں نے تمہاری عزت افزائی کیلئے یہ قالین بچھایا تھا، لیکن تم نے اٹھا دیا۔ حضرت خالد بن ولید نے بدستور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا، اللہ تعالیٰ کا بچھایا تیرے بچھائے ہوئے فرش سے زیادہ اچھا ہے۔

دوران گفتگو ماہان ارمنی کہنے لگا، اے خالد! رضی اللہ عنہ میری خواہش ہے کہ میں تمہیں اپنا بھائی بنالوں؟ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے۔ کلمہ اسلام پڑھ لو اور میرے بھائی بن جاؤ۔ ماہان ارمنی کہنے لگا۔ یہ کام نہیں کرسکتا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام نہ قبول کرنے کی وجہ سے تو ہم نے اپنے حقیقی بھائیوں سے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی ہے، پھر میں تمہیں کیسے بھائی بنالوں۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے باقاعدہ طور پر اسلام کی دعوت دی اور اس سے فرمایا: اے ماہان ارمنی! تو اسلام قبول کرلے ورنہ وقت قریب ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے اس حال میں حاضر کیا جائے گا کہ تیری گردن میں رسی ہوگی اور تجھے ایک آدمی گھسیٹتا ہوا لاتا ہوگا۔

ماہان ارمنی کو یہ بات سن کر بڑا غصہ آیا' وہ غضبناک ہو گیا اور اپنے محافظوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو پکڑلو یہ جانے نہ پائیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ انتہائی پھرتی اور چستی کے ساتھ اٹھے اور اپنے ساتھیوں سے للکار کر فرمایا: خبردار! اب ایک دوسرے کے طرف ہرگز نہ دیکھنا۔ اب ان شاء اللہ تعالیٰ ہماری ملاقات حوضِ کوثر ہو گی۔ اس پر تمام مسلمانوں کا یہ عزم' جوش ولولہ' ہمت و جرأت اور جذبہ دیکھ کر ماہان کے دل پر خوف طاری ہو گیا۔ اس نے اپنے درباریوں کو روک دیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا' اے خالد! رضی اللہ عنہ میں تو آپ کے ساتھ مذاق کر رہا تھا۔

کلام الٰہی کا اثر

اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ابھی مکہ میں ہی تھے کہ حج کا زمانہ آیا۔ مدینہ طیبہ سے بارہ وفود حاضر خدمت ہوئے جن میں سے نو کا تعلق بنو خزرج سے تھا اور تین قبیلۂ اوس کے تھے۔ منیٰ میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ دین کے احکام و آداب سکھانے کیلئے کسی معلم کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ آپ ﷺ کی نظر انتخاب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر پڑی اور انہیں معلم و مبلغ کا اعزاز عطا فرمایا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بلند مرتبہ صحابی تھے۔ متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے دو دو سو اور چار چار سو درہم کا قیمتی لباس پہنتے تھے۔ خوشبو بڑے اہتمام سے لگاتے تھے۔ نفاست و پاکیزگی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ مگر اسلام لانے کے بعد دنیا ہی بدل گئی۔ اب ایمان کا لباس زیب تن تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی محبت رگ و پے میں رچ بس گئی تھی اور اللہ کی یاد کی نفاست و پاکیزگی نمایاں نظر آتی تھی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے۔ حالات کا جائزہ لیا۔ روح سعید

کی تلاش میں رہتے تھے۔ اللہ کا کلام جسے سناتے اسے حلقہ بگوش اسلام کر دیتے۔ مسلمانوں کے چند ہمدرد آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر فلاں سردار اسلام لے آئے تو پھر آپ کا کام آسان ہو جائے گا اور کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی' لیکن اس پر قابو پانا مشکل ہے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اس کا پتہ پوچھا' اللہ کا نام لیا اور اس شخص کے باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ بلا خوف و خطر باغ میں داخل ہوئے۔ کھجوروں کے ایک جھنڈ میں بیٹھ کر بڑی خوش الحانی سے کلام پاک کی تلاوت کرنے لگے۔ سردار کے قبیلے کے کچھ لوگ کام کر رہے تھے' آپ کی آواز سنی تو کام کاج چھوڑ کر آپ کے پاس جمع ہو گئے اور اچھا خاصا مجمع ہو گیا۔ ادھر سردار قبیلہ کو جب معلوم ہوا کہ میرے باغ میں ایک شخص داخل ہوا تو اسے بڑا غصہ آیا کہ کون ہے؟ وہ جو میری اجازت کے بغیر میرے باغ میں داخل ہوا ہے۔ غیظ و غضب میں ڈوبا ہوا گھوڑے پر سوار' نیزہ لہراتا' باغ میں آیا اور کڑک کر کہا' کہ تم میرے باغ میں کیوں آئے ہو؟ دفع ہو جاؤ۔ ورنہ یہ نیزہ تمہارے سینے کے پار ہو جائے گا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ انہوں نے بڑے اطمینان سے کہا' جناب آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ آپ میری بات سن لیں' اگر آپ کو میری بات پسند نہ آئے تو میں خود ہی چلا جاؤں گا۔

سردار نے نیزہ زمین میں گاڑھ دیا اور کہا' کہ تم نے انصاف کی بات کی۔ کہو' کیا کہنا چاہتے ہو؟ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت کی۔ کلام اللہ کا اور زبان اللہ کے بندے کی۔ اکھڑ عرب سردار بڑا متاثر ہوا۔ کہنے لگا کہ تم یہ کیا پڑھ رہے ہو؟ اس کا مطلب کیا ہے؟ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی کتاب کی آیات ہیں جو اس نے اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمائی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں'

یہ ساری کائنات اسی نے بنائی ہے۔سب سے انصاف کرو‘سب کے ساتھ احسان کرو اور سب کے ساتھ اچھا سلوک کرو‘اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا نہ کرو۔عرب سردار کیلئے اتنا ہی کافی تھا۔ کہنے لگا مجھے ان اصولوں کے ماننے کیلئے کیا کرنا ہوگا؟ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا ہوگا۔

یہ سن کر عرب سردار نے اپنا نیزہ اکھاڑا اور واپس چلا گیا۔اس نے جاتے ہی سارے قبیلے کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔جب قبیلے کے سارے چھوٹے بڑے جمع ہو گئے تو سردار نے چلا کر پوچھا کہ میں کون ہوں؟ سردار کو غصے کے عالم میں دیکھ کر انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں۔بڑے بہادر ہیں اور ہم سب سے زیادہ عقل مند ہیں۔سردار نے یہ سن کر اپنا نیزہ ہوا میں لہرایا اور کہا کہ اگر تم نے ابھی اور اسی وقت اسلام قبول نہ کیا جس کی تعلیم مصعب دیتا ہے‘تو میں تمہارا سب سے بڑا دشمن ہوں گا۔ سردار کی بات قبیلے والوں نے خاموشی سے سنی اور پھر سورج غروب ہونے سے پہلے ہی سارا قبیلہ اسلام لا چکا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ حق کی آواز بلند فرمائی‘ اسی وجہ سے حجاج بن یوسف آپ کے مخالف تھا‘ لیکن بظاہر وہ آپ کو کچھ کہہ نہیں سکتا تھا مگر در پردہ وہ اس کوشش میں تھا کہ کسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔ایک دن حجاج بن یوسف نے خطبہ دیا اور نماز میں تاخیر کر دی۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے حجاج! سورج تمہارا انتظار نہیں کریگا‘ نماز پڑھاؤ۔ حجاج بن یوسف کو یہ بات سن کر بڑا غصہ آیا اور کہنے لگا۔میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس

کی گردن اڑادوں جس میں تیری آنکھیں ہیں' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آہستگی سے فرمایا: تو ہرگز ایسا نہیں کرسکتا کیونکہ تو ایک بے وقوف حاکم ہے' حجاج بن یوسف نے آپ کی اس بات کو نہ سنا کیونکہ آپ نے یہ بات آہستہ سے فرمائی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عرفہ اور دیگر مواقف میں ان مقامات کو تلاش فرماتے تھے۔ جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ وقوف فرمایا کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف کو آپ کی یہ باتیں بڑی ہی ناگوار گزرتی تھیں' لیکن وہ احکام حج میں آپ کی مخالفت نہیں کرسکتا تھا اور نہ ہی اعلانیہ طور پر آپ کو قتل کرسکتا تھا' بس اپنے دل میں پیچ وتاب کھاتا رہتا تھا۔ آخر ایک دن اس نے کسی شخص کو اس بات پر تیار کیا کہ وہ اپنے نیزے کی نوک زہر آلود کردے اور عرفات کے دن عام ہجوم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو چھو دے' چنانچہ جب لوگ عرفات سے مزدلفہ کی طرف جارہے تھے تو اس شخص نے راستہ میں زہر آلود نیزے کی نوک سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو زخمی کردیا۔ اسی زخم سے آپ کی موت واقع ہوگئی' کہا جاتا ہے کہ اس دوران حجاج بن یوسف بھی آپ کی خبر گیری کیلئے آیا اور کہنے لگا کہ آپ مجھے اس شخص کا نام بتائیں جس نے آپ کو نیزہ مارا ہے' میں اسے قتل کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

اے حجاج! تو ہرگز ایسا نہ کرے گا' حجاج بن یوسف کہنے لگا اگر میں ایسا نہ کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے قتل کرے۔ حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما نے کہا' اے حجاج! تو نے حرم پاک میں ہتھیار داخل کرنے کا حکم دیا ہے تو نے ہی مجھے مارا ہے۔ یہ سن کر حجاج شرمندہ ہوگیا اور کہنے لگا' اے عبداللہ بن عمر! ایسا نہ کہیں اور خاموشی سے چلا گیا۔ چند ہی دنوں کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انتقال فرما گئے۔ حجاج بن یوسف نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

﴿جنت کا باغ﴾

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سخت قحط پڑ گیا۔ فاقہ کشی کی وجہ سے مجبور ہو کر لوگ اپنی جائیداد اور دیگر چیزیں انتہائی کم قیمتوں پر فروخت کرنے لگے چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا شمار متمول مسلمانوں میں ہوتا تھا' اس لئے آپ کے پاس کافی دولت موجود رہتی تھی۔ اس قحط کے زمانے میں آپ کے گھر والوں نے آپ کو کہا کہ فلاں باغ کا مالک اپنے باغ کو انتہائی ارزاں قیمت پر بیچ رہا ہے۔ مناسب ہو گا کہ آپ ہی اس باغ کو خرید لیں۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ رقم لے کر باغ کی طرف روانہ ہو گئے' تاکہ اس کے مالک سے باغ کو خرید لیں۔ راہ میں آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ فاقہ کی مصیبت اور پریشانی سے ان کا برا حال ہو رہا ہے' آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' آپ نے وہ ساری رقم جو آپ کے پاس تھی مستحق لوگوں میں تقسیم فرما دی اور خالی ہاتھ گھر لوٹ آئے' گھر والوں نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ نے وہ باغ خرید لیا ہے؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ہاں! میں نے تمہارے لئے جنت میں باغ خرید کر آ رہا ہوں۔

﴿خطرناک منظر﴾

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے غلام ہانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ ان سے کہا گیا کہ جب جنت اور دوزخ کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو روتے نہیں اور جب قبر کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو بہت روتے ہیں۔ کیا وجہ ہے؟ فرمایا: میں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے' آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے۔ اگر اس سے کوئی نجات پا گیا تو اس کے بعد اس کے لئے آسانی

ہے اور اگر اس سے نجات نہ پائی تو اس کے بعد انتہائی سختی ہے اور فرمایا: کہ میں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میں نے کبھی بھی کوئی منظر قبر سے زیادہ گھبراہٹ والا اور خطرناک نہیں دیکھا ہے۔

طلاق

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے زندگی میں ہی تمام مال و دولت درویشوں کو تقسیم کر دیا تھا۔ ایک دن آپ کے پاس ایک مہمان آیا آپ کے پاس جو کچھ بھی تھا' اس کی تواضع پر خرچ کر دیا اور کہا' مہمان حق تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہے۔ جہاں تک ہو سکے اس کی خدمت کرنی چاہیے۔ آپ کی اہلیہ اس بارے میں آپ سے جھگڑنے لگی آپ نے فرمایا: ایسی جو عورت نیک کام میں مجھ سے جھگڑا کرے اسے گھر میں نہیں رکھنا چاہیے۔ آپ نے اس کے حق مہر کا انتظام کر کے اسے طلاق دے دی۔ حق تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک سردار کی لڑکی آپ کی مجلس وعظ میں آئی۔ اس کو آپ کی باتیں ایسی اچھی معلوم ہوئیں کہ گھر آ کر اس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ میرا نکاح کر دیا جائے۔ باپ نے اپنی بیٹی کو پچاس ہزار دینار دے کر اس کا نکاح آپ سے کر دیا۔ پھر آپ نے خواب دیکھا' حق تعالیٰ نے فرمایا: کہ تم نے عورت کو ہمارے لئے طلاق دی۔ اب یہ عورت تجھ کو اس کے عوض میں عطا کی گئی ہے تا کہ تو جانے کہ کسی کو ہمارے ساتھ معاملہ کرنے میں زیاں نہیں ہوتا۔

سوکھی روٹی کے ٹکڑے

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا واقعہ ہے کہ ایک اعرابی مدینہ منورہ سے دور کسی اور شہر میں رہتا تھا۔ اس کا اونٹ مر گیا اس نے سوچا کہ میں مدینہ منورہ جا کر امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں' تا کہ وہ مجھے بیت

المال سے اونٹ دے دیں۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے وہ اعرابی ایک لمبے سفر کو طے کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچا۔ جب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا تو اس کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ملے انہوں نے اعرابی کو خوش آمدید کہا اور اسے بتایا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ ابھی آتے ہیں کسی کام کے سلسلے میں گئے ہیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس اعرابی کو مسجد کے حجرے میں بٹھا دیا اور فرمایا: کہ میں آپ کیلئے کھانا بنوا کر ابھی لاتا ہوں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے بہت اچھا کھانا تیار کر کے اعرابی کے سامنے لا کر رکھا۔ اعرابی کھانے کو دیکھ کر کہنے لگا کہ میں اس وقت تک یہ پر تکلف کھانا بالکل نہیں کھاؤں گا جب تک کہ اس مسکین آدمی کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک نہ کر لوں جو کہ مسجد کے صحن میں سوکھی روٹی کے ٹکڑے پانی میں بھگو کر کھا رہا ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہی تو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، وہ اپنا معمول کا کھانا تناول فرما رہے ہیں اور یہ پر تکلف کھانا وہ بالکل نہیں کھائیں گے۔ اعرابی یہ بات سن کر حیران وششدر رہ گیا اور سوچنے لگا کہ اس قدر عظیم الشان سلطنت کے حاکم اس قدر سادہ زندگی گزارتے ہیں اور یہ سادہ سی غذا پر گزارا کرتے ہیں۔ جس کو عام غریب آدمی بھی کھانا پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد اعرابی امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ آپ نے اس کو بیت المال سے ایک اچھی نسل کا اونٹ دے کر رخصت کر دیا۔

☆......☆......☆

اولیاءکرام کی حکایات

دودھ کا پیالہ

حضرت شیخ شمس الدین ترک' شیخ بوعلی قلندر پانی پتی کے ہم عصر تھے۔ وہ اپنے مرشد مخدوم علاؤ الدین صابر کلیری کے حکم سے پانی پت تشریف لے گئے اور دودھ کا بھرا ہوا ایک پیالہ شیخ بوعلی قلندر کی خدمت میں بھیجا۔ وہ اس کو دیکھ کر مسکرائے اور گلاب کے پھولوں کی کچھ پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے حضرت شمس الدین ترک کو واپس بھیج دیا۔ حضرت ترک پیالے میں گلاب کی پنکھڑیاں دیکھ کر مسکرانے لگے۔ حاضرین مجلس نے عرض کی کہ ہمیں بھی اس معاملہ کی حقیقت سمجھائیں۔ انہوں نے فرمایا: شیخ بو علی قلندر کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ اس علاقہ میں تبلیغ و ہدایت کی ذمہ داری خواجہ علاؤ الدین صابر نے تنہا میرے کندھوں پر ڈالی ہے' اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں' شیخ بوعلی قلندر نے دودھ میں پنکھڑیاں ڈال کر پیالہ جو واپس بھیجا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میرے فرائض میں دخل نہیں دیں گے اور یہاں اسی طرح رہیں گے جس طرح دودھ سے بھرے پیالہ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں۔ شیخ بوعلی قلندرؒ سے پوچھا گیا تو انہوں نے اس معاملہ کی یہی توجیہہ کی۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں میں آخر وقت تک بے حد خوش گوار تعلقات رہے۔

تحفہ

امیر مامون کے عہد میں ایک بار ایک اعرابی ریتلے تھل میں رہا کرتا تھا۔ اس کے نواح کے سب کنوئیں کھاری تھے۔ پانی آسمان پر سے برستا تو شور زمین کے سبب کھارا ہو جاتا۔ وہاں کی خلقت نے میٹھے پانی کا مزہ مطلق نہ چکھا تھا۔ وہاں قحط پڑا' ہر کوئی وہ

جگہ چھوڑ کر کہیں دور چلا گیا۔ اس اعرابی نے بھی اس علاقہ سے مسافرت اختیار کی۔ اس خیال سے کہ امیر کے پاس التجا لے جائے۔ امیر ان دنوں کوفہ کے قرب وجوار میں لبِ آب فرات شکار کھیل رہا تھا۔ جب یہ اعرابی اپنے علاقہ کی حدود سے باہر کسی گاؤں کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ ایک گڑھے میں بارش کا پانی جمع ہے' اس نے اس میں سے کچھ پیا تو تعجب کیا کہ دنیا میں ایسا میٹھا پانی بھی ہوتا ہے۔ ہو نہ ہو یہ ضرور بہشت کا پانی ہے' جو پروردگار نے میری خاطر جنت سے اتارا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں سے مشک بھر کر امیر کے پاس لے جاؤں تو وہ خوش ہو کر مجھے انعام دے گا۔ آخر چند روز کے بعد وہ پانی لے کر امیر کی خدمت میں پہنچا۔

امیر نے پوچھا' تو کہاں سے آیا ہے؟ کہا فلاں علاقہ سے ایک تحفہ بھی لیتا آیا ہوں جو کسی بادشاہ کو میسر نہ ہوا ہو گا۔ پانی خلد کا خوش ذائقہ ہے۔ امیر نے کہا اچھا دے جو میں پیوں۔ اعرابی نے وہ مشک آگے رکھ دی۔ امیر نے ایک چلو اس میں سے پیا اور باقی کوزوں میں بھروالیا۔ اور فرمایا: تیری حاجت کیا ہے۔ بولا: اے امیر! قحط نے مجھے بے وطن کر دیا اور دربدر پھرتا ہوں۔ اب تیرے دامن کا آسرا لیا ہے۔ امیر نے کہا' میں تیری حاجت روا کرتا ہوں۔ بشرطیکہ یہیں سے پلٹ جائے' آگے نہ بڑھے۔ وہ اس بات پر راضی ہوا' پھر امیر نے وہ مشک زر سے پر کر دی اور بدرقہ ہمراہ دے کر رخصت کر دیا۔ تب مقربوں نے پوچھا کہ اسے یہیں سے واپس کر دینے میں کیا حکمت تھی؟ فرمایا: اگر وہ چند قدم اور بڑھتا اور فرات کا پانی پیتا تو ایسا تحفہ لانے پر خجالت محسوس کرتا۔ مجھے حیا آئی کہ کوئی میرے پاس تحفہ لا کر شرمندہ ہو۔

کلمۂ حق

عمر بن ہبیرہ جب یزید بن عبدالملک بادشاہ دمشق کی طرف سے عراق اور خراسان

کا گورنر بن کر آیا تو اس نے خواجہ حسن بصری' امام محمد بن سیرین اور امام شعبی کو اپنے دربار میں طلب کیا اور ان علماء حق کے سامنے یہ تقریر کی کہ یزید بن عبدالملک کو خداوند عالم نے اپنے بندوں پر خلیفہ مقرر کیا ہے اور مجھ کو خلیفہ کی طرف سے گورنری کا عہدہ ملا ہے۔ لہٰذا! مجھے خلیفہ کی طرف سے جو حکم ملتا ہے میں بلا چون و چرا اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ اس بارے میں آپ حضرات کی کیا رائے ہے؟ گورنر کی اس سیاسی گفتگو کا حضرت خواجہ حسن بصری نے جو صاف اور سچا جواب دیا' وہ انتہائی عبرت انگیز ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: کہ اے ابن ہبیرہ! تو یزید بن عبدالملک کے بارے میں خدا سے ڈر اور خدا کے بارے میں ہرگز ہرگز یزید بن عبدالملک کا خوف مت کر کیونکہ خداوند تعالیٰ تجھ کو دونوں جہاں میں یزید بن عبدالملک کے شر سے بچا سکتا ہے' مگر یزید بن عبدالملک خدا کے قہر و عذاب سے تجھ کو ہرگز ہرگز نہیں بچا سکتا۔

یاد رکھ! وہ قہار و جبار عنقریب تیرے پاس ملک الموت کو بھیجے گا جو تجھ کو تیرے وسیع محل اور شاندار تخت سے یک لخت اندھیری اور تنگ قبر میں پہنچا دے گا۔ وہاں تجھ کو بجز تیرے اعمال کے کوئی کام آنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا تو خدا کے فرمان کے خلاف کسی بادشاہ کا حکم ماننے کی جسارت مت کر' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔

خواجہ حسن بصری کی اس ولولہ انگیز اور ہدایت افروز تقریر سن کر گورنر ایک عالم ربانی کی مجاہدانہ جرأت پر محو حیرت ہو کر خاموش ہو گیا اور تینوں علماء حق دربار سے اٹھ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

دولت

حضرت ابراہیم بن ادھم فرماتے ہیں کہ جس قدر انسان مال سے تعلق رکھتا ہے اگر

اللہ تعالیٰ سے رکھے تو وہ کبھی بھوکا نہ رہے' حضرت ابراہیم بن ادھم نے جب اپنے فقر کے دبدبے کی آواز ہر طرف سنی تو بارہا فرماتے کہ ہم جب سے فقر کی تلاش میں باہر نکلے ہیں' دولت مندی خود ہمارے ہاں آتی ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مسجد الحرام میں ایک جوان کو دیکھا جو پھٹے پرانے کپڑے پہنے یادِ الٰہی میں مصروف تھا۔ میرے پاس سو درہم کی ایک تھیلی تھی۔ میں اس کے پاس لے گیا' لیکن اس نے ذرہ برابر توجہ نہ کی' جب میں نے بہت اصرار کیا تو وہ بولا "اے شیخ! میں ان کو دنیا دے کر نہیں خریدتا' چہ جائیکہ انہیں آخرت کے بدلے خریدوں۔ جس شخص کی نظر ہمیشہ رہنے والے خزانے پر ہے وہ کیونکر دنیا کی فنا ہونے والی دولت پر نظر ڈالے گا اور جس کو حقیقی بادشاہ کا قرب حاصل ہے' وہ ان عارضی حاکموں کی طرف کیونکر رغبت کرے گا' وہ امیر جو فقیروں کے دروازے پر آئیں۔ نیک بخت ہیں اور جو فقیر امیروں کے دروازے پر جائیں' یہ ان کی بدبختی ہے"۔

مکھی کیوں پیدا کی گئی؟

ایک دن خلیفۂ بغداد ابو جعفر منصور اپنے تخت شاہی پر انتہائی متکبرانہ ادا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور ایک مکھی بار بار اس کی ناک پر بیٹھتی رہی اور وہ بار بار اڑاتا رہا۔ جب تنگ آ گیا تو اس نے جھلا کر ابنِ سلیمان مفسر سے پوچھا کہ آخر مکھی پیدا کرنے کی خدا کو کیا ضرورت تھی؟ اس حق گو عالم نے برجستہ جواب دیا کہ خلاق عالم نے متکبروں کا غرور اور گھمنڈ توڑنے کے لئے مکھی پیدا فرمائی ہے۔ خلیفہ منصور یہ جواب سن کر خاموش ہو گیا اور حیرت سے ابن سلیمان کا منہ تکنے لگا۔

﴾مصلحت الٰہی﴿

حضرت بلھے شاہ قصوری نے بڑی کوشش اور سخت تکلیف برداشت کرنے کے بعد بہت مشکل سے اپنے پیرو مرشد حضرت شاہ عنایت قادری رحمتہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی رفع کر کے دوبارہ ان کی خوشنودی حاصل کی اور اس غیر متوقع خوشی کی تقریب میں انہوں نے اپنی منت اتارنے کے لیے اظہار خوشی کے طور پر کافی مقدار میں مٹھائی تقسیم کرنے کے لئے منگوائی اور حضرت شاہ عنایت قادری کے حکم سے اس کے تقسیم کرنے کے لئے اٹھے تو دریافت کیا۔ ''یا پیرو مرشد! الٰہی تقسیم عمل میں لائی جائے یا محمدی! حضرت شاہ عنایت قادری علیہ الرحمہ اس عجیب سوال کو سن کر جواب دینے میں کچھ متامل و متوقف ہوئے۔ آخر دانا بزرگ تھے۔ فرمایا: ''تکریم و تقدیر تو ذاتِ الٰہی ہی کو ہے۔ لہٰذا الٰہی تقسیم ہی عمل میں لانا' بہتر ہے۔''

مٹھائی لینے کے لئے بچے' بوڑھے اور جوان جمع ہو گئے۔ حضرت بلھے شاہ نے اس مجمع کثیر میں بغیر کسی امتیاز کے صرف چند ایک بچوں اور بوڑھوں کو وہ تمام مٹھائی تقسیم کر دی اور باقی لوگوں کو رخصت ہونے کے لئے کہہ دیا۔ یہ شکایت حضرت شاہ عنایت قادری رحمتہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچی۔ آپ نے اس غلط اور نامکمل تقسیم کا باعث دریافت فرمایا: تو بلھے شاہ نے کہا کہ خود حضور ہی نے الٰہی تقسیم کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ سو الٰہی تقسیم تو اسی طرح کی ہے جیسا کہ میں نے کی۔ البتہ! اگر آپ محمدی ﷺ تقسیم کی اجازت بخشتے' تو مساوات اسلامی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو کہ اصول اسلامی کا توحید و رسالت کے عقیدے کے بعد سب سے زیادہ قابل قدر زریں اصول ہے' سب کو مساوی تقسیم کر دیتا۔'' حضرت شاہ عنایت قادری رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک ناراضگی سے تم کو خلاصی کئے ہوئے ابھی دیر نہیں ہوئی' لیکن یہ بات کہہ کر تم نے

دوسری ناراضگی کا سبب پیدا کر لیا۔ آئندہ کے لئے یاد رکھو کہ اگرچہ بظاہر دنیا کے تمام معاملات میں یہی تقسیم کارفرما نظر آ رہی ہے' لیکن مصلحت الٰہی میں کسی کو چون و چرا کرنے اور دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ہماری فہم ناقص کا بحر حکمت و مصلحت کی گہرائیوں تک پہنچنا تو درکنار' سطح تک پہنچنے کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ آئندہ ایسے معاملات میں ہرگز لب کشائی نہ کرو۔

اطاعت اللہ تعالیٰ

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ تعالیٰ جب بادشاہ تھے ایک دن دربار لگائے بیٹھے تھے۔ ناداروں' غریبوں اور حاجت مندوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ ایک ایک آتا اور اپنی حاجت بتاتا جاتا اور آپ اس کی حاجت پوری کرتے جاتے۔ وہ بادشاہ کو دعائیں دیتا اور خوشی خوشی چلا جاتا۔ اتنے میں ایک سوداگر آیا اور کہا کہ بادشاہ کا اقبال بلند ہو' میرے پاس کچھ غلام ہیں' اگر بادشاہ سلامت ازراہِ مہمان نوازی اور مسافر نوازی انہیں دیکھنے کی زحمت گوارا کرلیں تو بڑا کرم ہوگا۔ بادشاہ نے غلاموں کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ سوداگر بڑا خوش ہوا اور غلاموں کو باری باری بادشاہ کے سامنے پیش کرتا اور ان کی خوبیاں بیان کرتا جاتا۔ ایک غلام کی خوبیاں نہ بتائیں اور اسے ایک طرف کھڑا رکھا۔ بادشاہ نے پوچھا تو کہا کہ یہ بادشاہ سلامت کے قابل نہیں۔

حضرت ادھم رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسے بھی پیش کرو۔ جب وہ غلام آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ادب سے سر جھکا کر بادشاہ کو سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

بادشاہ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ غلام کو جس نام سے چاہیں بلائیں۔ پھر پوچھا' کیا کھایا کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ جو مالک اپنی مرضی سے

کھلائیں، وہی میں شوق سے کھالیتا ہوں۔ آپ نے سوال کیا کہ تمہاری کوئی خواہش ہو تو بتاؤ تا کہ اسے پورا کیا جائے۔ اس نے مسکرا کر کہا کہ بندہ پرور! میں ایک غریب غلام ہوں، نہ اختیار اپنا اور نہ ارادہ اپنا۔ اس لئے مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میں کسی خواہش کو اپنے دل میں جگہ دوں یا کسی خواہش کا اظہار کروں۔

غلام کی بات سن کر حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ تعالیٰ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ہوش میں آئے تو دیکھا کہ غلام اسی طرح ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے دل میں سوچا کہ اے ابن ادھم! تجھ پر افسوس ہے۔ تو بھی تو خدا کی غلامی کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن تیرا مقام اس غلام سے بھی کم تر ہے جس نے اپنے سارے اختیارات اپنے مالک کے سپرد کر دیئے ہیں۔ تیرا مالک تو سارے مالکوں کا مالک ہے، تو بھی تو اس کا غلام کہلاتا ہے، لیکن سارے اختیارات اپنے پاس رکھتا ہے۔

بات کتنی صحیح اور سچی ہے کیونکہ مالک اسی غلام سے خوش رہتا ہے جو اس کے احکام کی تعمیل کرے۔ کسی بات کے ماننے سے انکار نہ کرے، مالک نے جو کام اس کے سپرد رکھے ہیں انہیں بلا چون و چرا، پوری دیانت و امانت اور پوری تندہی و جاں فشانی سے سرانجام دے اور جس حال میں اس کا آقا اسے رکھے، خوش رہے تا کہ اس کا مالک اس سے خوش رہے کوئی بھی مالک اپنے غلام کو کام چور، غفلت شعار، نافرمان، بے ادب اور گستاخ دیکھنا پسند نہیں کرتا اور اگر ہم بھی اپنے مالک کی حقیقی اطاعت و فرمانبرداری کے سامنے گردن جھکا دیں تو پھر ہر کامیابی ہمارے قدم چومے گی اور ہر منزل ہمارا استقبال کرے گی۔

﴾دو رکعت نماز﴿

حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ تعالیٰ ایک روز مسجد میں تھے۔ایک شخص آیا اور کہا کہ حضرت آپ کا وعظ شہر ہی میں کام کرتا ہے یا جنگل میں بھی کچھ تاثیر بخشتا ہے۔آپ نے حال پوچھا: اس نے عرض کیا کہ چند اشخاص فلاں مقام پر جنگل کے اندر مصروف رقص وسرود اور دور شراب سے مخمور ہیں۔آپ نے اسی وقت منہ لپیٹ کر جنگل کی راہ لی۔ جب قریب پہنچے تو وہ لوگ بھاگنے لگے۔فرمایا: کہ بھاگو مت' میں بھی تمہارا ہم مشروب ہوں اور اسی واسطے آیا ہوں' ہمارے لئے بھی لاؤ۔شہر میں تو پی نہیں سکتے۔ پوشیدہ طور پر یہاں آئے ہیں' ان لوگوں نے کہا افسوس ہے کہ اس وقت شراب باقی نہیں رہی۔فرمایا: تو شہر سے منگوادی جائے۔حضرت نے فرمایا: کہ تم کو کوئی ایسا طریقہ نہیں آتا کہ شراب خود بخود آجایا کرے گی' وہ بولے کہ صاحب یہ کمال تو ہم میں نہیں۔ فرمایا کہ آؤ میں تم کو ایک ایسی بات سکھادوں کہ شراب خود بخود آجائے' پھر شراب کا مزا دیکھو۔ وہ سب مشتاق ہوئے کہ یہ کمال تو ضرور بتایئے۔کہا اچھا پہلے نہاؤ' کپڑے بدل کر میرے پاس آؤ' سب نے غسل کیا' کپڑے دھوئے اور پاک صاف ہو کر آموجود ہوئے۔تب فرمایا: کہ سب دو رکعت نماز پڑھو۔جب وہ نماز میں مشغول تھے تو آپ نے دعا مانگی کہ یا اللہ! میرا تو اتنا ہی اختیار تھا کہ تیرے حضور میں ان کو کھڑا کر دیا' اب تجھے اختیار ہے خواہ ان کو گمراہ کر' خواہ ہدایت بخش۔ چنانچہ حضرت کی دعا منظور ہوئی اور وہ سب ہدایت کامل سے مستفیض ہوئے۔

﴾مثالِ دنیا﴿

مولانا روم سے کسی نے دنیا کی حقیقت پوچھی تو آپ نے فرمایا:''دنیا کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص جنگل میں چلا جاتا ہے۔اس نے دیکھا کہ میرے پیچھے شیر چلا آ

رہا ہے۔ وہ بھاگتا ہوا جب تھک جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ آگے ایک گڑھا ہے وہ چاہتا ہے کہ گڑھے میں گر کر جان بچائے' لیکن گڑھے میں ایک اژدھا نظر آ جاتا ہے۔ اتنے میں اس کی ایک درخت کی ٹہنی پر نظر پڑی وہ اسے پکڑ کر درخت پر چڑھ گیا' مگر درخت پر چڑھنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ درخت کی جڑ کو دو سیاہ اور سفید چوہے کاٹ رہے ہیں۔ وہ بہت پریشان ہوا کہ تھوڑی دیر میں درخت جڑ سے کٹ جائے گا تو میں گر جاؤں گا اور پھر شیر اور اژدھے کا لقمہ بننے میں دیر نہیں لگے گی۔ اتفاقاً اس کو اوپر کی جانب شہد کا ایک چھتا نظر آیا۔ وہ اس شہد شیریں کو پینے اور حاصل کرنے میں اتنا مشغول ہو گیا کہ نہ شیر کا ڈر رہا نہ اژدھے کا خوف اور نہ چوہوں کا غم۔ اتنے میں دفعتاً درخت کی جڑ کٹ گئی اور وہ گر پڑا۔ شیر نے چیر پھاڑ کر گڑھے میں گرا دیا اور وہ اژدھے کے منہ مین جا پہنچا۔''

مولانا روم نے اس مثال کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ جنگل سے مراد یہ دنیا ہے اور شیر موت ہے جو پیچھے لگی ہوئی ہے۔ گڑھا قبر ہے جو انسان کے آگے ہے اور اژدھا اعمال ہیں کہ قبر میں ڈسیں گے۔ چوہے دن رات ہیں۔ درخت عمر ہے اور شہد کا چھتا دنیا فانی کی غافل کر دینے والی لذت ہے' کہ انسان دنیا کی فکر میں موت اور اعمال کی جوابدہی وغیرہ سب کچھ بھول جاتا ہے اور پھر اچانک اسے موت آ جاتی ہے۔

کرامت

ایک دفعہ ایک دہریے سے حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ تعالیٰ کا مناظرہ ہوا۔ بڑی دیر تک بحث ہوئی لیکن دہریہ قائل نہ ہوا' بالآخر اس پر فیصلہ ہوا کہ دونوں اپنے اپنے ہاتھ آگ میں ڈالیں' جس کا ہاتھ جل جائے' اس کو راہِ باطل پر سمجھا جائے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا' جب دونوں نے اپنے اپنے ہاتھ آگ میں ڈالے تو قدرت

خداوندی سے کسی کا ہاتھ نہ جلا۔ لوگوں نے اس فیصلے کے مطابق دونوں کو حق پر جانا۔

اس بات پر آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ بہت دل گیر ہوئے اور سربسجود ہو کر عرض کیا!

''اے خدا! ستر برس کی عبادت و ریاضت کے بعد بھی میں اس دہریے کے برابر ہی ہوسکا۔''

''ندا آئی۔ تجھے حقیقت کا علم نہیں، یہ محض تیرے ہاتھ کی برکت تھی کہ اس کا ہاتھ نہ جلا، اگر وہ تنہا ڈالتا تو ضرور جل جاتا۔''

شانِ کریمی

منصور بن عمار کو کسی نے خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ تم پر کیا گزری؟ انہوں نے جواب دیا۔ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے سامنے کھڑا کر کے فرمایا: اے منصور! تو جانتا ہے میں نے تجھے کیوں بخشا ہے؟'' میں نے عرض کی ''یارب مجھے خبر نہیں''۔

پھر خدا تعالیٰ نے فرمایا: ''ایک دن تو بیٹھا ہوا بہت سے آدمیوں کو وعظ و نصیحت کی باتیں سنا کر رلا رہا تھا۔ ان میرے بندوں میں سے ایک بندہ میرے خوف سے ایسا رویا، جو کبھی نہ رویا تھا، میں نے اسے بخش دیا اور اس کی وجہ سے تجھ کو اور تمام اہل مجلس کو بخش دیا۔

سزا و جزا

ایک دن عبدالملک بن مروان کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں ایک فقیر نے اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ عبدالملک کو بہت غصہ آیا۔ ڈانٹا کہ تو نے بے ادبی کیوں کی؟ فقیر نے جواب دیا۔ ''امیر المومنین! محتاجی نے مجھے اس بے ادبی پر مجبور کر دیا''

عبدالملک نے کہا:

''ادب کے ساتھ بھی سب کچھ کہا جا سکتا ہے''

نوکر کو حکم دیا کہ فقیر کو دو ہزار دینار دے دیئے جائیں کیونکہ سائل کا سوال پورا نہ کرنا بادشاہوں کی عادت نہیں۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ فقیر کا وہ ہاتھ کاٹ دیا جائے جس نے بے ادبی کی ہے کیونکہ بے ادبی کی سزا دینا بھی بادشاہوں کا کام ہے۔

﴿بدگمانی﴾

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ ایک روز دریائے دجلہ کے کنارے چلے جا رہے تھے کہ ایک حبشی کو دیکھا جو اپنے پاس ایک عورت کو لٹائے ہوئے خود بھی ایک بوتل سے پی رہا تھا اور اس عورت کو بھی پلا رہا تھا۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے دل میں خیال گزرا کہ اس شخص سے تو میں ہی اچھا ہوں جو ایسی حرکت کا مرتکب نہیں ہوں۔ یہ شخص اس عورت کے ساتھ شراب پی رہا ہے۔

اس فکر و خیال میں تھے کہ ایک کشتی اسباب سے بھری ہوئی دریا میں آئی اور چکر کھا کر ڈوب گئی۔ اس پر دس آدمی سوار تھے' وہ سب کے سب غوطے کھانے لگے۔ اس حبشی نے جو یہ منظر دیکھا تو جھٹ دریا میں کود کر ایک ایک کو نکالنے لگا حتیٰ کہ نو آدمی اس نے نکال لیے' پھر وہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''آپ دسواں آدمی تو نکال کر دکھائیں۔ اے مسلمانوں کے امام! بدگمانی اچھی نہیں ہوتی' یہ عورت میری ماں ہے اور اس بوتل میں پانی ہے۔''

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ اس حبشی کے قدموں میں گر گئے اور اس سے معذرت طلب کرنے لگے۔

﴿تین بدنصیب﴾

شیخ سماء الدین سہروردی اپنے دور کے مشہور مشائخ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ

سلاطین کی صحبت سے گریز کرتے تھے۔ایک دن بہلول دانا ان سے ملنے کے لیے آیا اور نہایت عقیدت سے ان کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور عرض کیا!

''میں کرم کا محتاج ہوں''۔

شیخ نے جواب دیا۔

تین آدمی اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام سے محروم رہیں گے۔

اول! وہ بوڑھا جو گناہوں سے باز نہ آئے۔دوسرے وہ جوان جو ایامِ پیری میں اصلاح کی امید پر بے خوف گناہوں میں غرق رہے۔تیسرا وہ سلطان جو باوجود حصولِ مقاصد دینی ودنیاوی اپنی سلطنت کے چراغ کو جھوٹ کی آندھی سے گل کر دے۔

بہلول دانا کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔اس کو شیخ نے مصلی خاص عنایت کیا' جس کو احتراماً سر پر رکھ کر وہ خانقاہ سے واپس آیا۔

نیکی اور ثواب

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک بار جنگل میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک سپاہی کا ادھر سے گزر ہوا۔

اس نے سوال کیا۔

''تم غلام ہو؟''

آپؒ نے فرمایا: ہاں!

اس نے کہا

''مجھے آبادی کا پتہ بتاؤ''۔

آپ نے قبرستان کی طرف اشارہ کیا۔

اس سپاہی کو بڑا غصہ آیا اور اس نے آپ کے سر اقدس پر ڈنڈا دے مارا۔ سر

مبارک سے خون بہنے لگا۔ ظالم سپاہی آپ کو پکڑ کر شہر لے آیا۔

لوگوں نے یہ ماجرا دیکھ کر سپاہی کو ملامت کی اور کہا

''بیوقوف! تو نہیں جانتا۔ یہ زمانے کے ولی حضرت ابراہیم بن ادھم رحمتہ اللہ ہیں۔'' وہ بہت نادم ہوا' گھوڑے سے اتر کر آپ کے قدموں میں گر پڑا اور کہا۔ عالی جاہ! مجھے معاف کر دیں اور یہ ارشاد فرمایئے کہ آپ نے یہ کیوں کہا تھا کہ میں غلام ہوں؟''

آپ نے فرمایا:

''میں نے اس لئے کہا تھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں''۔

''سپاہی نے عرض کیا کہ آپ نے قبرستان کی طرف کیوں اشارہ کیا تھا؟''

آپ نے فرمایا:

''شہروں کی آبادی تو ایک دن ویران ہو جائے گی مگر اصل آبادی قبرستان ہی ہے کہ سب کو یہیں آنا ہے''۔

اس کے بعد سپاہی نے عرض کیا۔

''میں نے آپ کا سر مبارک پھوڑ ڈالا لیکن آپ کی زبان پر دعائیہ کلمات تھے''۔

آپ نے فرمایا: ''مجھے معلوم تھا کہ دعا دینے کے دو ثواب ہیں۔ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ تم سے مجھے نیکی اور ثواب حاصل ہو اور اس کے عوض مجھ سے تم کو ابدی بد دعا حاصل ہو۔''

حق کی بات

حیدر آباد دکن میں ایک مرتبہ قرآن خوانی کی محفل ہوئی۔ میر محبوب علی خان نے جو اس وقت نظام دکن تھے' اپنے ایک ساتھی سے بات شروع کی۔ اس محفل میں قصبے کے

ایک قاضی بھی موجود تھے۔ جو حکومت سے پچیس روپے ماہوار لیتے تھے' مجلس میں بڑے بڑے عالم موجود تھے مگر کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ بادشاہ کو بات کرنے سے روکے۔ قاضی صاحب سے نہ رہا گیا' انہوں نے زور سے ہوں کی' نظام چپ ہو گئے لیکن تھوڑی دیر بعد پھر بات چیت میں مصروف ہو گئے۔ قاضی صاحب نے پھر زور سے ہوں کی۔ نظام پھر خاموش ہو گئے' لیکن تیسری دفعہ انہوں نے پھر کسی سے بات کرنا شروع کی۔ قاضی صاحب کو غصہ آ گیا اور نظام کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''بادشاہ سلامت! میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ قرآن مجید پڑھا جا رہا ہو تو بات چیت بند کر دینی چاہیے۔ جب بادشاہ ہی قرآن پاک کا ادب نہ کرے گا تو کسی اور کے خاموش ہونے کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔''

قاضی صاحب کی اس حرکت سے سب سہم گئے' لیکن جب مجلس برخاست ہوئی تو نظام نے قاضی صاحب کو بلا کر ان کا پتہ پوچھا اور ان کی جرأت پر انعام دیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا:

''میں نے حق بات کہہ کر فرض پورا کیا۔ میں اس کا کوئی صلہ نہیں چاہتا''

یہ کہہ کر انعام واپس کر دیا۔

﴿محبت کا اثر﴾

شیخ سعدی فرماتے ہیں ایک دفعہ میرے دوست نے مجھے مٹی دی' جب میں نے اسے سونگھا تو بہت خوشبودار تھی۔ میں نے اس مٹی سے پوچھا تو اتنی خوشبودار ہے کہ تیری خوشبو سے میرا دماغ معطر اور تروتازہ ہو گیا ہے۔ یہ خوشبو تجھ میں کہاں سے آئی؟'' مٹی نے جواب دیا۔

''میں عام مٹی ہوں لیکن میں کچھ عرصہ خوشبودار پھولوں کے ساتھ رہی ہوں۔

میرے ہم نشینوں نے مجھ پر اثر کیا اور میں خوشبودار ہو گئی"۔
یعنی انسان پر اس کے دوستوں کی صحبت کا اثر ہوتا ہے۔

﴿حسد﴾

امام اصمعیر رحمہ اللہ تعالیٰ بوڑھے ہو چکے تھے لیکن صحت وتوانائی قابلِ رشک تھی۔
کسی نے پوچھا: "حضرت! آپ کی عمر کیا ہے؟"۔
حضرت امام اصمعی نے جواب دیا "ایک سو بیس سال"۔
اس نے حیرت سے کہا!
"اول تو اتنی عمر ہر ایک کو نہیں ملتی اور دوم آپ کی قابلِ رشک صحت وتوانائی آخر اس کا راز کیا ہے؟"
امام اصمعی نے جواب دیا۔
"اس کا کوئی راز نہیں، زندگی کی قاتل ایک چیز ہے اور وہ ہے حسد اور میں زندگی بھر حسد سے دور رہا ہوں"۔

﴿وجودِ باری تعالیٰ﴾

حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ مشہور عابدہ وزاہدہ خاتون تھیں۔ ان سے کسی نے بیان کیا کہ فلاں عالم نے وجودِ باری تعالیٰ ثابت کرنے کے لئے ایک ہزار دلیلیں دی ہیں۔
آپ نے مسکرا کر فرمایا:
"اتنے تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ وجودِ باری تعالیٰ کے ثبوت میں تو صرف ایک

ہی دلیل کافی ہے''۔

دریافت کیا گیا''وہ کیا؟''

آپ نے فرمایا:

''اگر تم صحرا میں تنہا جا رہے ہو اور پاؤں پھسلنے کی وجہ سے کنویں میں گر جاؤ اور باہر نکلنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہ آئے تو تم کسے پکارو گے۔

اس نے کہا''اپنے اللہ کو پکاروں گا''

آپ نے فرمایا:

''بس یہی ایک دلیل کافی ہے''۔

﴿لاجواب﴾

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شام ڈھلے ایک بچے کو دیکھا جو شمع روشن کر رہا تھا۔ میں نے اسے روک کر پوچھا۔

''بیٹے! تم بتا سکتے ہو یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟''

لڑکے نے میرا سوال سنتے ہی فوراً پھونک مار کر شمع بجھادی اور کہا

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ روشنی کہاں چلی گئی ہے؟ تو میں بتادوں گا کہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے''؟

خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں اس لڑکے کا جواب سن کر لاجواب ہو گیا۔

﴿بڑے بول کا انجام﴾

حضرت قتادہ بن دمامہ مادرزاد نابینا تھے' مگر آپ کا سینہ علوم اسلامیہ کا خزینہ تھا۔ نہایت ہی بلند پایہ عالم اور جامع العلوم علامہ تھے۔ بالخصوص علم حدیث اور تفسیر میں تو اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ یہ کوفہ تشریف لے گئے تو ان کی زیارت کے لیے

عوام وخواص کا اژدہام عظیم جمع ہو گیا۔ آپ نے اس عظیم الشان مجمع کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''مجھ سے جو چاہو پوچھ لو''

حاضرین پر آپ کی علمی جلالت کا ایسا سکہ بیٹھا تھا اور لوگ آپ کی عظمت سے اس قدر مرعوب تھے کہ سب دم بخود اور ساکت بیٹھے رہے۔ مگر جب بار بار آپ نے کہا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ (جو ابھی کم عمر تھے) خود تو کمال ادب سے کچھ عرض نہ کر سکے مگر لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ ان سے یہ پوچھیے کہ!

''وادی نمل میں جس چیونٹی کی تقریر سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام مسکرا دیئے تھے وہ چیونٹی نر تھی یا مادہ؟''

چنانچہ لوگوں نے یہ سوال کیا تو حضرت قتادہ ایسے سٹ پٹائے کہ بالکل لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔ پھر لوگوں نے حضرت امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: کہ وہ چیونٹی مادہ تھی۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟

امام ابوحنیفہ نے جواب دیا کہ!

''اس کا ثبوت یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس چیونٹی کے لئے **وقالت نملة** مؤنث کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اگر یہ چیونٹی نر ہوتی تو **وقال نملة** مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہوتا۔ حضرت قتادہ نے اس دلیل کو تسلیم کیا اور حضرت امام ابوحنیفہ کی دانائی اور قرآن فہمی پر حیران رہ گئے اور اپنے ''بڑے بول'' پر نادم ہوئے۔

جہیز

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی شادی قبیلے کندہ میں ہوئی۔ نکاح کے بعد بیوی کے ہاں گئے تو دیکھا کہ دیواریں پردوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ

نے فرمایا:

''کیا گھر کو بخار ہوا ہے کہ اسے بچانے کے لئے چادریں اوڑھا رکھی ہیں''۔ یہ کہہ کر آپ رضی اللہ عنہ نے دروازے کے سوا تمام چادریں دیواروں سے ہٹا دیں۔ گھر میں نظر دوڑائی تو اسے قیمتی سامان سے بھرا ہوا پایا' پوچھا!

یہ سامان کس کا ہے؟'' جواب ملا۔

''یہ آپ رضی اللہ عنہ کا اور آپ کی بیوی کا ہے''۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا میں تمہارے پاس صرف اتنا سامان ہونا چاہیے کہ جتنا ایک مسافر کے پاس راستے کی ضرورت کا ہوتا ہے۔ مجھے اس سامان کی ضرورت نہیں' اس طرح آپ نے جہیز لینے سے انکار کر دیا۔

☆......☆......☆

حکایات رومی

﴿ایک خرگوش کا شیر کو مکر سے ہلاک کرنا﴾

آپ اس قصے کو بہت غور اور گہرائی سے پڑھ کر اس سے نصیحت حاصل کریں کیونکہ اس قصے میں ہر ایک کے لئے سبق موجود ہے۔

ایک جنگل میں چرندوں کی شیر کے ساتھ ہمیشہ لڑائی رہتی تھی' اس کی وجہ یہ تھی کہ شیر ہمیشہ چرندوں کی تاک میں لگا رہتا تھا' اس نے جنگل کے تمام جانوروں کو تنگ کر رکھا تھا۔

آخر سب نے مل کر ایک ترکیب سوچی' ان سب نے شیر کو کہا کہ ہم روزانہ تیرے پیٹ بھر کے کھانے کے لئے خوراک مقرر کئے دیتے ہیں اور تم اس مقررہ خوراک سے زیادہ شکار مت کرنا تاکہ ہم اس سے تنگ نہ پڑیں۔ یہ بات سن کر شیر نے جواب میں کہا کہ ٹھیک ہے' اگر تو تم لوگ فراڈ نہ کرو گے اور اپنے وعدے پر قائم رہو گے تو مجھے یہ بات منظور ہے۔ مگر میں تم سے پہلے بھی بہت زیادہ دھوکہ کھا چکا ہوں' میں تم سب کے جھوٹے وعدوں سے نقصان اٹھا چکا ہوں اور بہت سے سانپ بچھو مجھے ڈس چکے ہیں۔ اس معاملے میں بہت زیادہ بحث و تکرار ہوئی۔ چرندوں نے شیر سے کہا کہ اے جنگل کے بادشاہ! جب تجھے گھر بیٹھے رزق مل رہا ہے تو پھر تجھے تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے' تو پھر کیوں تو زیادہ کی ہوس اور لالچ میں تکلیف اٹھاتا ہے' حالانکہ جتنا رزق تیری قسمت میں خدا نے لکھ دیا ہے تجھے اس سے زیادہ تو نہیں مل سکتا' چاہے اس کے لیے تو جو مرضی کر لے' جتنے ہاتھ پاؤں مار لے مگر تجھے وہی ملے گا جو خدا نے تیری قسمت میں لکھ دیا ہے اور اسی لئے خدا تعالیٰ کے نیک بندوں نے توکل' صبر' برداشت

کی تعلیم دی ہے۔

شیر نے جواب میں کہا کہ اللہ کے نیک بندوں نے ہمیشہ سخت محنت کی' تکلیف برداشت کی اور ویسے بھی یہ دنیا تلاش اور کچھ پانے کی جستجو کی جگہ ہے اور علم الٰہی کے اسرار بھی محنت اور کوشش' لگن سے کھلے ہیں۔ یہ باتیں سن کر چرندے لاجواب ہو گئے پھر لومڑی' خرگوش' ہرن اور گیدڑ نے جبر کے طریقے کو بند کر دیا اور شیر کے ساتھ وعدہ کیا کہ یہ بیعت کبھی نہ توڑیں گے کہ تجھے تیرے حصے کا کھانا بغیر تیرے مانگے پہنچ جایا کرے گا اور تجھے شکار کرنے کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ معاہدہ کرنے کے بعد سب جانور ایک جگہ اکٹھے ہوئے' ایک دوسرے سے گفتگو کرنے کیلئے ہر کوئی اپنی سمجھ کے مطابق ترکیب بتاتا اور رائے دیتا دوسرے کو کٹوانے مروانے کیلئے اور آخرکار سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ہر ایک کے نام کا قرعہ ڈالا جائے جس کا نام نکلے گا اس کو بغیر کسی بہانے کے شیر کی غذا کے طور پر شیر کے آگے پیش کر دیا جائے گا اور اس بات پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ سب جانور اس فیصلے پر راضی ہو گئے۔ اس طرح جس جانور کے نام کا قرعہ نکلتا وہ شیر کے ٹھکانے کی طرف روانہ کر دیا جاتا۔

آخر ایک دن خرگوش کے نام کا قرعہ نکلا' جب خرگوش کو معلوم ہوا تو وہ بولا کہ آخر یہ ظلم کب تک چلے گا؟ اور ہم اس ظلم کو کب تک برداشت کریں گے؟ باقی جانوروں نے کہا کہ دیکھو ہم اپنے وعدے کے مطابق اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں' تو پھر اے باغی! تو ہم سب کو بدنام نہ کر' اس سے پہلے کہ شیر غصے میں آ جائے اور ہم سب سے ناراض ہو جائے اور جلد سے جلد شیر کے ٹھکانے پر پہنچ جا اور ہمیں شیر کی ناراضگی' غصے اور مصیبت سے بچا لے۔ خرگوش نے کہا کہ مجھے تھوڑا وقت دو تاکہ میں کوئی ایسی ترکیب سوچوں کہ ہم سب کو اس روز روز کی تکلیف سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نجات مل جائے۔ مجھے خدا کے فضل سے ایک نئی راہ دکھائی دی ہے اور میری عقل میں ایک

ترکیب آئی ہے۔ جانوروں نے کہا کہ اے عقل مند خرگوش! تو پھر تو ہم سب کو بتا کہ تیرے ذہن نے کون سی نئی ترکیب نکالی ہے شیر سے نجات حاصل کرنے کے لئے' تاکہ ہم سب مل کر اس کا فیصلہ کریں اور ہم سب کے ساتھ مل کر اس ترکیب کو کامیاب بنانے میں مدد کر سکیں۔

خرگوش نے جواب میں کہا کہ ہر راز بیان کرنے والا نہیں ہوتا' بعض باتیں راز میں ہی رہنی چاہئیں کیونکہ کئی بار بیان کرنے سے مبارک کام نا مبارک اور نا مبارک کام مبارک ہو جاتا ہے۔ سو خرگوش نے اپنی ترکیب کو کسی کے سامنے بیان نہ کیا' تھوڑی دیر سوچا اور پھر شیر کے سامنے چلا گیا۔ شیر اس وقت غصے میں پاگل ہوا جا رہا تھا اور غرا رہا تھا اور کہہ رہا تھا' کہ ان سب چرندوں کا عہد بالکل فضول تھا' یہ سب اپنے عہد کو پورا کرنے میں ناکام ہوئے ہیں' میں کیونکر ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گیا جو مجھے گدھا ثابت کرتیں ہیں۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ یہ مجھ سے کیسے دھوکہ کرتے ہیں؟ اس کا غصہ کسی طور کم ہونے میں نہ آ رہا تھا' وہ سوچ رہا تھا' میں ان کو ایسا سبق سکھاؤں گا کہ یہ سب یاد رکھیں گے' انہوں نے مجھے اپنی باتوں سے بیوقوف بنانے کی کوشش کی ہے' میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے' میں آئندہ ان کی کسی قسم کی باتوں میں نہ آؤں گا' ان کو بہت جلد سبق سکھاؤں گا۔

اتنے میں شیر نے دیکھا کہ ایک خرگوش دور سے دوڑتا آ رہا ہے لیکن وہ بے خوف اور گستاخانہ دوڑا چلا آ رہا ہے اور اس کی دوڑ اس کے باغی ہونے کا پتہ دے رہی تھی کیونکہ قاعدہ ہے خوف زدہ' غم زدہ اور جھجکتی ہوئی چال کا شک ہو جاتا ہے' جبکہ دلیرانہ چال پر کوئی شک نہیں ہوتا۔ ابھی وہ شیر تک پہنچا ہی تھا کہ شیر نے غصے میں غرا کر کہا' اے نافرمان! میں نے کتنے طاقت ور بیلوں کو مار ڈالا اور کتنے شیروں کو گوشمالی دے دی اور تو کیا چیز ہے؟ تیری اوقات کیا ہے؟ جو تو نے میری حکم عدولی کی ہے۔

خرگوش نے عرض کی کہ اگر جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں‘ شیر نے کہا کہ اے بیوقوف! بادشاہوں کے سامنے سارا زمانہ آئینہ ہے‘ بھلا تو کیا جواز پیش کرے گا۔ تو نے میری حکم عدولی کی ہے‘ تیرا تو سر اڑا دینا چاہیے۔ احمق کی بات کبھی نہیں سننی چاہیے۔ خرگوش نے کہا‘ کہ اے بادشاہ! ادنیٰ سے ادنیٰ رعیت کو بھی رعیت سمجھ اور میری معذرت کو قبول فرما کہ یہ تیری شان کی زکوٰۃ ہوگی‘ یہ تیری شان وشوکت کا صدقہ ہوگا۔ شیر نے کہا کہ میں مناسب موقع پر مہربانی اور رحم بھی کرتا ہوں‘ اگر کوئی اس کے مہربانی اور رحم کے لائق ہو تو‘ خرگوش نے شیر سے کہا کہ تو پھر اے جنگل کے بادشاہ! سن کہ میں صبح سویرے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ تیرے ٹھکانے کی طرف روانہ ہوا۔

ان چرندوں نے آج تیرے واسطے میرے ساتھ ایک اور خرگوش بھی روانہ کر دیا تھا‘ راستے میں دوسرے شیر نے تیرے ان غلاموں پر تاک لگائی ہوئی تھی۔ اس نے ہمیں روک لیا‘ ہم نے اس کو بتایا بھی کہ ہم تیری رعیت ہیں‘ تیرے غلام ہیں‘ تیری رعایا ہیں‘ اس پر اس نے جواب دیا کہ کون بادشاہ؟ میرے علاوہ کون ہے بادشاہ؟ میرے سامنے کسی کو بادشاہ کہتے تجھے ڈر خوف نہیں آیا۔ اگر تو اور تیرا ساتھی میرے آگے سے ذرا بھی ہلے تو تجھے اور تیرے بادشاہ دونوں کو چیر کر رکھ دوں گا‘ میں نے اس سے کہا بھی کہ ہمیں اتنی مہلت تو دو کہ ہم اپنے بادشاہ تک تمہاری خبر دیں آئیں۔ اس پر اس نے کہا کہ اس کے لئے تجھے اپنے ساتھی کو رہن رکھنا ہوگا۔ ہم نے بہت خوشامد کی‘ وہ نہ مانا اور میرے ساتھی کو چھین لیا اور مجھے چھوڑ دیا‘ میرا وہ ساتھی اس کے پاس ہے‘ وہ مارے خوف کے پریشان ہے۔ میرا ساتھی تازگی اور موٹاپے میں مجھ سے تین گنا زیادہ ہے۔ جسم میں چربی اور خوبصورتی بھی ہے۔ ہم پر جو بھی گزرا ہم نے تجھ سے بیان کر دیا۔ اس لئے اس حالت میں روزمرہ اپنی خوراک پہنچنے کا انتظامت کر۔ سچی بات کڑوی ہوتی ہے‘ لیکن میں نے یہ سچ تیرے آگے بیان کیا ہے۔ اگر تجھے اپنی روز کی خوراک چاہیے تو میرے

ساتھ آ اور اپنے اس دشمن کو ختم کر' شیر نے کہا کہ ہاں! چلو' تم جھوٹے نکلے تو تجھے اس کی سزا بھگتنا پڑے گی۔

خرگوش شیر کے آگے آگے چل پڑا' تا کہ شیر کو اپنے جال میں پھنسا سکے اور اس نے اس کے لئے ایک پرانے کنوئیں کا انتخاب پہلے ہی کر لیا تھا۔ دراصل خرگوش بہت عقل مند نکلا اور اپنی عقل مندی سے اس نے شیر جیسے خونخوار کو اپنے جال میں پھانس لیا اور شیر بھی آرام سے نہایت آسانی کے ساتھ نہ صرف یہ کہ بیوقوف بن گیا بلکہ خرگوش کے ساتھ چل پڑا اور خرگوش عقل مند ہونے کے ساتھ ساتھ بہادر بھی تھا۔ وہ شیر کے ساتھ چل پڑا' خرگوش کو اپنے ساتھ چل کر جاتا دیکھ کر شیر اور زیادہ غصے میں آ گیا' وہ حسد کی آگ میں جلنے لگا۔

کنوئیں کے پاس پہنچتے ہی شیر نے دیکھا کہ خرگوش رک گیا اور الٹے قدموں واپس ہونے لگا' شیر نے کہا خبردار! رک جا' پیچھے مت جانا' آگے بڑھو۔ خرگوش نے کہا کہ میرے قدموں میں دم کہاں؟ میرا تو سانس پھولنے لگا ہے۔ میں بہت زیادہ خوف زدہ ہوں اور میرا دل دھک دھک کر رہا ہے اور تو نے دیکھا نہیں کہ میرا رنگ کیسا پیلا پڑ گیا ہے؟ جو میری حالت کی خبر دیتا ہے۔ شیر نے کہا کہ اے بیوقوف! تو مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے' اصل بات بتا تو نے اپنے قدم آگے بڑھنے سے کیوں روکے ہیں؟ خرگوش نے جواب دیا کہ اے شیر! اے میرے بادشاہ! وہ شیر اس کنوئیں میں رہتا ہے' یہ کنواں نہیں بلکہ اس کے لئے ایک قلعہ ہے۔ جس میں وہ ہر آفت سے محفوظ رہتا ہے۔ وہ میرے ساتھی کو چھین کر اسی کنویں میں لے گیا ہے۔ شیر نے کہا کہ تو آگے بڑھ کر دیکھ اگر وہ کنویں میں موجود ہے تو میرے مقابلے سے ہار جائے گا۔ خرگوش نے کہا کہ مجھے تو یہ خوف کھائے جا رہا ہے' البتہ! اگر تو مجھے اٹھا کر اپنی بغل میں لے لے تو نشاندہی کرنے کیلئے تیار ہوں تا کہ اے بہادر شیر! میں تیری ہمت اور

بہادری پر کنوئیں میں جھانک کر دیکھوں' یہ صرف تیری بہادری اور ہمت سے ہی کر سکتا ہوں۔ شیر نے اسے اپنی بغل میں دبایا اور کنویں کے دہانے پر پہنچا۔ جب دونوں نے کنویں میں جھانکا تو اس بات کی تصدیق ہوگئی۔

اصل میں شیر نے کنوئیں کے پانی میں اپنا ہی عکس دیکھا اور وہ یہ سمجھا کہ کوئی شیر ایک خرگوش کو اپنی بغل میں دبائے کھڑا ہے' جیسے ہی اس نے پانی میں اپنے دشمن کو دیکھا اس نے غصے میں بے قابو ہو کر خرگوش کو تو چھوڑ دیا اور کنویں میں اپنے دشمن پر حملہ کرنے کیلئے کود پڑا اور جو ظلم کا کنواں کھودا تھا آخر کار اس میں وہ خود گر گیا۔

جب اس نے دیکھا کہ شیر بے دم ہو گیا ہے' تو خوشی خوشی جنگل کو دوڑا شیر کا شکاری خرگوش جب جنگل میں پہنچا تو کہا کہ اے قوم! تم سب کو بہت بہت مبارک ہو' خوشخبری دینے آیا ہوں۔ مبارک ہو کہ وہ دوزخی' ظلم کرنے والا' وہ ظالم دوزخ کو روانہ ہوا' اس کو ہم مظلوموں کی آہ لگی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو گیا۔ اس کی گردن ٹوٹ گئی' سر پھٹ گیا' بھیجا باہر نکل آیا اور ہمیں اس سے نجات مل گئی اور خدا کا فضل ہوا ہے' ہم سب پر کہ ہمارا دشمن اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور ہمیں اپنے دشمن سے نجات حاصل ہوئی۔

سب چرندے مارے خوشی کے اچھلنے کودنے کے لئے ایک جگہ جمع ہوئے اور خرگوش کے اردگرد جھومنے لگے' ناچنے لگے اور خدا کا شکر ادا کرنے لگے اور خرگوش کو کہا کہ تو فرشتہ یا جن ہے' یا شیروں کا ملک الموت ہے جو کچھ بھی ہے تو ہماری جان ہے اور ہماری جان تجھ پر قربان ہے۔

تو نے ایسی کامیابی حاصل کی ہے کہ یہ تیرا کام تھا' ہم سب تجھے سلام کرتے ہیں۔ اب تو ہمیں اس واقعہ کی پوری تفصیل سنا جس کی وجہ سے ہماری روح کو تازگی اور دل کو خوشی ملی ہے' خرگوش نے کہا! یہ سب خدا کا کرم ہے' خدا کی طرف سے یہ سب ہوا ہے جس نے مجھے اتنی عقل' جرأت' ہمت اور روشنی عطا کی اور اس کی روشنی سے مجھے اتنی

عقل اور توانائی آئی' یہ سب خدا کا فضل ہے' لہٰذا دل و جان کے ساتھ اپنے اس رب کو سجدہ کرو' اس کا شکر ادا کرو اور سب مل کر دعا کرو کہ (اے بادشاہوں کے بادشاہ! ہم نے اپنے ظاہری دشمن کو تو ختم کر ڈالا ہے لیکن اس سے بدتر دشمن جو ہمارے اندر موجود ہے' اس اندر کے دشمن کو مارنا ہمارے بس میں نہیں' ہمیں اتنی عقل و شعور دے کہ ہم اس کا مقابلہ کر سکیں)۔ ہمارا نفس دوزخ ہے اور دوزخ ایسی آگ ہے کہ سات سمندر پی کر بھی نہ بجھے اور اس کی بھڑک میں کوئی کمی نہ آئے۔

﴿ہُد ہُد کے دعوے پر کوے کا طعنہ اور ہُد ہُد کا جواب﴾

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت ملی تو سب پرندے اطاعت میں حاضر ہوئے۔ جب انہوں نے سلیمان علیہ السلام کو اپنا محرم راز اور زبان داں پایا تو ہر گروہ دل و جان سے حاضر دربار ہو گیا اور سب پرندوں نے اپنی بول یعنی چوں چوں چھوڑ دی اور سلیمان علیہ السلام کی صحبت میں بنی آدم سے زیادہ فصیح بولنے لگے' سب پرندے اپنی اپنی جگہ حکمت و دانائی کی باتیں بتاتے تھے مگر یہ کسی شیخی یا نمائش کیلئے نہ تھا' بلکہ وہ ہدایت و تعلیم کے سلسلے میں سلیمان علیہ السلام کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ سب پرندوں کی باری کے بعد جب ہدہد کی باری آئی تو اس نے کہا' اے بادشاہ! ایک ہنر سب میں ادنیٰ ہے' میں مختصراً بیان کرنا چاہتا ہوں' کیونکہ مختصر بات مفید ہوتی ہے۔ جب سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ بتاؤ کون سا ہنر مفید ہے؟ ہدہد نے کہا کہ جب میں بلندی پر پرواز کرتا ہوں' تو پانی کو جہاں بھی ہو دیکھ لیتا ہوں۔ اس تفصیل کے ساتھ کہ وہ کہاں ہے؟ اس کی گہرائی کتنی ہے؟ اس کا رنگ کیسا ہے؟ یہ بھی کہ وہ پانی زمین سے ابل رہا ہے' یا کسی پتھر سے رس رہا ہے اے سلیمان علیہ السلام! اگر تو اپنے لاؤ و لشکر کے ساتھ مجھ کو رکھے تو یہ فائدے کی بات ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اچھا بے

آب و گیاہ خطرناک ریگستانوں میں تو ہماری ہمراہی کیلئے ہمارے ساتھ رہا کر' تا کہ ہمارے لئے پانی کا کھوج نکالنا آسان رہے۔

جب کوے نے سنا کہ ہدہد کو یہ منصب عطا ہوا ہے' تو اسے جلن ہوئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہدہد نے غلط بات کی ہے اور گستاخی کی ہے۔ اس کی بات خلافِ ادب ہے کہ بادشاہ کے حضور ایسا جھوٹا دعویٰ کیا جائے' جس کا پورا کرنا ممکن نہ ہو' اگر ہمیشہ اس کی نظر تیز ہوتی تو مٹھی بھر خاک میں چھپا پھندا اس کو کیوں نہ نظر آتا۔ جال میں کیوں گرفتار ہوتا اور پنجرے میں کیوں قید ہوتا؟ سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے پوچھا کہ کیوں اے ہدہد؟ کیا یہ بات سچ ہے کہ تو میرے آگے جھوٹے دعوے کرتا ہے۔ ہدہد نے کہا' خدا کے واسطے اے بادشاہ! مجھ بے چارے فقیر کے خلاف دشمن کی بات کا اعتبار مت کریں۔ اگر میری بات غلط نکلے تو میرا سر حاضر ہے۔ میری گردن اڑا دیں' رہی موت اور خدا کے حکم سے گرفتاری تو اس کا علاج میرے تو کیا کسی کے پاس نہیں ہے۔ اگر خدا کی مشیت عقل کو ختم نہ کر دے تو میں اڑتے اڑتے پھندے اور جال کو دیکھ لوں' لیکن جب خدا کا حکم ہوتا ہے اور اس رب کی مرضی ہوتی ہے تو عقل سو جاتی ہے۔ چاند سیاہ ہو جاتا ہے اور سورج کو گرہن لگ جاتا ہے۔ میری عقل اور بینائی میں یہ قوت نہیں ہے کہ خدائی حکم کا مقابلہ کر سکے۔

﴿نحوی اور کشتی بان﴾

ایک نحوی کشتی میں بیٹھا تھا۔ خود پرستی سے کشتی بان سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا کہ اے کشتی بان! تم نے کبھی کچھ بھی نحو پڑھی ہے۔ جس پر کشتی بان نے جواب دیا کہ نہیں میں نے نہیں پڑھی۔ نحوی نے کہا' کہ افسوس کہ تو نے اپنی آدھی عمر ضائع کی۔ کشتی بان کو نحوی کی اس بات پر غصہ تو بہت آیا' مگر وہ خاموش رہا' اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

اتفاق سے تھوڑی دیر کے بعد جھکڑ نے کشتی کو ایک بھنور میں پھنسا دیا' تب کشتی بان نے نحوی سے اونچی آواز میں مخاطب ہو کر کہا کہ حضرت! آپ کو تیرنا بھی آتا ہے یا نہیں' نحوی نے جواب دیا کہ نہیں مجھے تو تیرنا نہیں آتا' تو کشتی بان نے کہا کہ اے نحوی! تیری تو ساری عمر ضائع گئی' کیونکہ کشتی گرداب میں ڈوبنے والی ہے۔ اس کہانی کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کو اگر کسی ایک فن یا علم میں کمال حاصل ہو تو اس بات پر اسے اترانا نہ چاہیے اور شیخی نہیں مارنا چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک کافر کا تھوکنا اور آپ رضی اللہ عنہ کا اس کے قتل سے باز رہنا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل سے اخلاص کا طریقہ سیکھنا چاہیے۔ وہ خدا کے شیر تھے' ان کا فعل اور ان کا ہر عمل نفسانیت سے پاک تھا۔ ایک دفعہ ایک جنگ میں جب ایک دشمن زد میں آیا تو آپ رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر جھپٹے اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرہ پُرنور پر جو ہر نبی وولی کا فخر تھے' تھوک دیا۔

مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنا غصہ پی گئے اور اسی وقت تلوار پھینک کر اس کافر پہلوان سے کنارہ کرنے لگے' وہ پہلوان آپ کی اس حرکت پر حیران ہو گیا کہ بھلا عفو اور رحم کا یہ کون سا موقع ہے؟ اس نے آپ سے اس کا سبب پوچھا کہ ابھی تو آپ تلوار سے مجھ پر جھپٹے تھے مگر اب آپ نے مجھے چھوڑ دیا' اس کی کیا وجہ ہے؟ میری جنگ آزمائی میں آپ نے ایسی کیا بات دیکھی کہ مجھ پر آپ غالب آ گئے تھے' لیکن آپ غالب آنے کے بعد مقابلے سے ہٹ گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میں صرف خدا کیلئے اور خدا کی راہ میں تلوار مارتا ہوں اور میرا عمل میرے دین کا بھی گواہ ہے۔ غضب وغصہ بادشاہوں پر حکمران اور ہمارا غلام ہے۔ اس لئے غضب وغصہ پر میں

نے زین ولگام لگالی ہے۔ میرے صبر کی تلوار نے میرے غضب وغصہ کی گردن ماردی ہے اور حق کا غضب بھی مجھ پر رحمت کی طرح چھایا ہوا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے میرے نوکر کے کان میں فرمایا: کہ وہ ایک دن میرا تن سر سے جدا کر دے گا' وہ نوکر یہ سن کر مجھ سے کہتا رہتا ہے' آپ پہلے ہی مجھ کو قتل کر دیں کہ مجھ سے اتنی بڑی غلطی سرزد نہ ہو مگر میں اس کو یہی جواب دیتا ہوں کہ جب میری موت تیرے ہاتھ سے ہونے والی ہے تو میں خدا کے حکم کے آگے بہانہ کیوں ڈھونڈوں؟ اس طرح میں دن رات اپنے قاتل کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں مگر مجھے اس پر غصہ نہیں آتا' کیونکہ جس طرح ہر آدمی کو اپنی جان پیاری ہے۔ مجھے اپنی موت پیاری ہے کیونکہ یہی موت میری دوسری زندگی کی بانہوں میں بانہیں ڈالے ہوئے ہے۔ بے موت مرنا ہم پر حلال ہے اور بے سامان جینا ہمارے لئے نصیحت ہے۔ حضرت امیر المومنین نے اس پہلوان سے کہا کہ اے جوان! جب جنگ کے وقت تو نے میرے منہ پر تھوکا تو میرے نفس کو حرکت ہوئی اور میری نیت دوسری ہوگئی' یعنی جنگ کی غرض و غایت آدھی خدا کے واسطے اور آدھی اپنے نفس کی طرف ہوگئی' حالانکہ خدا کے کام میں دوسرے کی شرکت جائز نہیں۔ تو میرے مالک کے ہاتھ کی بنائی ہوئی صورت ہے اور اس کی ملک ہے یعنی اس کی ملکیت ہے' میری نہیں' خدا کے نقش کو خدا ہی کے حکم سے توڑنا چاہیے اور دوست کے شیشے پر اسی کا پتھر مارنا چاہیے۔

اس کافر پہلوان نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سنی تو اس کے دل میں ایک نور پیدا ہوا اور اس نے زنار توڑ ڈالا اور کہا کہ ہائے افسوس! میں اب تک ظلم کے بیج بوتا رہا تھا' میں تو تجھے کچھ اور سمجھتا تھا تو خدا کا اندازہ لگانے کی نہ صرف ترازو ہے بلکہ ہر ترازو کی ڈنڈی ہے۔ میں اس شمع کی خصلت والے چراغ کا غلام ہوں کہ جس سے تیرے چراغ نے روشنی پائی۔ میں اس دریائے نور کی موج کا غلام ہوں جو ایسے

ایسے موتی باہر لاتی ہے۔ لہٰذا مجھے اپنے مذہب کا کلمہ شہادت سکھا' کیونکہ میں نے تجھ کو اپنے سے زیادہ سربلند پایا۔

القواس پہلوان کے قریب جس قدر اس کے رشتے دار اور اہل قوم جمع تھے سب نے پروانہ وار دین اسلام قبول کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صرف تیغ حلم سے اتنی خلقت کو حلقہ بگوش اسلام کر لیا اور ان کے گلوں کو شمشیر آب دار سے بچالیا' لہٰذا تیغ حلم تیغ فولاد سے زیادہ تیز' بلکہ فتح و کامرانی میں سو لشکروں پر فائق ہے۔

بادشاہ اور کنیز

دوستو! یہ ایک ایسا واقعہ اور ایک ایسا قصہ ہے جو ہمارے حال پر صادق آتا ہے اگر اپنے حال کو ہم پرکھتے رہیں تو دین اور آخرت دونوں جگہ پھل پائیں گے۔

پرانے زمانے کی بات ہے کہ ایک بادشاہ تھا جسے دین و دنیا دونوں کی بادشاہی حاصل تھی' ایک دن شکار کیلئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلا۔ گھوڑا دوڑاتا پھرتا تھا کہ یکایک عشق کا شکار ہو گیا۔

ہوائیوں کے سرِ راہ ایک لونڈی پر نظر پڑی اور بادشاہ دیکھتے ہی دیکھتے دل و جان سے اس کا غلام ہو گیا' منہ بولی قیمت دے کر مالک سے لونڈی کو خریدا اور بادشاہ نے اسے ملکہ بنالیا۔ ایک دفعہ اتفاقاً وہ بیمار ہو گئی' بادشاہ نے ملک اور بیرون ملک کے نامور حکیموں کو علاج کیلئے جمع کیا اور ان سے کہا کہ میری جان بھی اس کی زندگی پر منحصر ہے اور جب تک وہ ٹھیک اور صحت یاب نہیں ہوتی ہے میں بھی تندرست نہیں ہو سکتا تو جو طبیب میری جان کو اس کی مرض شناس کر کے اس کو آرام اور سکون پہنچائے گا' وہ بے اندازہ دولت سے مالا مال کیا جائے گا۔

طبیبوں نے عرض کیا کہ بادشاہ ہم میں سے ہر ایک مسیح زمانہ ہے' بھلا وہ کون سی

بیماری ہے جس سے ہم واقف نہیں اور اس کی دوا ہمارے پاس نہیں' ہم اپنی جان لڑا دیں گے اور تشخیص مرض و علاج میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ انہوں نے شیخی میں یہ بھی کہا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ علاج کامیاب ہوگا۔

خدا کی مرضی دیکھیے کہ خدا کی قدرت کے آگے انسانی تدبیر کی کمزوری اس طرح ظاہر کی کہ انہوں نے علاج میں جس قدر زیادہ سرگرمی دکھائی اسی قدر بیماری اور بڑھتی گئی' نوبت یہاں تک پہنچی کہ کنیز سوکھ کے کانٹا ہوگئی اور ادھر یہ حال کہ روتے روتے بادشاہ کی آنکھوں سے خون کے دریا بہہ نکلے۔

خدا کی قدرت دیکھئے! سکنجبین سے صفراء اور روغن بادام سے خشکی پیدا ہوتی تھی' ہڑ پر سے قبض ہونے لگا' یعنی جتنی دوائیں مریضہ کو سکون اور آرام کیلئے دی جاتیں اس کی تاثیر غلط ہو جاتی' وہ دوائیں بجائے مریضہ کو آرام دینے کے مزید تکلیف میں مبتلا کر دیتیں۔ رفتہ رفتہ مریضہ کا دل بوڑھا ہو گیا' نیند بالکل ختم ہوگئی' آنکھوں میں جلن اور دل میں دھڑکن تیز ہوگئی' نتیجہ یہ نکلا کہ سارے شربت دوائیں اور تیمارداری کے سامان بے کار ثابت ہوئے اور طبیب بھی شرمندہ ہوئے اور ان سب کی شوخی بھی دھری کی دھری رہ گئی۔

جب بادشاہ نے تمام طبیبوں کو آزما لیا اور طبیبوں کے علاج سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو بادشاہ ایک رات ننگے پاؤں مسجد میں گیا اور سجدے میں گر کر زار و قطار رویا' اتنا رویا کہ سجدے کی جگہ آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ جب ذرا دل ٹھہرا' دل کو قرار آیا تو دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور خدا کے حضور دعا کی' کہ اے پاک پروردگار! تیرے لئے کسی کو ساری دنیا کی بادشاہت بخش دینا کوئی بڑی بات نہیں اور میں جو خواہش لے کر تیرے دربار میں حاضر ہوا ہوں' وہ تو بہت معمولی سی ہے' ہماری ساری تدبیریں اور طبیبوں کی دوائیں تیری رحمت کے آگے خاک ہیں۔ اے میرے پاک پروردگار! اے اس کائنات کے

خالق و مالک! ہم نے غلط راستہ اختیار کیا کہ تجھ سے مدد نہ مانگی اور اپنی تدبیروں میں لگے رہے۔ اے سارے جہان کے مالک! تو نے خود ہی تو فرمایا ہے کہ تو اپنے ہر بندے کے دل کی بے تابی و بے قراری سے واقف ہے اور اسی کو نوازتا ہے اپنی رحمت و برکت سے جو اعلانیہ یہ اقرار کرے کہ وہ واقعی بھکاری ہے' تیری رحمت کا اور ایک بھکاری کی طرح تجھ سے دعا کرے اور رحمت کا طلب گار ہو۔

بادشاہ نے جو دعا کی' وہ دل سے کی اس دعا میں ایسی تڑپ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آ گیا۔ بادشاہ پر غنودگی طاری ہوگئی اور بادشاہ کو خواب آیا۔ بادشاہ کے خواب میں ایک بزرگ تشریف لائے اور وہ فرماتے ہیں کہ اے بادشاہ! تجھے مبارک ہو' تیری دعا قبول ہوگئی ہے۔ کل ہمارا بھیجا ہوا ایک مسافر آئے گا' وہ بڑا دانا حکیم ہے اور اس کی دانائی میں ذرا شک نہیں' اس لئے تجھ پر لازم ہے کہ اس کی ہر ہدایت پر عمل کرے اور اس کے علاج کی کرامت تجھے خود معلوم ہو جائے گی۔

بادشاہ یہ خواب دیکھتے ہی چونک اٹھا۔ نیند سے بیدار ہوا' غفلت کے پردے اٹھ گئے۔ کنیز کی محبت نے غلام بنا رکھا تھا' اب گویا نئے سرے سے آزادی اور بادشاہی پائی۔ جب دن کا آغاز ہوا اور سورج مشرق سے برآمد ہوا تو بادشاہ برآمدے میں آ بیٹھا۔ راستے پر نظر لگی ہوئی تھی کہ پردۂ غیب سے کون آتا ہے؟ اتنے میں بادشاہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک صاحب کمال بزرگ دھوپ میں سائے کی طرح چلے آتے ہیں جب وہ بزرگ بادشاہ کے قریب پہنچے تو بادشاہ نے دیکھا کہ بزرگ کے سر سے لے کر پاؤں تک نور جھلک رہا ہے۔ بادشاہ خود بزرگ کی خدمت کو آگے بڑھا' بادشاہ اس بزرگ مہمان سے اس طرح ملا جس طرح شکر گلاب کی پتیوں میں پیوست ہو جاتی ہے۔ یوں سمجھیں جیسے دو جانیں ایک ہو رہی ہوتیں ہیں۔ ان کی مثال ایسی تھی کہ جیسے ایک پیاسا ہے اور دوسرا پانی' یا ایک مے پرست اور دوسرا شراب خور۔ بادشاہ نے اس بزرگ کو

دیکھ کر کہا کہ اے مردِ خدا! میرا اصل معشوق تو تو ہے' لیکن اس دنیا میں ایک کام دوسرے کام کے ذریعے سے ہی ہوتا ہے۔ سو عشق کا ذریعہ کنیز کا عشق ہوا۔ اے خدا کے نیک و پاک بندے! تو میرے حق میں مصطفیٰ کا درجہ رکھتا ہے' اب میں عمر بھر تیری اطاعت پر کمر بستہ رہوں گا۔

الغرض! بادشاہ باوجود شوکت وحشمت کے بالکل فقیرانہ خاکساری کے ساتھ اپنے مہمان کے سامنے گیا' کبھی بادشاہ کے بزرگ ہاتھوں کو چومتا' کبھی ان کی پیشانی کو بوسہ دیتا' کبھی وطن اور سفر کا راستہ دریافت کرتا' یوں ہی بزرگ سے باتیں پوچھتے پوچھتے اپنے ایوانِ شاہی میں لے گیا کہ میں نے بے قیاس دولت پائی' مگر بڑے صبر کے بعد' صبر تلخ تو ہوتا ہے برداشت کرنا سخت ہوتا ہے۔ مگر اس کا پھل بہت ہی میٹھا ہوتا ہے۔

مہمان کو کھانا کھلایا گیا اور سفر کی تھکاوٹ دور ہونے کے بعد حرم سرائے شاہی میں لے جا کر بیمار کو دکھایا گیا اور مریض کے مرض کا احوال سنایا' وہ خدا کے ولی مریض کے پاس بیٹھے چہرے کا رنگ' نبض وغیرہ دیکھ کر مرض کی علامتیں اور تمام ابتدائی اسباب و وجوہات دریافت کر کے کہا جو دوا ان حکیموں اور طبیبوں نے دی وہ سب غلط تھیں' اللہ کے ولی نے مریضہ کی صورت دیکھتے ہی اس کا مرض جان لیا کہ اسے دل کی بیماری ہے لیکن بادشاہ کو اس کی خبر نہ دی۔ دراصل مریضہ کی بیماری صفرا یا سودا کی زیادتی سے نہ تھی' ہر لکڑی اپنے دھویں سے پہچانی جاتی ہے' تو وہ بزرگ بھی جان گئے کہ مریضہ کا باقی جسم تندرست ہے' خرابی صرف دل کی ہے۔ بزرگ بادشاہ سے مخاطب ہوئے کہ اے بادشاہ! میں مریضہ سے اکیلے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں' اس لئے سب اپنے بیگانے یہاں سے باہر بھیج دیں' بادشاہ نے محل میں تنہائی کروا دی اور خود بھی باہر چلا گیا تا کہ وہ بزرگ اپنی منشا کے مطابق کنیز کا حال دریافت کر سکیں۔

جب سارا کمرہ خالی ہو گیا اور مریضہ اور طبیب کے علاوہ کمرے میں کوئی نہ رہا تو ان بزرگ نے آہستہ آہستہ سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ تمہارا شہر کون سا ہے؟ کیونکہ ہر شہر کا طریقہ علاج مختلف ہوتا ہے اور تمہارے قرابت دار کون کون سے ہیں؟ ان میں تمہارے زیادہ نزدیک اور عزیز کون ہے؟ اور ان سب میں سے زیادہ محبت کس کے ساتھ ہے؟ نبض پر ہاتھ رکھ کر زمانے کی تلخ و شیریں اور ترش داستانیں سننے لگے۔ مریضہ بھی حکیم کو کامل پا کر اپنا ہر راز بتانے لگی جہاں جہاں وہ فروخت ہوئی اور جن جن شہروں میں رہی سب حال صاف صاف بیان کیا' وہ بزرگ بہت توجہ کے ساتھ اس کی داستان سن رہے تھے اور پوری توجہ اس کی نبض پر تھی کہ کسی بات پر اور کسی ذکر پر اس کی نبض کی رفتار غیر معمولی ہوتی ہے۔

قصہ مختصر کنیز نے باری باری سارے شہروں اور سارے عزیزوں کو گنوایا وہ چہرے کے رنگ اور نبض میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی' کہانی آگے بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچی کہ کنیز نے ایک ایک شہر ایک ایک مکان کے واقعے اور حادثے سنائے مگر اس کے رنگ اور نبض میں کوئی غیر معمولی یا خلاف توقع تبدیلی نہ ہوئی' یہاں تک کہ رفتہ رفتہ شہر سمرقند کا ذکر زبان پر آیا اور اس ذکر کے ساتھ ہی اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا تالاب بہہ نکلا اور بیان کیا کہ ایک سوداگر مجھے اس شہر میں لایا اور ایک مالک کے ہاتھ جو سنار تھا' مجھے فروخت کیا۔ اس نے مجھے چھ ماہ اپنے پاس رکھا اور اس کے بعد مجھے فروخت کر دیا' جب وہ اس واقعہ کو بیان کر رہی تھی تو غم کی آگ دفعتاً تیز ہو گئی' اس کی نبض کی رفتار تیز ہو گئی اور چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا' اس پر ان بزرگ کو مریضہ کی بیماری کا علم ہوا اور بیماری کا سبب معلوم ہوا کہ مریضہ کی بیماری کیوں طول پکڑ گئی؟ بزرگ نے مریضہ سے دریافت کیا کہ زرگر کس محلے اور کس بازار میں رہتا ہے اس نے بتایا کہ وہ محلہ غاتفر میں پل کے پاس رہتا ہے' جب سب اتے پتے

پوچھ لئے تو ان بزرگ نے بہت دلاسا دیا کہ اب یقین کر تیری بیماری گئی چونکہ مجھے تیری بیماری کی وجہ معلوم ہوگئی ہے' اب ان شاء اللہ تعالیٰ تیرے علاج میں جادو کی کیفیت پیدا ہوگئی مگر تجھ پر ایک پابندی ضروری ہے اور وہ یہ کہ یہ بھید تو کسی سے بیان نہ کرنا' بادشاہ تجھ سے کتنا ہی کرید کرید کر پوچھے' تم اس پر کچھ ظاہر نہ کروگی۔

پھر وہ بزرگ مریضہ کے پاس سے اٹھ کر بادشاہ کے پاس آئے اور اپنی مصلحت و حکمت کے مطابق مریضہ کا کچھ حال سنا کر مطمئن کر دیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیے اور علاج شروع کرنے میں کیا دیر ہے؟ بزرگ نے جواب دیا کہ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ سمرقند سے ایک سنار کو بلایا جائے' اس کو انعام و اکرام کا لالچ دیا جائے' اس کے لئے اشرفیاں روانہ کی جائیں تاکہ وہ اس لالچ میں آکر تیرے دربار میں حاضر ہو جائے اور تیرا محبوب اس ملاقات سے ایسا خوش ہو کہ اس کی بیماری اور دکھ غم سب ختم ہو جائے گا اور جب سنار اتنا بہت کچھ یعنی اتنی دولت دیکھے تو لالچ میں آکر اپنے گھر بار سے جدا ہو کر یہیں آپڑے گا۔ بادشاہ نے اس ہدایت کو دل و جان سے قبول کیا اور عرض کیا کہ جو حکم آپ دیں گے' میں آپ کے اس حکم کی تعمیل کروں گا۔

پھر دو امیر اس سنار کی طرف روانہ کیے گئے جو بڑے سچے اور امانت دار تھے۔ دونوں کے دونوں سمرقند اس سنار کے پاس پہنچے اور اس سنار سے کہا کہ اے زرگر! تیرے لئے ایک خوشخبری ہے کہ بادشاہ نے تجھے اپنے محل میں یاد کیا ہے اور تیرے چرچے تو تمام دنیا میں ہو رہے ہیں۔ بادشاہ نے زیورات کی تیاری کیلئے تجھے امیر بنا دینے کا ارادہ کیا ہے' چنانچہ یہ خلعت اور دینار و درہم تیرے لئے بھیجے گئے ہیں اور جب تو دارالسلطنت میں حاضر ہوگا تو بادشاہ کا مصاحب خاص تو ہی رہے گا۔ زرگر نے جب اتنی دولت بیش بہا خلعت (وہ پوشاک جو بادشاہ یا امراء کی طرف سے بطور عزت افزائی کے آتے ہیں) دیکھا تو خوشی سے پھولے نہ سمایا' اپنے وطن' اپنے گھر بار اور

اپنے بال بچوں کو چھوڑ دینے کی ٹھان لی۔ خوشی خوشی سفر کرنے لگا اس بات سے بے خبر تھا کہ بادشاہ نے اس کی جان لینے کی ٹھان لی تھی۔ ایک عربی گھوڑے کو تیزی سے اپنی منزل کی جانب دوڑانے لگا اور اپنے خوں بہا کو خلعت سمجھا' جب وہ زرگر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا تو طبیب نے اس کو حضور شاہی میں بڑی خوشی اور کامیابی کے اظہار کے ساتھ بادشاہ کے سامنے لے گیا کہ اب اس کو شمع حسن پر جلایا جائے۔

بادشاہ نے زرگر کی بہت خدمت کی اور سونے کا ایک ڈھیر اس کی خدمت میں حاضر کیا اور حکم دیا کہ ہنسلی' جھانجن' کمر پٹا اور گھوڑوں کی زینت کے زیور اور وہ تمام برتن اور آرائشی ظروف جو بادشاہوں کے دربار کے محل کے لائق ہوں تیار کیئے جائیں۔ زرگر نے وہ تمام سونا لیا اور بالکل بے خبر اپنے کام میں مشغول ہو گیا' پھر اس ولی اللہ نے سلطان سے عرض کی کہ اے بادشاہ ذی جاہ! اس کنیز کو زرگر کے حوالے کر' تا کہ اس کی ملاقات سے آرام پائے' بادشاہ نے حسینہ کو زرگر کے حوالے کر دیا یہاں تک کہ دونوں کی خوب ملاقات ہوئی' چھ ماہ تک دونوں یک جان دو قالب رہے' جب کنیز کا دل بھر گیا تو حکیم نے زرگر کے واسطے ایک ایسا شربت تیار کیا جسے پی کر وہ دن بہ دن کمزور ہونے لگا' بیماری کی وجہ سے اس کا حسن و جمال پھیکا پڑنے لگا تو رفتہ رفتہ کنیز کا دل اس سے بالکل بھر گیا اور جب وہ بالکل بدشکل بدمزاج' اور ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تو بالکل ہی سرد ہو گیا۔

جیسے جیسے مرد زرگر پر بیماری کا حملہ بڑھتا گیا وہ سونے کی طرح پگھلا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ میں وہ مشکی ہرن ہوں کہ صیاد نے جس کی ناف سے سارا خون نکال ڈالا ہو مگر جس نے اپنی غرض کیلئے مجھے موت کے گھاٹ اتارا ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ میرا خون یوں ہی سوتا کا سوتا نہیں رہے گا' جو بلا آج مجھ پر نازل ہوئی ہے' کل اس پر بھی آئے گی۔ بھلا مجھ جیسے حسین و خوش رو جوان کا خون کیسے ضائع ہو سکتا ہے؟ یہ اس کے آخری

جملے تھے جو کہتے کہتے ٹھنڈا اور کنیز کو اس آفت سے نجات ملی کیونکہ قاعدہ ہے کہ مرنے والوں کے ساتھ عشق دیرپا نہیں، ہوتا' کیوں کہ مرنے والا پلٹ کر نہیں آتا مگر زندہ عشق نہ صرف جان میں بلکہ آنکھوں میں بھی پھول کی کلی کی طرح ہردم تازہ رہتا ہے۔

لہٰذا مجھے اس زندہ سے عشق کرنا چاہیے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور ایسا باقی ہے جو ہر آن تجھ کو شراب حیات پلاتا رہتا ہے۔ عشق اس کا اختیار کر جس کے عشق سے تمام انبیاء نے فروغ پایا اور یہ کہنا تو کوئی بات نہیں کہ اس بارگاہ تک ہماری پہنچ اور رسائی ممکن نہیں۔ بڑے سے بڑے کام بھی دریادلوں کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہیں۔

ولی اللہ کی تدبیر سے مرد زرگر کا مارا جانا نہ تو کسی خطاب کی توقع سے ہوا اور نہ عتاب کے خوف سے۔ بات یہ ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے اشارہ نہ ہوا انہوں نے صرف بادشاہ کی خاطر یہ کام نہیں کیا اور بادشاہ نے بھی ایک بندۂ خدا کا خون محض نفسانیت کیلئے نہیں کیا۔

وہ حکیم اغراض نفسانی سے بالکل پاک تھا اور جو کچھ اس نے کیا وہ نیکی پر مبنی تھا لیکن وہ نیکی بدی کے پردے میں پوشیدہ تھی' اگر کسی مسلمان کا خون بہانا اس کا مقصد ہو اور باوجودیکہ کے میں اس کی تعریف کروں تو میں کافر ہوں گا۔

ادھر وہ بادشاہ بھی معمولی بادشاہ نہ تھا' بلکہ خدا کا خاص بندہ تھا' تم اپنے احوال وافعال کے لحاظ سے خدا کے پاک بندوں کے احوال وافعال پر قیاس کرتے ہو مگر دراصل صحیح نتیجے سے تم بہت دور جا پڑے ہو' لہٰذا تم طریق انکار واعتراض میں جلدی نہ کرو۔ خدا کرے کہ تمہارا دل اور تمہارا نصیب یاوری کرے اور تم کوئی اچھی نصیحت حاصل کر پاؤ۔

﴿ایک قزوینی کا گوندا لگوانا اور سوئی کے کچوکوں کی تاب نہ لانا﴾

ایک روایت ہے کہ اہل قزوین میں رسم ہے کہ جسم کے مختلف حصے مثلاً بازو اور ہاتھ پر شیر اور چیتے وغیرہ کی تصویریں بنوا کر گوندا لگواتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک حجام کے پاس ایک قزوینی گیا کہ مجھے گوندا لگا اور منہ مانگی اجرت لے۔ حجام نے پوچھا کہ اے پہلوان!، گوندا کس شکل کا لگاؤں۔ اس نے جواب دیا کہ بہت ہی بھرے ہوئے شیر کا چونکہ میرا نصیب اور قسمت شیر کی طرح ہے' اس لئے نقش بھی شیر کا ہونا چاہیے اور بہت خوبصورت دکھائی دینا چاہیے' اس میں نیلا رنگ خوب گہرا بھر دیں۔ حجام نے قزوینی سے پوچھا کہ اچھا لیکن شیر کی تصویر کہاں بناؤں؟ قزوینی نے حجام سے کہا کہ شانے پر بنا' تاکہ جنگ کے میدان اور راگ رنگ کی محفل میں ایسے بھرے ہوئے شیر کی تصویر سے میری ہمت بڑھے اور ارادہ مزید پختہ ہو۔

جب حجام نے سوئی چبھونی شروع کی تو اس کے شانے میں درد ہونے لگا' پہلوان نے چیخ و پکار شروع کی کہ اے بھلے آدمی! تو نے مجھے بہت تکلیف دی ہے' اس درد نے تو مجھے مار ہی ڈالا' یہ تو کس طرح تصویر بنا رہا ہے؟ حجام نے کہا کہ آپ نے تو شیر کی تصویر بنانے کو کہا تھا نا! پہلوان نے جھلا کر جواب دیا آخر تو نے کس عضو سے ابتدا کی ہے؟ حجام نے کہا کہ میں نے شیر کی دم سے کام شروع کیا ہے۔ پہلوان نے حجام سے کہا کہ تو شیر کی دم چھوڑ دے۔ اس کی دم کی وجہ سے میرا سانس اندر کا اندر اور باہر کا باہر ہی رہ گیا۔ اے شیر بنانے والے! اگر شیر بغیر دم کے بھی ہوا تو کیا ہوا' کیونکہ نشتروں کے چبھنے سے میرا دل ڈوبا جاتا ہے۔

تب آخر حجام نے نقش کے دوسرے رخ کیلئے سوئی مارنی شروع کی۔ قزوینی نے پھر دہائی دی کہ یہ شیر کے جسم کا کون سا حصہ گوندر ہے ہو؟ حجام نے عرض کی کہ جناب اس کے کان پہلوان نے جواب دیا کہ اس کے کان نہیں ہونے چاہئیں' اس لئے تو کان گودنا چھوڑ دے۔ حجام نے نقش کے ایک تیسرے رخ سوئی کیلئے چبھونی شروع

کی۔قزوینی نے پھر دہائی دی کہ یہ شیر کے جسم کا کون سا حصہ ہے؟ حجام نے کہا کہ یہ پیٹ کا حصہ ہے۔ پہلوان نے کہا کہ مجھے شیر کے پیٹ کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ میں تو خود پیٹ کے درد سے مراجاتا ہوں' اگر شیر کے نقش میں سے پیٹ نکال بھی دیا جائے تو کیا حرج ہے؟

حجام نے جب یہ بات سنی تو مارے غصے کے اس کا چہرہ تمتمانے لگا اور بہت دیر تک انگلی دانتوں میں دبائے حیران رہا۔آخر زمین پر سوزن پھینک کر کہا کہ دنیا میں کسی کو بھی ایسے آدمی سے سابق پڑا ہے' بھلا بے دم اور بے سر اور بے پیٹ کا شیر کس نے دیکھا ہے؟ ایسا شیر تو خدا نے بھی پیدا نہیں کیا۔

﴿ایک یہودی وزیر کا مکروفریب سے نصرانیوں میں تفرقہ ڈلوانا﴾

ایک یہودی بادشاہ جو نہ صرف بہت ظالم تھا بلکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کا دشمن اور عیسائیوں کا قاتل بھی تھا' اگرچہ وہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا مگر وہ موسیٰ علیہ السلام کے نام پر دیوانہ تھا۔اس کے ناسمجھ بادشاہ نے خدا کی راہ میں بھی خدا کے دو پیاروں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا تھا۔وہ اپنی یہودیت کے تعصب میں بہت غلط اور دوسروں کے نقصان کے بارے میں سوچا کرتا تھا۔اس نے لاکھوں عیسائیوں کو چن چن کر اس قدر مظالم کر کے مارا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین بھی تھر تھر کانپنے لگا۔

ان مظالم سے عیسائی اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ ان سب نے طے کیا کہ وہ اپنے دین اور مذہب کو دوسروں سے تو کیا فرشتوں سے بھی چھپائیں اور اپنی اپنی جان بچائیں۔

اس بادشاہ کا ایک وزیر تھا وہ یہودی تھا' دین وایمان کا اسے کچھ پتہ نہ تھا وہ اپنے جھوٹ اور فریب سے پانی پر گرہ لگاتا تھا۔اس نے اپنے بادشاہ سے عرض کی کہ اے

بادشاہ! تو جو اس طریقے سے چھپے ہوئے عیسائیوں کی تلاش میں مصروف ہے تو اس طرح کامیابی حاصل کرنا مشکل ہے کیونکہ دین کوئی مشک وعود کی خوشبو تو ہے نہیں کہ الگ سے پہچانا جاسکے' اس لئے تیرا یہ طریقہ کار پوری عیسائی قوم کو تباہ کرنے کے لئے زیادہ فائدہ مند نہیں ہے' اس قوم کا دین سو غلافوں میں چھپ گیا ہے' اس طرح اس قوم کو ڈھونڈنا آسان نہیں' یہ اب ظاہر میں تیری دوستی' تجھ سے محبت اور تیرے ساتھ ہونے کا دعویٰ کریں گے مگر باطن میں بالکل مخالف ہوں گے اور اندر سے نفرت کریں گے۔

بادشاہ نے اس یہودی وزیر سے کہا کہ پھر تو ہی بتا کہ ایسی کیا تدبیر کی جائے کہ دنیا بھر میں نصرانیوں کا نام ونشان ختم ہو جائے اور خفیہ طور پر بھی عیسائیت کا کوئی بھی پیروکار باقی نہ رہے۔ اس یہودی وزیر نے بادشاہ سے کہا کہ اے بادشاہ! میرے کان اور دونوں ہاتھ کٹوا دے اور ناک اور ہونٹوں کو چروا کر مجھے پھانسی دینے کی سزا تجویز کر جب مجھ کو سولی کے نیچے لایا جائے تو ایک شخص جو تیرا مقرر کردہ اور تیرا چنا ہوا آدمی ہو' وہ میرے رحم کی اپیل تیرے حضور میں پیش کرے اور یہ سب کام کسی ایسی جگہ ہوں جو بہت کھلی ہو یعنی ایسا چوراہا ہو جہاں پر یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح ہر سمت پھیل جائے۔ پھر اے بادشاہ! تو مجھے جان کی امان دینا اور جان بخشی کرنے کے بعد مجھے دیس نکالا دے دینا اور دور کہیں جنگل میں پھینکوا دینا' پھر دیکھنا کہ میں کیسے ان نصرانیوں میں تفرقہ' فساد اور لڑائی ڈلواتا ہوں؟

جنگل میں جب مجھے پھینکا جائے گا تو میں چیخ چیخ کر کہوں گا اے دلوں کے بھید جاننے والے رب! تو واقف ہے کہ میں عیسائی زادہ ہوں۔ ظالم بادشاہ کو اس کی خبر ہوگئی اور وہ تعصب کی وجہ سے میرے پیچھے پڑ گیا' میں نے بڑی کوشش کی کہ اسے کسی طرح سے یہ پتہ نہ لگے کہ میں عیسائی ہوں مگر بادشاہ یہ راز جان ہی گیا کہ میں یہودی

نہیں بلکہ عیسائی ہوں۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح میری پشت پناہی نہ کرتی تو وہ بادشاہ یہودیت کے نشے میں مجھے چاک کر دیتا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے چاہے میری جان چلی جائے یا میرا سر اڑ جائے' مجھے کچھ بھی پرواہ نہیں بلکہ میں تو شکر گزار ہوں گا کہ میری محنت رنگ لائی لیکن چونکہ میں عیسائی ہوں اور علم انجیل میں کامل ہوں' اس لئے مجھے یہ خطرہ ضرور ہے کہ کہیں یہ دینِ پاک جاہلوں کے ہاتھوں برباد نہ ہو جائے' میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے ہمیں اس دین کا رہنما بنایا اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ نصرانی قوم کو ہماری رہنمائی میں ہدایت عطا فرمائے گا۔

پھر جب نصرانی قوم دین کی باتوں اور ہدایتوں پر میرے کہنے کے مطابق عمل کرنا شروع کرے گی تو اے بادشاہ! تو دیکھنا میں ان سب کے درمیان ایسے فتنے وفساد پیدا کروں گا کہ میری اس چالاکی اور تیزی پر شیطان بھی حیران و پریشان ہو جائے گا اور ایسے ایسے بہانوں اور حیلوں سے ان کو اپنے فریب کے دام میں پھنساؤں گا کہ وہ سب کے سب آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لڑ لڑ کر اور خون خرابا کر کے ایک دوسرے کو ختم کر ڈالیں گے۔

جب وزیر نے اپنی مکاری کی ساری ترکیب اور داستان بادشاہ کو سنا ڈالی تو بادشاہ نے اس کی ترکیب کی تائید کی اور اس کو بھرے مجمع میں بہت بے عزت کیا تاکہ سلطنت کی تمام رعایا کو اس کے بارے میں علم ہو جائے اور پھر نصرانیوں کی تباہی و بربادی کیلئے ان کی آبادی کی طرف پھینکوا دیا تاکہ وہ یہودی وزیر ان کو اپنے مکر کے جال میں پھنسا سکے۔

عیسائیوں نے جب اس کو اتنے برے حال میں دیکھا تو وہ اس کو مصیبت زدہ سمجھ کر اس پر ترس کھانے لگے' اس طرح آہستہ آہستہ اس وزیر کے پاس ہزارہا عیسائی آنے لگے' وہ ان پر انجیل اور عقائد وعبادات کے حقائق کھولنے لگا اور حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کے اقوال و افعال کا وعظ کرنے لگا۔ وہ یہودی وزیر بظاہر یعنی دکھاوے کیلئے وعظ کرتا تھا مگر اندر سے یہ وہ سیٹی بجاتا تھا جو پرندوں کو اپنے پاس چھپ کر بلانے اور پکڑنے کیلئے بجائی جاتی ہے۔

الغرض! اس کے اس اقدام سے ساری قوم اس کی دلدادہ ہوگئی' اس پر جاں نثار کرنے لگی اور ان کے دلوں میں اس کی عزت و محبت کی قدر بہت زیادہ ہوگئی۔ وہ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نائب سمجھنے لگے' وہ سب کے سب اس کے جال میں پھنس گئے' وہ کافر وزیر عیسائیوں کا دینی پیشوا بن گیا اور حلوے میں لہسن کا پٹ دینے لگا جو لوگ اہل ذوق تھے زیادہ سمجھ بوجھ رکھتے تھے اور اس کی باتوں کی لذت میں تھوڑی کڑواہٹ محسوس کرتے تھے کیونکہ وہ بعض مطالب اس طرح بیان کرتا تھا جیسے گل قند میں زہر بھرا ہوتا ہے۔ ایسی نیک بات کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیے جس کے پیچھے سو برائیاں موجود ہوں اور جو لوگ صاحب اور ذوق صاحب علم نہ تھے۔ انہوں نے اس وزیر کی باتوں کو گلے کا ہار بنالیا۔ یہاں تک کہ وہ بادشاہ سے چھ سال تک الگ رہا اور اس عرصے میں وہ تمام عیسائیوں کا دینی پیشوا اور رہنما بن گیا۔ دنیا اور دین کی اصلاح کی ساری ذمہ داری لوگوں نے اس پر ڈال دی اور اس کی ہاں اور ناں پر جان دینے لگے باوجود اس کے بادشاہ کے ساتھ پیغامات جاری تھے اور بادشاہ اپنے وزیر کی ساری کارروائیوں سے پوری طرح مطمئن تھا۔

آخر کار بادشاہ نے اپنے دل کی آرزو پوری کرنے کیلئے وزیر کو خط لکھا کہ اے محسن یہود! تیرے کام کا وقت آن پہنچا ہے' اب تو بہت جلد مجھے خوشخبری سنا کہ میں تن من دھن سے تیری طرف سے اس خوشخبری کا منتظر ہوں۔ مجھے جلد از جلد ان عیسائیوں سے نجات دلا۔ وزیر نے جواب دیا کہ اے بادشاہ! میں بھی اسی جوڑ توڑ میں ہوں کہ دین عیسوی میں عیسائیوں کا آپس میں فتنہ و فساد پیدا ہو جائے۔

اس نصرانی قوم میں بارہ امیر بڑے زبردست تھے۔ جو اپنے قبیلوں پر حکومت کرتے تھے اور کوئی آدمی اپنے امیر قبیلہ کے حکم سے انکار کی جرأت نہ کرسکتا تھا اور یہ بارہ کے بارہ امیر اس یہودی وزیر کے جال میں پھنس چکے تھے۔ اس کے غلام بن گئے تھے' سب کے سب اس کے احکامات پر عمل کرتے تھے اور اس کے ایک اشارے پر اپنی جان قربان کرنے کیلئے تیار تھے۔

اب اس یہودی وزیر نے یہ چالاکی کی کہ ہر امیر کے نام ایک ایک وصیت نامہ اس اہتمام سے لکھا کہ ہر ایک میں عبادت کا طریقہ مختلف تھا اور دین کے مصارف نہ صرف یہ کہ دوسرے سے مختلف تھے بلکہ بالکل الٹ تھے۔ کسی میں ریاضت کرنے اور بھوکے رہنے کی ہدایت کی تھی تو کسی کیلئے توبہ وانابت کی شرط تھی' تو کسی میں لکھا تھا کہ ریاضت بیکار ہے۔ اس راہ میں جود وسخاوت کے بغیر نجات نہیں ملتی۔ کسی میں لکھا کہ تیری بھوک اور پیاس اور تیری سخاوت یہ سب شرک ہے۔ سوائے توکل وتسلیم کے باقی سب مکر کے پھندے ہیں۔ کسی میں لکھا کہ آدمی پر خدمت خلق واجب ہے اور توکل کا خیال محض صرف فریب ہے۔

کسی میں لکھا کہ جو دین میں امر ونہی کے احکامات ہیں اس لئے نہیں کہ ان پر عمل کیا جائے۔ اس لئے ہمارا یہ عجز ہم پر ثابت ہو کر ہم ان کی پوری کی پوری تعمیل نہیں کر سکتے اور اس طرح ہم پر خدا کی قدرت اور ہیبت طاری ہو۔

کسی میں لکھ دیا کہ اپنا عجز مت دیکھ' اپنا عجز دیکھنا تو خدا کی دی ہوئی نعمت سے انکار کرنا ہے بلکہ اپنی خدمت واختیار کو اسی کی دی ہوئی نعمت اور عین حق سمجھ۔ کسی میں لکھا کہ قدرت ونعمت ان دونوں پر توجہ نہ کر سوائے خدا کے جو کچھ آدمی کے پیش نظر ہو وہ بت ہے۔

کسی میں لکھا کہ یہ عجز اور قدرت اور جہاں تک تیری فکر پہنچے ان سب سے نظر پھیر

کیوں کہ ہر دین والے اپنے اپنے نفس کی رہنمائی میں چل کر ٹھوکریں کھاتے رہے۔

کسی میں لکھا کہ یہ غور و فکر جو مشاہدۂ حق کیلئے تو کرتا ہے' یہ شمع راہ ہے' اس کو کبھی بجھنے نہ دے۔ اگر تو مراقبے و مشاہدے کو ترک کر دے گا تو تیری شمع وصال آدھی رات کو تیرے ہی ہاتھوں گل ہو جائے گی۔

کسی میں لکھا تھا کہ اس مراقبے و مشاہدے کی شمع کو بجھا دے کوئی خوف نہ کرتا کہ آخرت میں ایک کا بدلہ ایک لاکھ پائے۔ کسی میں لکھا کہ جو کچھ خدا نے تجھے عطا کیا اور تجھ پر آسان کر دیا اس کو خوشی خوشی لے اور اپنے آپ کو امتحان میں مت ڈال۔

کسی میں لکھا کہ یہ سارا عالم ایک ہی ہے جو شخص خدا اور بندے کو الگ الگ دیکھتا ہے وہ بھینگا ہے' کسی میں لکھا کہ یہ کثرت ایک کیونکر ہو سکتی ہے۔ ایسا گمان کرنے والا سوائے مجنون کے اور کون ہو سکتا ہے؟

غرض! اس یہودی وزیر اور دینِ عیسوی کے دشمن نے اس طرح کے ایک دوسرے کی ضد والے بارہ وصیت نامے اس دین کے متعلق لکھے' اس نے عیسیٰ علیہ السلام کی یک رنگی کی بو بھی نہ سونگھی تھی' مگر اس تیاری کے بعد اب انتہائی مکر کے ساتھ اس نے یہ کھیل کھیلا کہ وعظ و نصیحت چھوڑ کر تنہائی میں جا بیٹھا۔ چالیس پچاس دن تک جو چلہ کیا تو مریدوں میں عالم اضطراب پھیل گیا۔ تمام مخلوق اس کے حال' قال' ذوق عرفان اور اسکے دیدار کے شوق میں دیوانی ہو گئی۔ بہتیری منت سماجت کی لوگ روئے پیٹے' مگر وہ شدت ریاضت سے دہرا ہو گیا اور اندر ہی اندر سے جواب دیا کہ میری جان اپنے چاہنے والوں سے دور تو نہیں لیکن باہر آنے کا دستور نہیں' تمام امیر مخلوق کی سفارش کیلئے جمع ہوئے اور مریدوں نے آہ و زاری شروع کی۔

وزیر نے جواب دیا کہ اے سخن پرست مسخرو! صرف زبان سے کان تک وعظ و پند کو قبول کرنے والو! ان ظاہری کانوں میں روئی کی ڈاٹیں ٹھونسو اور آنکھوں پر سے

ظاہر کے ٹانکے توڑ دو۔ یہ ظاہری کان باطنی کانوں کی ڈاٹیں ہیں۔ جب تک ظاہری کان بہرے نہ ہوں باطنی کان نہیں کھلتے' لہٰذا بالکل بے حس' بے گوش اور بے سمجھ ہو جاؤ تا کہ خدا کے خطاب ''اِرْجِعِیْ'' سن سکو۔ اگر مجھے مانتے ہو تو میں اپنا آخری پیغام تم تک پہنچا دوں گا لیکن اگر میرے کمال میں کچھ شبہ ہے تو خود کیوں زحمت اٹھاتے ہو مجھے کیوں تکلیف پہنچاتے ہو؟ میں اس تنہائی سے ہرگز باہر نہ نکلوں گا کیونکہ میں مراقبے ومشاہدے میں مشغول ہوں۔

سب نے عرض کیا کہ اے وزیر! ہم کو تیرے حکم سے کوئی انکار نہیں ہے اور ہمارا کہنا غیرت کے ساتھ نہیں بلکہ ہماری حالت پر ہے' کہ تیرے فراق میں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور روح کی گہرائیوں سے آہ کے دھویں بلند ہو رہے ہیں۔ بچہ اپنی ماں یا آیا کی گود میں برائی اور بھلائی جانے بغیر بھی روتا ہے تو یہ اس کا رونا شکوہ شکایت کی بناء پر نہیں ہوتا۔

وزیر نے اندر ہی اندر سے پکار کر کہا کہ اے میرے مریدو! تم کو معلوم ہو کہ مجھ کو عیسیٰ علیہ السلام نے یہ حکم دیا ہے کہ اپنے سب مریدوں اور خواہوں سے الگ ہو جاؤں' دیوار کی طرف رخ کر کے تنہا بیٹھا کروں اور اپنے وجود سے بھی جدائی اختیار کروں' بس اس سے زیادہ کہنے کی اجازت نہیں اور مجھے گفتگو سے کام نہیں۔ اے دوستو! میں مر چکا ہوں' خدا حافظ میں چوتھے آسمان پر پہنچ چکا ہوں تا کہ آسمان آتشیں کے نیچے سوکھی لکڑی کی طرح نہ سلگوں۔ بس اب میرا منشا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چوتھے آسمان پر حاضر ہوں۔

اس کے بعد اس نے ہر امیر کو علیحدہ علیحدہ بلا کر تنہائی میں اس کے ساتھ بات چیت کی اور ہر ایک سے یہی کہا کہ دین عیسوی کا سچا پیرو اور امیر وخلیفہ تو ہی ہے' باقی سب امیر تیرے پیرو رہیں گے' عیسیٰ علیہ السلام مسیح کا حکم یہی ہے لہٰذا جو امیر تجھ سے سرتابی

کرے اس کو گرفتار کر یا مار ڈال' یا قید کر دے لیکن جب تک میں مر نہ جاؤں' یہ راز کسی پر ظاہر نہ کر' اسی طرح ہر امیر کو اس نے تنہائی میں وصیت کی کہ دین خدا میں میرا نائب تیرے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے اور ہر ایک سے راز داری کا وعدہ لیا اور خلافت دے کر ایک ایک کو وصیت نامہ دیا سب وصیت نامے حروف تہجی کی طرح ایک دوسرے سے مختلف اور آپس میں متضاد تھے۔

اس کام سے فارغ ہو کر دوسرے دن سے دروازہ بند کر کے پھر چلے میں بیٹھ گیا اور اسی مدت میں اپنے آپ کو ہلاک کر لیا۔ جب مخلوق کو اس کی موت سے آگاہی ہوئی تو اس کی قبر پر قیامت برپا ہوگئی۔ اس کے درد فراق میں کیا امیر' کیا غریب سب بیقرار ہو کر ماتم کرتے رہے۔ آخر ایک ماہ کے بعد سب مرید جمع ہوئے اور امیروں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ اس کی گدی پر بیٹھنے کا اہل کون ہے؟ تا کہ ہم اس کو اپنا پیشوا بنائیں اور اس کی شفاعت و امداد کا دامن تھامیں۔

اب ایک امیر قوم کے سامنے آیا اور دعویٰ کیا کہ اس وزیر کا اور خود عیسیٰ علیہ السلام کا نائب میں ہوں' دیکھو! یہ وصیت نامہ میرے دعوے کا شاہد ہے کہ یہ نیابت میرا ہی حق ہے' اس کے بعد دوسرا امیر مقابلے پر آیا اور اس نے بغل سے ایک وصیت نامہ نکالا اور خلافت کا دعویٰ کیا۔ یہاں تک کہ دونوں میں غصہ اور ضد پیدا ہوگئی' اسی طرح بارہ کے بارہ امیروں نے اپنی اپنی ٹکڑیاں الگ کر کے تلواریں سونت لیں اور ہر امیر ایک ہاتھ میں تیغ اور دوسرے ہاتھ میں وصیت نامہ لئے میدان جنگ میں اترا' اور مست ہاتھی کی طرح ایک دوسرے کے مقابل ہو گیا۔ ہر قبیلے نے اپنے اپنے امیر کا ساتھ دیا اور ان میں سخت جنگ ٹھن گئی۔ لاکھوں نصرانی اس جنگ میں مارے گئے' یہاں تک کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے' مگر اس سے بھی بڑھ کر آفت یہ آئی کہ ان کے عقیدوں میں ہمیشہ کیلئے سخت اختلاف پیدا ہو گیا' وہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور اس

۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر بھی نہ چھوڑا تو ان کے دین کی کوئی حیثیت و طاقت باقی رہی؟ صرف وہ یہودی جس نے تورات میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیشین گوئی کو سمجھا اور مبارک نام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تفسیر کی اس نام کی پناہ میں آ گیا اور دین عیسوی کے سب احکام منسوخ اور ختم ہو کر ایک معمہ بن کر رہ گئے اور تمام مذہبوں کی نظروں سے گر گئے۔

”ایک بوڑھے چنگی کا گورستان میں خدا کے واسطے چنگ بجانا“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک مطرب چنگ بجانے والا بڑا باکمال گزرا ہے۔ جن بھی اس کی آواز سے مست ہو جاتے تھے۔ اس کی دلکش آواز کی ایک منٹ میں سے سو آوازیں نکلتی تھیں، وہ اس قدر خوبصورت گاتا تھا کہ لوگ سب کچھ بھول کر اس کی آواز میں گم ہو جاتے تھے اس کی درد ناک آواز قیامت پیدا کرتی تھی۔ اسی طرح وقت گزرتا گیا اور وہ بوڑھا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کی تن میں جان نہ رہی، اس کے نغمے میں مچھروں کی بھنبھناہٹ پیدا ہو گئی۔ اس کی کمر جھک گئی اور بھنویں آنکھوں پر لٹک گئیں اس کی سریلی مدھ بھری آواز بالکل بے سری بھدی اور دل خراش ہو گئی۔ وہ دردانگیز الاپ اور انداز جس پر ایک دنیا رشک کرتی تھی بوڑھے گدھے کی آواز جیسا ہو گیا اور کوئی بھی اس کی قدر کرنے والا نہ رہا اور آہستہ آہستہ وہ بہت غریب اور روٹی کپڑے کا محتاج ہو گیا۔ اسی حالت اور پریشانی میں اس نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ

اے میرے پاک پروردگار تو نے مجھ جیسے ذلیل بندے پر بڑی کرم نوازی کی۔ لمبی عمر عطا کی اور مجھے اپنی عادات کو درست کرنے کی مہلت بھی دی۔ میں نے ایک لمبی مدت ستر سال تک گناہ کیے لیکن تیری بخشش کے دروازے مجھ پر کبھی بند نہ ہوئے

آج میرے پاس کمائی میں کچھ نہیں ہے' آج میں تیرا مہمان ہوں چونکہ میں اب صرف تیرا ہوں' اس لئے اب چنگ بھی تیرے لئے ہی بجاؤں گا' یہ کہہ کر اس بوڑھے چنگی نے چنگ لیا اور خدا کی تلاش میں روتا ہوا مدینے کے قبرستان میں پہنچ گیا کہ آج میں صلے کا طالب صرف اپنے پاک پروردگار سے ہوں۔ جو اپنے گناہ گار سے گناہ گار بندے کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اسے معاف کر دیتا ہے اور اپنے حسان و کرم سے کھوٹے سکے قبول کر لیتا ہے۔ چنگ دل بھر کر بجایا اور روتے روتے قبر پر سر جھکا کر پڑ گیا' اسی حالت میں اس کی آنکھ لگ گئی اور دنیا کے غموں اور بدن کی تکالیف سے آزاد ایک نامحدود جہان اور صحرائے جان میں پھرنے لگا۔

اسی دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ایک دم ایک ایسی نیند غالب کی کہ وہ بھی حیران رہ گئے کہ میری تو یہ عادت نہیں ہے' یہ غیبی واقعہ ہے اور ضرور اس میں کوئی راز پوشیدہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تکیے پر سر رکھ کر سو گئے۔ خواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی۔ جس کو ان کی جان نے سنا کہ اے عمر! رضی اللہ عنہ ہمارے ایک بندے کی حالت یا ضرورت روا کر کے اس کا صلہ ادا کر' ہمارا ایک خاص اور معزز بندہ ہے' اے عمر! رضی اللہ عنہ تو ذرا قبرستان تک تکلیف کر جا اور بیت المال سے اس کے لئے سات سو دینار لے جا اور اس کے پاس جا کر کہہ کہ اے ہمارے دست گرفتہ! اس وقت تو یہ لے لے اور اس کو خرچ کر جب یہ ختم ہو جائیں تو پھر یہیں آ جانا۔

آواز کی ہیبت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھل گئی' فوراً تعمیل پر کمر باندھی اور قبرستان کا رخ کیا۔ بغل میں ہمیانی دبائے ڈھونڈنے لگے۔ قبرستان میں کئی چکر لگائے لیکن سوائے ایک بوڑھے آدمی کے کوئی نظر نہ آیا۔ ہر دفعہ اس بوڑھے پر خیال جاتا مگر پھر اپنے دل میں کہتے کہ نہیں یہ نہ ہوگا' دل میں سوچا کہ خدا نے تو یہ فرمایا کہ ہمارا خاص بندہ ہے' بہت ہی پاک' لائق اور خوش نصیب ہے۔ بھلا چنگی بوڑھا خاصہ خاصان خدا

کیوں کر ہوسکتا ہے؟ دوبارہ پھر قبرستان کے گرد چکر لگایا جیسے شکاری شیر جنگل کے اطراف گھوما کرتا ہے۔ جب یقین ہو گیا کہ ہو نہ ہو یہ وہ بوڑھا ہے تو کہا بے شک تاریکی میں بھی بہت سے روشن دل ہوتے ہیں۔ قریب آئے اور باادب وہاں بیٹھ گئے۔

اچانک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھینک آئی اور اس بوڑھے کی آنکھ کھل گئی' وہ حضرت کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور چاہا کہ چلا جائے مگر خوف سے پاؤں کانپنے لگے' اپنے جی میں کہنے لگا کہ اے خدا! کہ میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں اور حساب کرنے والا بوڑھے چنگی کے سر پر آ پہنچا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے چنگی سے کہا کہ مت ڈریئے اور مجھ سے مت بھاگیے' مجھے خدا تعالیٰ نے تمہاری طرف بھیجا ہے اور میں تیرے لئے بہت سی خوش خبریاں لایا ہوں۔ خداوند تعالیٰ نے تیری تعریف کی کہ عمر رضی اللہ عنہ کو تیرا گرویدہ کر ڈالا ہے۔

اے بوڑھے چنگی! خدا نے تجھے سلام کہا ہے اور پوچھا ہے کہ اب تیرا کیا حال؟۔ یہ چند سکے میں جو تیرا اصلہ ہیں' انہیں خرچ کر اور جب یہ ختم ہو جائیں تو پھر یہیں آ جانا' جب بوڑھے نے یہ سنا تو اس کی حالت خراب ہو گئی' وہ اپنے آپ کو کاٹنے اور پیچ و تاب کھانے لگا اور بے اختیار چلا کر کہنے لگا' کہ اے بے مثل و بے نظیر خدا! یہ بے وسیلہ بوڑھا مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا ہے' جب روتے روتے بے حال ہو گیا تو اپنی چنگ زور سے زمین پر مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالی اور کہا کہ اے (چنگ) تو ہی خدا اور میرے درمیان حجاب رہا ہے اور تو نے ہی سیدھے راستے سے مجھے پھیرا ہے۔

اے خطاؤں کو معاف کرنے والے اور غلطیوں کو چھپانے اور راز میں رکھنے والے پاک پروردگار! میرے گناہوں کو معاف کر اور میری پچھلی زندگی کے گناہوں کو بھی' وہ بوڑھا اسی طرح روتے روتے اپنا گناہ دہراتا اور معافی مانگتا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے چنگی کو کہا کہ تیری بے ہوشی بھی تیری ہوشیاری کی علامت ہے۔

پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس پر توجہ دی کہ پچھلی زندگی کے دکھوں اور توبہ سے نکل کر معرفت میں گم ہو گویا ایک جان گئی اور دوسری زندگی کا آغاز ہوا۔

ایک شخص کا نماز باجماعت کے نہ ملنے پر حسرت کرنا

ایک شخص مسجد میں داخل ہو رہا تھا' دیکھا کہ لوگ باہر چلے آرہے ہیں اس نے پوچھا کہ کیا جماعت ہو چکی ہے؟ جو لوگ مسجد سے باہر آرہے ہیں۔ایک نے کہا کہ حضرت پیغمبر خدا ﷺ جماعت سے نماز ادا فرما چکے ہیں۔ارے بے وقوف! تو کہاں چلا؟ نماز تو ادا ہو چکی ہے'اس نے جو ہائے کی تو دھواں باہر نکلنے لگا۔اس کی آہ سے خون دل کی بو آنے لگی' یہ دیکھ کر کسی نمازی نے کہا کہ اے نماز کھونے والے! اپنی یہ آہ تو مجھے بخش دے۔ میں نے اپنی نماز تجھے بخشی۔اس نے کہا کہ آہ میں نے دی اور نماز قبول کی۔اس شخص نے وہ آہ بڑے اعزاز سے لے لی اور بڑی فروتنی ورقت کے ساتھ اپنے گھر واپس ہوا۔وہ باز تھا جسے تلاش نے شہباز بنا دیا۔رات کو خواب میں غیب سے آواز آئی کہ تو نے آب حیوان خرید لیا۔تیری اس خرید و بدل کے اعزاز میں ساری مخلوقات کی نماز مقبول ہو گئی۔

کنعان کا نوح علیہ السلام کے بلانے کو نہ ماننا

جب تک کہ روح تیرے لئے خود نہ بول اٹھے تو زبان کو مت ہلا۔نوح علیہ السلام کی کشتی میں بیٹھ اور اپنا تیرنا چھوڑ' جیسے کہاوت ہے کہ کنعان جو بہت بڑا تیراک تھا کہنے لگا کہ نوح علیہ السلام ہمارا دشمن ہے۔ہمیں اس کی کشتی نہیں چاہیے' حضرت نوح علیہ السلام نے کنعان کو بہت کہا کہ آجاؤ' ہماری کشتی میں سوار ہو جاؤ' تا کہ طوفان میں غرق ہونے سے بچ جاؤ مگر کنعان نہ مانا اور کہا کہ مجھے تیرنا آتا ہے۔میری شمع میرے پاس ہے' مجھے تیری شمع کی کیا پرواہ؟ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے کنعان!

ایسا نہ کر یہ طوفان بہت زبردست بلا ہے' تیری ساری تیرا کی رہ جائے گی۔ ہاتھ پیر شل ہو جائیں گے۔ ہوا کے جھکڑ تیری سب شمعوں کو بجھادیں گے اور سوائے حق کی شمع کے کوئی اور شمع روشن نہ رہ سکے گی۔ کنعان نے کہا میں اونچے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ پہاڑ تو ہر طغیانی سے محفوظ ہے۔

نوح علیہ السلام نے کہا کہ خبردار! ایسا نہ کرنا کیونکہ یہ پہاڑ اس طوفان کے سامنے گھاس کے ایک تنکے کے برابر ہے اور خدا تعالیٰ سوائے اپنے دوستوں کے کسی اور کو پناہ نہ دے گا۔ کنعان نے جواب دیا کہ میں نے آج تک کب تیری بات مانی ہے جو آج تیری بات مانوں گا؟ مجھے تیری بات پسند نہیں آئی۔ میں دونوں جہان میں تجھ سے الگ ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے فرزند! اس وقت ضدی مت بن' یہ موقع اڑی کرنے کا نہیں ہے' کیوں کہ خدا کا نہ کوئی رشتے دار ہے' نہ کوئی برابری کرنے والا ہے۔ جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا' مگر یہ وقت بہت نازک ہے' اس بارگاہ میں جو بھی جھک گیا اس کی معافی قبول ہوئی۔

الغرض! حضرت نوح علیہ السلام اس طرح کی نصیحتیں کرتے رہے اور کنعان کو بلاتے رہے اور سخت جواب سنتے رہے' نہ باپ نصیحت سے باز آیا' نہ اس بدبخت نے باپ کی بات مانی' یہ دونوں ابھی باتوں میں ہی لگے تھے کہ تیز موج آئی اور سوکھے پتے کی طرح کنعان کو بہا کر ریزہ ریزہ کر دیا۔ نوح علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی' اے رحیم و کریم بادشاہ! میرا گدھا مر گیا اور تیری موج میری کملی کو بہا لے گئی تو نے مجھ سے بارہا وعدہ کیا کہ میرے لوگ طوفان سے بچے رہیں گے۔ ارشادِ خداوندی ہوا کہ وہ تیرے لوگوں میں سے نہ تھا۔ تجھے خود سیاہ اور سفید میں تمیز نہیں رہی۔ جب تیرے دانت میں کیڑا لگ جائے تو تو اس دانت سے ہاتھ دھو اور اس کو نکلوا دے۔ اگرچہ وہ دانت تیرا ہی تھا مگر تو اس سے بیزار ہو جاتا کہ تیرا باقی جسم اس دانت سے درد

مند نہ ہو جائے۔

نوح علیہ السلام نے عرض کی کہ میں تیری ذات کے سوا غیر سے بیزار ہوں اور وہ کون غیر ہے جو تجھ سے ہارا نہ ہو تو خود جانتا ہے کہ تیرے ساتھ میرا کیا حال ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ اے نوح علیہ السلام! اگر تو سب کو دوبارہ پیدا کرانا چاہتے ہو تو میں ابھی زمین سے اٹھا دوں گا' ایک کنعان کیلئے میں تیرا دل نہیں توڑوں گا' لیکن اسکے احوال سے تجھے آگاہ کرتا ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی کہ نہیں نہیں' اگر تجھے منظور ہو تو مجھے غرق کر دے' میں راضی ہوں اگر تو مجھے مارے گا تو وہ موت ہی میری جان ہو جائے گی اور میں تیرے سوا کسی کو نہیں دیکھوں گا۔

خدا کی صفت کا دل دادہ صاحب عزت ہوتا ہے مگر جو بنی ہوئی چیز پر فریفتہ ہو وہ کفر کی ذلت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

﴿تپتے بیابان میں ایک شیخ کا نماز پڑھنا اور اہل کارواں کا حیران رہ جانا﴾

ایک چٹیل میدان میں ایک زاہد خدا کی عبادت میں مصروف تھا۔ مختلف شہروں سے حاجیوں کا جو قافلہ وہاں پہنچا تو ان سب کی نظریں اس زاہد پر پڑیں جو عبادت میں مشغول تھا۔ ان سب نے دیکھا کہ میدان خشک پڑا تھا اور وہ زاہد اس ریت پر جس پر دیگ کا پانی بھی ابلنے لگے' اس پر نماز کی نیت باندھے ایسے کھڑا تھا جیسے کوئی پھلواری یا ہری بھری وادی میں پہنچ کر مست ہو جاتا ہے۔ وہ نماز میں اپنے پیارے پروردگار سے راز کی باتیں کرتا ہوا گہری فکر میں کھڑا تھا۔ حاجیوں کی جماعت بڑے ادب کے ساتھ فقیر کے نماز سے فارغ ہونے تک کھڑی رہی۔ جب وہ فقیر اپنی گہرائیوں میں ڈوب کر ابھرا تو لوگوں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ اور چہرے سے پانی ٹپک رہا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے کپڑے وضو سے بھیگ گئے ہیں۔ حاجیوں نے پوچھا کہ یہ

پانی کہاں سے آیا؟ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا کہ یہ سب اوپر سے ہے۔ حاجیوں نے پوچھا کہ آیا یہ پانی جب تم چاہتے ہو تب مل جاتا ہے یا کبھی دعا قبول ہو جاتی ہے اور کبھی رد ہو جاتی ہے۔ اے سلطان دین! ہماری مشکل کو حل کر تا کہ تیرے حال سے ہمارا یقین بڑھے اور ہم جو اسباب کی پوجا کرتے ہیں' اس بت پرستی سے نجات پائیں۔ زاہد نے آسمان کی طرف آنکھیں اٹھائیں اور کہا کہ اے باری تعالیٰ! ان حاجیوں کی دعا کو قبول کر چونکہ تو نے بلندی سے دروازہ مجھ پر کھولا ہے' اس لئے بلندی ہی سے اپنا رزق طلب کرنے کا عادی ہو گیا ہوں۔

زاہد ابھی مناجات کر ہی رہا تھا کہ لوگوں نے کیا دیکھا کہ ایک بادل کا ٹکڑا پانی ڈھونے والے ہاتھی کی طرح سروں پر چھا گیا اور پانی مشکوں اور پکھالوں پر برسنے لگا' بادل تو مشکوں پر برس رہا تھا اور پیاسے حاجی اپنی اپنی مشکیں بھر رہے تھے۔ ایسے بیابان اور صحرا میں اس طرح بارش کو برستا دیکھ کر حاجیوں میں سے ایک گروہ نے اپنے دل کے جنیئو توڑ ڈالے۔ دوسری جماعت کا ان عجائبات سے خدا کی قدرت پر ایمان اور یقین مزید پختہ ہو گیا' ان میں منکروں کی تیسری جماعت بھی تھی جو کچے پھل کی طرح کھٹے کے کھٹے ہی رہے اور ہمیشہ کیلئے ناقص رہ گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شہر کو آگ لگی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک شہر کو آگ لگی' وہ اس بلا کی آگ تھی کہ پتھر کو خشک لکڑی کی طرح جلا کر راکھ کر دیتی تھی۔ وہ مکانوں اور محلوں کی خاک سیاہ کرتی ہوئی پرندوں کے گھونسلوں اور آخر کار ان کے پروں میں بھی لگ گئی۔ اس آگ کے شعلوں نے آدھا شہر جلا ڈالا' یہاں تک کہ پانی بھی ان شعلوں کو بجھا نہ پایا۔ اہل تدبیر ان پر پانی اور سرکے کے پرنالے بہاتے جاتے مگر معلوم ہوتا تھا کہ پانی اور

سر کہ آگ بھڑکانے میں اور مدد دے رہا ہے۔

آخر کار اہل شہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کی کہ ہماری آگ کسی پانی سے نہیں بجھ رہی' آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آگ خدا کے غضب کی علامات سے ہے اور یہ تمہارے بخل کی آگ کا صرف ایک شعلہ ہے۔ لہٰذا پانی کو چھوڑو اور روٹی تقسیم کرو اور آئندہ کیلئے اگر میرے حکم کو مانو تو بخل کو ترک کرو۔ مخلوق نے کہا ہم نے پہلے سے دروازے کھول رکھے ہیں اور ہم ہمیشہ سے صلہ رحم کرنے والے سخی رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ سخاوت تم نے از روئے رسم و عادت کی تھی' تم نے خدا کی راہ میں دروازہ نہیں کھولا تھا۔ تم نے جو کچھ دیا وہ شیخی اور اپنی بڑائی دکھانے کے واسطے دیا' خدا کے خوف اور عاجزی سے نہیں دیا اور ایسی دکھاوے کی سخاوت اور خیرات سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

﴿شیر' بھیڑیئے اور لومڑی کا مل کر شکار کو نکلنا﴾

شیر' بھیڑیا اور لومڑی مل کر شکار کی تلاش میں پہاڑیوں کی طرف نکل گئے۔ اگرچہ شیر نر کو ان کی ہمراہی سے شرم آتی تھی لیکن کشادہ دلی کو کام میں لا کر ساتھ لے لیا۔ ایسے بادشاہ کو اتنا لاؤ لشکر بھی زحمت لگتا ہے' لیکن جب لشکر ساتھ ہو گیا تو پھر جماعت رحمت ہے۔ جب یہ سب بڑے شان و شوکت اور ٹھاٹھ کے ساتھ کوہستان میں شیر کے ساتھ گئے تو ان کو جنگلی بکرا' خرگوش اور جنگلی گائے جو بہت موٹے تازے تھے' کھانے کو ملتے ان کی ہمت مزید بڑھ گئی' کہ شیر کے ساتھ ہونے سے فائدہ یہ ہوا کہ کھانے کو اچھی غذا ملنے لگی۔ اسی طرح جب ایک بار وہ تازہ تازہ شکار پہاڑ سے اتار کر میدان میں لائے تو بھیڑیئے اور لومڑی کے دل میں لالچ پیدا ہوا۔ وہ جی میں کہنے لگے کہ شکار کی تقسیم برابر اور انصاف کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ان کی لالچ کا اندازہ شیر کو بھی ہوا' لیکن اس

نے ان پر ظاہر نہ ہونے دیا اپنے دل میں کہنے لگا کہ میں تم کو اس کی سزا دوں گا تمہیں مجھ پر اعتبار نہ ہوا' بلکہ تم لوگوں کے دلوں میں میرے لئے بدگمانی آئی۔

پس یہ سوچ کہ شیر نے کہا' اے پرانے بھیڑیئے! تو ہی عدالت کے طریقہ اور انداز کو تازہ کر' شکار تقسیم کرنے کی خدمت میں تجھے سونپتا ہوں اور اس سلسلے میں میں تجھے اپنا نائب مقرر کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ تو اس کا اہل بھی ہے یا نہیں' بھیڑیئے نے کہا کہ اے جنگل کے بادشاہ! جنگلی گائے تیرا حصہ ہے کیونکہ تو بھی بڑا ہے اور بکرا میرا حصہ کہ بکرا بیچ راس کا شکار ہے اور خرگوش بے کھٹکے لومڑی کو دے دینا چاہیے۔

شیر نے بھیڑیئے سے کہا کہ میرے سامنے تو نے اپنے کو ہم اور مجھ کو تو کیسے کہا! بھیڑیا کون کتا ہے جو مجھ جیسے بے مثل و بینظیر شیر کے آگے خود بینی کرے' پھر بھیڑیئے کو آگے بلایا اور پنجہ مار کر اس کو چیڑ پھاڑ کر رکھ دیا اور کہا کہ جب میری حضوری رعب اور دبدبہ بھی اس کی خودی کو دور نہ کر سکا تو ایسے کو وہاں مارنا چاہیے جہاں پر پانی بھی نہ ملے۔ اس کے بعد لومڑی کو بلایا کہ اب تو اس شکار کو تقسیم کر۔ لومڑی بڑے ادب کے ساتھ آداب بجالائی اور عرض کی کہ اے شاہ ذی جاہ! یہ موٹی گائے تو بادشاہ کے صبح کے کھانے کے واسطے ہے اور یہ بکرا دوپہر کو یخنی کیلئے اور یہ خرگوش بھی شام کو حضور کی خوراک کے کام آئے گا' شیر نے کہا کہ اے لومڑی! تو نے عدل کو روشن کر دیا' ایسی تقسیم تو نے کہاں سے سیکھی؟ اے معزز لومڑی! سچ بتا تو نے یہ تقسیم کہاں سے سیکھی؟ لومڑی نے عرض کی کہ اے جہاں پناہ! میں نے بھڑیئے کے سبق سے عبرت پکڑی۔ تو شیر نے کہا کہ اے لومڑی! تو نے ہمارے لئے اپنی ذات کو ختم کر ڈالا' جا یہ تینوں شکار تیرے ہوئے تو لے جا۔ اے لومڑی! جب تو ہماری ہو چکی تو ہم بھی تیرے ہو چکے اور سب شکار بھی تیرے ہوئے' اب چاہے آسمان ہفتم پر قدم رکھے سب منظور' شیر نے کہا کہ تو نے بھیڑیئے کے انجام سے عبرت پکڑی سبق حاصل کیا تو لومڑی نہیں ہے تو میری مشیر ہے۔

لومڑی نے خدا کا شکرادا کیا کہ مجھے بھیڑیئے کے بعد بلایا گیا۔ اگر پہلے پہل مجھ کو حکم دیتا کہ شکار تقسیم کر تو میری جان کس طرح بچتی؟ پس خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے ہم کو اگلوں کے بعد پیدا کیا اور ہم نے گزشتہ قوموں پر خدا کی سزاؤں کو سنا تا کہ ہم ان اگلے بھیڑیوں کے انجام سے آگاہ ہو کر لومڑی کی طرح اپنے درجے کو مدنظر رکھیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی حدیث شریف میں ہم کو امت مرحومہ اس لئے فرمایا: کہ اے بھلے مانسو! اگلے بھیڑیوں کی ہڈیوں اور اکھڑے ہوئے بالوں کو دیکھ کر عبرت پکڑو۔ عاقل آدمی جب کوئی ایسی عبرت والی کہانی اور ایسی قوم کا انجام دیکھتا اور سنتا ہے تو اپنے دماغ سے غرور اور تکبر کو نکال باہر پھینکتا ہے اور اگر باوجود اس کے بھی غرور اور تکبر دور نہ کرے تو دیکھنے والے اس کی گمراہی سے سبق لیتے ہیں۔

﴿غلاموں کا لقمان علیہ السلام پر الزام لگانا کہ سب عمدہ میوے کھا گیا﴾

حضرت لقمان علیہ السلام ایک شخص کے غلام تھے۔ وہ امیر اپنے تمام غلاموں میں حضرت لقمان کو ہی بہت کم زور اور بدرو پاتا تھا' وہ امیر اپنے سب غلاموں کو میوہ چننے کیلئے باغ کو روانہ کیا کرتا تھا۔ حضرت لقمان بھی ان سب غلاموں کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ سر سے پاؤں تک عقل مجسم تھے مگر صورت کالی رات کی طرح سیاہ تھی۔ وہ غلام جب میوہ چننے جاتے تو میوے کو جمع کرتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ خود بھی کھا جاتے تھے۔ ایک بار اس بات کی خبر امیر کو ہوگئی' اس نے جب غلاموں سے یہ بات دریافت کی تو غلاموں نے اس کا الزام حضرت لقمان علیہ السلام کے سر لگا دیا۔ امیر حضرت لقمان علیہ السلام سے ناراض ہوا اور ان پر سختی کرنے لگا۔ اس پر حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے امیر سے عرض کی کہ اے مالک! خدا کے پاس بے ایمان بندے

کی بخشش نہیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ امتحان یا آزمائش کی جائے' اس کا حل یہ ہے کہ گرم پانی سب کو پلایا جائے اور تو ایک گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل طرف دوڑ لگائے اور ہم تیرے ساتھ دوڑیں گے۔ اس کے بعد تو رازوں کو کھولنے والے خدا کی مدد سے اصلی چور کو پکڑنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

امیر نے گرم پانی تیار کرایا اور سب غلاموں کو خوف کے مارے پینا پڑا اور پھر ان کو جنگلوں میں خوب دوڑایا گیا' اس بھاگ دوڑ میں ان کا جی مالش کرنے لگا اور آخر کار سارا کھایا پیا نکل گیا اور لقمان کو جو قے ہوئی بالکل صاف ہوئی' اس کے معدے سے صرف پانی نکلا۔ جب امیر نے دیکھا' لقمان علیہ السلام کی حکمت یہ سب کچھ کر سکتی ہے تو مالک الملک کی حکمت کھوٹے کھرے کو الگ کر دکھانے میں کیا کچھ نہیں کر سکتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سفیر قیصر کا آنا

قیصر کا ایک سفیر دور دراز کا سفر طے کرتا ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کیلئے مدینے پہنچا۔ لوگوں سے پوچھا کہ خلیفہ کا محل کون سا ہے؟ کہاں ہے؟ تا کہ میں وہاں اپنا خیمہ پہنچاؤں اور قیصر کا پیغام بھی۔ لوگوں نے اس سفیر کو بتایا کہ اس کا کوئی محل نہیں ہے' اس کا روشن قصر تو اس کا دل ہے۔ اس کی حکومت' نیکی اور رحم دلی کا ساری دنیا میں شہرہ ہے اور وہ درویشوں کی طرح گھانس پھونس کی جھونپڑی میں رہتا ہے۔

اے بھائی! تجھے اس کا گھر کیا نظر آئے گا جبکہ تیرے دل کی آنکھ میں ہی میل ہے۔ پہلے دل کی آنکھ سے میل اور بیماری کے بال صاف کر دے' پھر کہیں اس کے محل کو دیکھنے کی خواہش کرنا۔ سفیر روم اس طرح کی باتیں سن کر اور زیادہ مشتاق ہوا' اس کا اشتیاق اور زیادہ بڑھا۔ اپنے خیمے کو اکیلے چھوڑ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے میں لگ گیا۔ اصول ہے کہ اگر لگن سچی ہو تو پانے والا جس چیز کی خواہش دل میں رکھتا

ہے اس چیز کو پا ہی لیتا ہے۔

ایک اعرابی عورت نے کہا کہ دیکھو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کھجور کے درخت کے نیچے ہیں۔ ساری مخلوق سے سارے لوگوں سے جدا ہو کر وہ ظل اللہ اس درخت کے نیچے سو رہے ہیں۔ سفیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا اور دور ہی سے آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر رک گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نظر پڑتے ہی اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سو رہے تھے مگر سفیر پر ہیبت اور خوف طاری ہو گیا اور اسی کے ساتھ ہی روح میں ایک سرور اور اطمینان کی کیفیت طاری ہو گئی اگر چہ محبت اور ہیبت ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن اس نے یہ دونوں ضدیں اپنے اندر موجود پائیں اپنے دل میں ان دونوں کو محسوس کیا۔

اس سفیر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر سوچا کہ میں نے کتنے بادشاہوں کے دربار میں سرفرازی حاصل کی ہے؟ بادشاہوں کی شان و شوکت اور جاہ و جلال دیکھا ہے لیکن جو ہیبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر دل میں پیدا ہوئی وہ کسی بادشاہ کی ملاقات سے پیدا نہیں ہوئی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رعب نے تو میرے ہوش ہی اڑا دیئے ہیں۔ میں شیروں کے بن میں پھرا ہوں مگر کبھی ایسا خوف زدہ نہیں ہوا میں نے جنگلوں میں بڑی سے بڑی مہموں میں صفیں الٹ دی ہیں میں نے بڑے بڑے زخم کھائے ہیں اور لگائے بھی ہیں میرا دل ہمیشہ دوسروں کے مقابلے میں بہت مضبوط رہا ہے مگر یہ کیا بات ہے؟ یہ شخص جو زمین پر بے ہتھیار سو رہا ہے کیا وجہ ہے؟ کہ اس شخص کو دیکھ کر میرے جسم کا رواں رواں کانپ رہا ہے۔ یہ اس گدڑی والے فقیر کی ہیبت نہیں بلکہ یہ ضرور حق تعالیٰ کی ہیبت ہے مخلوق کی نہیں ہے۔

وہ دل ہی دل میں یہ باتیں سوچ رہا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خواب سے بیدار ہوئے سفیر نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا آپ نے جواب دے کر آگے طلب کیا

تسلی دے کر اپنے پاس بٹھایا۔ اس کے بنجر دل کو سرسبز و شاداب کیا۔ بہت سی معرفت کی باتیں اس کو سمجھائیں۔ گویا شوقین شاگرد کو ایک کامل استاد مل گیا ہو اس سفیر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اے امیر المومنین! جان سی لطیف شے عالم بالا سے عالم اسفل کیلئے اتر آئی اور نا محدود عالم کا پرندہ گھٹے ہوئے پنجرے میں کیسے بند ہو گیا؟ حضرت نے فرمایا: کہ جناب باری کے حکم میں وہ لذت اور ترغیب ہے کہ بے گنتی وجود اور وجد کی حالت میں عدم کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔

سفیر نے جب یہ نکات سنے تو اس کے دل میں ایک نئی روشنی پیدا ہوئی۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پھر سوال کیا کہ اس میں کیا فائدہ اور حکمت تھی؟ کہ لطیف روح اس کیفیت خاک میں قید ہو گئی' صاف پانی کا کیچڑ میں جذب ہو جانا اور روح باقی کا فانی اجسام میں گرفتار ہونا (ایک سی بات ہے)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ تو چاہتا ہے کہ تیری ہر بات میں معنی ہو' آزاد و لطیف مطالب کو لفظوں میں قید کرنا ایسا ہے جیسا کہ ہوا کو چند آوازوں میں قید کرنا ہے۔ یہ کام گو تو نے ایک فائدے کی خاطر کیا ہے' لیکن یہ فائدہ خود تیری مرضی کہاں دیکھ سکتا ہے؟ پس جب ہمیں اس فعل میں اتنے فائدے نظر آتے ہیں تو وہ ذات جس نے تمام فوائد پیدا کیے ہیں' اپنے فعل میں کیا کیا فوائد نہ دیکھتی ہو گی؟ اب اگر گفتگو کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو اپنی زبان کو بند کر لے اور اگر واقعی فائدہ ہے تو اعتراض کو چھوڑ اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کر۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا احمقوں سے دور بھاگنا

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ کی جانب بے تحاشا دوڑے جا رہے تھے' ان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی شیر ان پر حملہ کرنے کیلئے ان کے پیچھے

چلا آ رہا ہے۔ ایک شخص آپ کے پاس گیا اور آپ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام! آپ کے پیچھے تو کوئی بھی نہیں ہے' پھر آپ پرندے کی طرح کیوں دوڑے جا رہے ہیں؟ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی تیزی میں اس آدمی کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔ ایک دو میدان تک تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پیچھے دوڑا آخر کار تھک گیا اور آوازیں دے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہنے لگا کہ خدا کے واسطے ذرا ٹھہر جایئے اور مجھے بتایئے کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ مجھے تو بے چینی اور بے قراری ہوگئی ہے۔ آپ علیہ السلام کے پیچھے نہ تو کوئی دشمن آ رہا ہے اور نہ ہی شیر' پھر آپ اس طرح کدھر جا رہے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: آپ سچ کہہ رہے ہیں میں ایک احمق آدمی سے بھاگ رہا ہوں' تو میرا راستہ کھوٹا مت کر' مجھے مت روک' اس آدمی نے کہا کہ آپ تو مسیحا ہو جن سے اندھے بہرے شفا پاتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ ہاں! پھر اس نے پوچھا کہ آپ وہ بادشاہ نہیں جو طلسم غیب پر قدرت رکھتا ہے کہ اگر تم مردے پر پڑھ دو تو وہ مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ ہاں! میں وہی ہوں۔ اس نے مزید دریافت کیا کہ آپ وہ نہیں کہ مٹی کا پرندہ بنا کر اس پر دم کریں تو وہ جاندار ہو جائے اور ہوا میں اڑنے لگے۔ آپ نے جواب دیا کہ بے شک۔ پھر اس نے عرض کی کہ اے روح پاک! آپ جو چاہے کر سکتے ہیں پھر آپ کو کس کا ڈر ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کہ خدا پاک کی قسم جو جسم کو تخلیق کرنے والا اور جان کا پیدا کرنے والا ہے' اس کی ذات وصفات اور عزت کے آگے آسمان کا بھی گریبان چاک ہے۔ اس کے طلسم اسم اعظم کو میں نے پڑھا تو جسم مردہ میں جان پڑ گئی۔ لاشیئ پر پڑھا تو وہ شیئ ہوگئی' پہاڑوں پر پڑھا تو وہ شق ہو گئے۔ اندھوں اور

بہروں پر پڑھا تو وہ اچھے ہو گئے' لیکن میں نے وہی طلسم کس محنت اور کوشش اور خلوص سے احمق پر پڑھا مگر لاکھوں بار پڑھنے پر بھی افسوس کہ کوئی فائدہ نہ ہوا۔

اس نے حیرت سے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے؟ کہ خدا کا نام تو ہر جگہ فائدہ دیتا ہے تو یہاں کیوں بے اثر ہے؟ حالانکہ یہ بھی تو ایک بیماری ہے دوسری بیماریوں کی طرح' پھر اس نے کہا کہ کیا یہ اسم اعظم اس بیماری میں فائدہ نہیں دیتا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ احمق کی بیماری خدا کا غضب ہے اور اندھے پن کی بیماری غضب نہیں بلکہ آزمائش ہے۔ آزمائش سے جو بیماری ہو اس پر رحم آتا ہے اور احمق وہ بیماری ہے کہ اس سے زخم آتا ہے۔

اے شخص! تو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح احمقوں سے دور بھاگ' نادان کی صحبت نے بڑے بڑے فساد پیدا کئے ہیں۔ جیسے ہوا آہستہ آہستہ پانی کو خشک کر دیتی ہے اس طرح احمق بھی آہستہ آہستہ نامحسوس طور پر تم کو چرا لیتا ہے۔ تیری گرمی کو چرا کر سردی کر دیتا ہے' جیسے ٹھنڈے پتھر سے تیرے سارے بدن میں سردی پیدا ہو جاتی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا احمق سے بھاگنا کسی خوف یا خطرے کی وجہ سے نہ تھا کیوں کہ آپ ہر قسم کی آفت واثر سے محفوظ تھے' یہ عمل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا امت کے سبق کیلئے ہے' ورنہ کوہ زمہریر ساری دنیا میں سردی پھیلا دے تو بھی خورشید تاباں کو کیا غم؟

ایک سونے والے کو جس کے حلق میں سانپ گھس گیا تھا' اس پر ایک ترک کا مکے مارنا

ایک ترک گھوڑے پر سوار چلا آ رہا تھا کہ اس کی نظر ایک سوتے ہوئے شخص پر پڑی جس کے حلق میں سانپ گھس گیا۔ سوار نے یہ منظر دور سے دیکھا تھا' اس نے بہت

کوشش کی کہ گھوڑا تیز دوڑا کر سونے والے کو اس آفت سے بچالے مگر موقع نہ مل سکا۔ کوئی تدبیر اور ترکیب سمجھ میں نہ آئی۔ تو اس نے سونے والے کو چند گھونسے مارے۔ سونے والا گہری نیند سے بیدار ہوا اور ایک دم اچھل پڑا' دیکھا' کہ ایک ترک سوار گھونسے پہ گھونسہ لگا رہا ہے۔ اس کے تابڑ توڑ گھونسوں سے سونے والا تنگ آ کر اور گھونسوں کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آگے آگے وہ پیچھے پیچھے ترک' بھاگتے بھاگتے وہ دونوں ایک درخت تلے پہنچے۔ وہاں پر بڑی تعداد میں جھڑے ہوئے سیب گرے پڑے تھے' ترک نے کہا کہ اے شخص! ان سیبوں میں سے جتنے سب کھائیں جائیں' کھا جا اور خبردار! ہرگز ہاتھ مت روکنا' ترک نے اس شخص کو اس قدر سیب کھلائے کہ سب کھایا پیا الٹ الٹ کر منہ سے نکلنے لگا۔ اس نے ترک سے چلا کر کہا کہ اے امیر! میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے کہ تو میری جان کا دشمن ہوا' اگر تجھے میری جان ہی چاہیے تو اپنی تلوار سے ایک ہی وار میں میرا سر قلم کر دے' وہ کیا بری گھڑی تھی کہ میں تجھے دکھائی دیا۔

غرض وہ اسی طرح چیختا چلاتا رہا اور ترک کو برا بھلا کہتا رہا' ترک نے پھر مکے مارنے شروع کر دیئے۔ اس کا سارا بدن دکھنے لگا اور تھک کر چور ہو گیا' لیکن وہ ترک اسی طرح پکڑ دھکڑ اور مار پیٹ کرتا رہا' یہاں تک کہ صفراء کے غلبے اور زیادتی سے اس کو الٹیاں ہونے لگیں اور سارا کھایا پیا نکل گیا اور اس کے ساتھ ہی قے کے ساتھ سانپ بھی باہر آ گیا۔ جب اس نے اپنے پیٹ سے سانپ کو باہر نکلتے دیکھا تو خوف کی وجہ سے تھر تھر کانپنے لگا اور جسم کا درد جو مار سے دکھنے لگا تھا اچانک ختم ہو گیا' ترک کے پاؤں پر گرا اور کہنے لگا کہ آپ تو میرے لئے رحمت کا فرشتہ اور رحمتِ خداوندی ہیں۔ میں تو مر چکا تھا تو نے مجھے نئی زندگی دی ہے لیکن اے اچھے آدمی! اگر تو مجھے ذرا سا بھی میرا احوال بتا دیتا تو میں تیرے ساتھ ایسی اور اتنی بکواس تو نہ کرتا' مجھے اصل میں

تیری چپ نے غصہ دلا دیا تھا کہ تو وجہ بتائے بغیر اور کچھ بتائے بغیر پیٹے چلے جا رہا تھا۔

اے نیک آدمی! مجھے معاف کر دے کہ مجھ سے جو کچھ ہوا میری نادانی کی وجہ سے ہوا اور جو کچھ بھی میں نے اپنی نادانی کی وجہ سے تجھ سے کہا ہے' اسکے لئے مجھے معاف کر دے' میں تجھ سے معافی کا طلب گار ہوں۔ ترک نے کہا کہ اگر میں تجھے اس بات کا اشارہ تک بھی دیتا تو اسی وقت تیرا پتا پانی ہو جاتا اور مارے خوف کے تیرے جان ہی چلی جاتی۔ اور پھر تجھ میں اس قدر زیادہ سیب کھانے کی طاقت بھی نہ رہتی اور نہ ہی پھر قے کی نوبت آتی' اسی لئے میں تیری فحش کلامی سنتا اور صبر کرتا رہا۔ سب بتانا مناسب نہ تھا اور تجھے چھوڑنا مجھ سے ممکن نہ ہوا۔

تو اے عزیزو! عاقلوں کی دشمنی بھی ایسی ہوتی ہے کہ ان کا دیا ہوا زہر جان کو نشو ونما دیتا ہے' اس کے برعکس بے وقوفوں کی دوستی میں صدمہ اور گمراہی حاصل ہوتی ہے۔

حضرت لقمان کی آزمائش

حضرت لقمان اگرچہ غلام اور غلام زادے تھے لیکن ان میں حرص و ہوا نام کی کوئی چیز نہ تھی' ان کا آقا ظاہر میں تو ان کا مالک تھا' لیکن وہ اصل میں حضرت لقمان کے مرتبے سے واقف تھا اور حضرت لقمان کو دل سے اپنا آقا مانتا تھا اور دل سے ان کا غلام تھا۔ وہ تو ان کو کبھی کا آزاد کر چکا ہوتا لیکن حضرت لقمان ابھی اس راز کو راز رکھنا چاہتے تھے اور ان کا آقا حضرت لقمان کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہ کرنا چاہتا تھا۔ ان کے آقا کو حضرت لقمان سے اس قدر عقیدت تھی کہ ملازمین جو کھانا اس کے لئے لے کر آتے وہ پہلے کھانا دے کر حضرت لقمان کی طرف روانہ کرتا کہ پہلے حضرت لقمان یہ کھانا کھائیں۔ ان کا جھوٹا وہ کھاتا' وہ لقمان کا جھوٹا کھاتا اور بہت خوش ہوتا اور جو کھانا وہ نہ کھاتے تو وہ اس کھانے کو یا تو پھینک دیتا یا بہت ہی بے دلی سے بہت تھوڑا کھاتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک خربوزہ تحفے میں آیا' آقا نے ایک لڑکے کو کہا کہ حضرت لقمان میرے فرزند کو بلاؤ اور جب لقمان سامنے آئے تو مالک نے چھری لی اور اس کی ایک قاش لقمان کو دی' حضرت لقمان نے قاش کو بہت رغبت اور شوق سے کھایا۔ مالک نے دوسری قاش دی یہاں تک کہ سترھویں قاش تک وہ اسی طرح ذوق وشوق سے کھاتے رہے' جب آخری قاش رہ گئی تو مالک نے کہا کہ یہ میں کھاؤں گا تا کہ معلوم ہو کہ کتنا میٹھا ہے کیونکہ تو نے اسے بڑے شوق اور رغبت سے کھایا ہے۔ اس نے منہ میں ڈالا تو خربوزے کی کڑواہٹ سے حلق میں مرچیں لگنے لگیں اور زبان پر آبلے پڑ گئے۔ گھنٹہ بھر تک اس کی کڑواہٹ سے بدمزہ رہا۔

مالک نے حیرت سے پوچھا کہ اے عزیز! تو نے اس زہر کو کیوں کر کھایا اور اس قہر کو مہر کیوں سمجھ لیا؟ یہ کوئی صبر ہے اور اگر صبر کیا بھی ہے تو اس کا کیا سبب ہے؟ شاید تو اپنی جان کا دشمن ہے' تو نے کھانے سے بچنے کا بہانہ کیوں نہ کیا؟ یہ ہی کہہ دیا ہوتا کہ مجھے یہ نہیں پسند' ذرا توقف کیجئے۔

حضرت لقمان نے جواب دیا کہ میں نے تمہارے نعمت بخشنے والے ہاتھ سے اس قدر کھایا ہے کہ مارے شرم کے دھرا ہوا جاتا ہوں۔ اس لئے اے صاحب معرفت! مجھے شرم آئی کہ میں تمہارے نعمت بخشنے والے ہاتھ سے کوئی تلخ چیز نہ کھاؤں۔ میرے تمام اعضاء و جوارح تمہارے ہی عطا سے پلے ہیں اور تمہارے دانہ و دام کے اسیر ہیں۔ اگر میں صرف ایک کڑوے پن پر واویلا مچانے لگوں تو خدا کرے سو راستوں کی خاک میرے اعضاء و جوارح پر پڑے۔ تمہارے شکر بخشنے والے ہاتھ نے اس خربوزے میں کڑواہٹ کہاں چھوڑی تھی کہ میں اس کی شکایت کرتا۔

☆......☆......☆

﴾خدا کا موسیٰ کو حکم دینا کہ مجھ کو اس منہ سے بلا کہ جس سے کبھی گناہ نہ کیا ہو﴿

اگر تو دعا کے وقت ذکر الٰہی میں مشغول و مصروف نہیں رہتا تو جا صاف باطن لوگوں سے دعا کروا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: کہ اے کلیم اللہ! ایسے منہ سے میری مدد طلب کر کہ جس سے تو نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میرا ایسا منہ کہاں؟ تو اللہ نے حکم دیا کہ دوسروں کے منہ سے دعا کروا کیونکہ تو نے دوسروں کے منہ سے تو کوئی گناہ نہیں کیا اس لئے تو دوسروں کے منہ سے دعا کروا یعنی اس بات سے مراد یہ ہے کہ انسان کا عمل ایسا ہونا چاہیے کہ بہت سے لوگ اس کے لئے دعا میں دن رات مصروف رہیں اور اگر یہ ممکن نہیں تو اپنے منہ کو پاک کر اور اپنی روح کو جگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے خدا کا ذکر پاک ہے اور جہاں پاکی داخل ہو جاتی ہے وہاں سے ناپاکی دور ہو جاتی ہے۔ ہر چیز اپنی ضد سے بھاگتی ہے چنانچہ جب اجالا ہوتا ہے تو رات غائب ہو جاتی ہے یعنی روشنی اندھیرے کو ختم کرتی ہے جب اللہ تعالیٰ کا نامِ پاک منہ پر چڑھ جاتا ہے تو نہ وہ پہلا سا منہ رہتا ہے اور نہ ہی پلیدی رہتی ہے۔

﴾ایک شخص کا دعویٰ کہ خدا گناہ پر میری گرفت نہیں کرتا اور حضرت شعیب علیہ السلام کا جواب﴿

حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص کہا کرتا تھا کہ خدا نے میرے ان گنت عیب دیکھے ہیں اور کس قدر گناہ اور جرم دیکھے ہیں لیکن اپنے کرم کی وجہ سے میری گرفت نہیں فرماتا۔ حق تعالیٰ نے غیبی آواز سے حضرت شعیب علیہ السلام سے

بطور جواب کے فرمایا: کہ اے شخص! تو سیدھا راستہ چھوڑ کر جنگل میں بھٹک گیا ہے۔ تو کہتا ہے کہ میں تیرے گناہوں پر گرفت نہیں کرتا حالانکہ میں تیری اس قدر گرفت کرتا رہتا ہوں کہ تو سر سے پاؤں تک زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے مگر تجھے خبر نہیں۔ اے سیاہ دیگ! تیرا رنگ تجھی پر چڑھ رہا ہے اور اس نے تیری روح کے ماتھے کو بے نور کر دیا ہے۔ تیرے دل پر زنگ کی تہہ اس قدر چڑھ گئی ہیں کہ تو خدا کے رازوں اور بھیدوں کو دیکھنے سے اندھا ہو گیا ہے کیونکہ لوہار جب زنگی ہو تو دھواں اس کے چہرے کے ہم رنگ ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی رومی لوہار کا پیشہ اختیار کرے تو اس کا چہرہ دھویں سے چتکبرا ہو جاتا ہے۔ ایسا آدمی جو ہے وہ گناہ کی تاثیر جان جاتا ہے اور گڑگڑا کے توبہ کرنے لگتا ہے لیکن جو آدمی برائی کرے اور اس پر اڑ جائے کہ یہ کوئی گناہ نہیں تو اس کی سمجھ پر خاک پڑ جاتی ہے۔ وہ کبھی توبہ نہیں کرتا کیونکہ گناہ اس کے دل کو بھا جاتا ہے وہ گناہ میں لذت محسوس کرتا ہے ایسا شخص بے دین ہو جاتا ہے۔ اس میں شرم وندامت کا مادہ نہیں رہتا اور ساٹھ تہوں کا رنگ اس کے آئینے پر چھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے لوہے کو بھی زنگ کھانا شروع کر دیتا ہے۔

جب حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ نکتے اس سے کہے تو اس کے دل میں چند نکات کھلے چونکہ اس کی جان بھی وحی آسمانی کو سن رہی تھی اس لئے اس نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ اگر خدا تعالیٰ میری گرفت میرے گناہوں کی وجہ سے کرتا تو میرا نام ونشان کیسے رہتا؟ حضرت شعیب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ اے میرے پاک پروردگار! یہ بندہ میری تردید کر رہا ہے اور آپ کی گرفت کا پکا ثبوت مانگتا ہے۔ دعائیں کرتا ہے نماز پڑھتا ہے زکوٰۃ دیتا ہے وغیرہ وغیرہ لیکن اس کی جان کو ان عبادتوں سے ذرا بھی لذت نہیں ملی وہ بہت سی عبادتیں اور نیک عمل کرتا ہے لیکن اس کو اس میں مزا نہیں آتا اس کی عبادت ظاہر میں پاک ہوتی ہے لیکن اس کا باطن پاک

نہیں ہوتا۔ جیسے درخت میں اخروٹ تو بہت سے لگے ہوں مگر ان میں مغز نہ ہو۔

ذوق چاہیے تا کہ عبادت کا پھل ملے اور پھل میں مغز چاہیے تا کہ اس سے درخت پیدا ہو جس طرح بے گودے کا بیج درخت نہیں بن سکتا اسی طرح بے جان صورت محض خیال ہوتی ہے۔ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ نکتے اس کو سنائے تو سوچ ہی سوچ میں گدھے کی طرح کیچڑ میں پھنسے کا پھنسا رہ گیا۔

﴿بندۂ عاجز کا اللہ اللہ کرنا ہی عین خدا کا جواب دینا ہے﴾

ایک شخص رات کو اللہ اللہ کر رہا تھا تا کہ ذکر سے اس کے ہونٹ شیریں ہو جائیں۔ شیطان نے اس سے کہا کہ اے بیوقوف آدمی! تو نے یہ جو اللہ اللہ کی رٹ لگائی ہے تو نے کبھی اس کی جانب سے جواب بھی پایا ہے۔ جب دہائی سے تیری کوئی نوائی نہیں ہوتی تو اس رونی صورت سے کب تک اللہ اللہ کرتا رہے گا؟ وہ بہت شکستہ دل ہوا۔ اس کا دل بجھ سا گیا سر کو جھکایا اور تھوڑی سی دیر میں نیند آ گئی کہ حضرت خضر علیہ السلام خواب میں تشریف لائے اور پوچھا کہ اے بندہ خدا! تو نے ذکر کیوں چھوڑ دیا؟ کیا تو اس ذکر سے پشیمان ہو گیا؟ اس نے جواب میں عرض کیا کہ مجھے ہاں کا جواب نہیں ملتا اس لئے میں پریشان ہو گیا کہ کہیں خدا کی بارگاہ کا دروازہ مجھ پر بند تو نہیں ہو گیا۔

خضر علیہ السلام نے کہا کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تجھ سے کہہ دوں کہ اے فریب خوردہ! تو جو اللہ کا ذکر کرتا ہے وہ ہماری صدائے لبیک ہی تو ہے اور وہ عجز و سوز و درد جو تیرے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ ہمارا فرستادہ ہوتا ہے کیا میں نے ہی تجھے اپنے کام پر نہیں لگایا؟ اور کیا میں نے یہ تجھ کو اپنے ذکر میں مشغول نہیں کیا؟ کیا تیرا خوفِ خدا اور تیرا عشق خدا ہماری عنایت کی کمند ہے؟ اور تو جو یا رب یا رب کرتا رہتا ہے تو تیری ہر یا رب میں ان گنت لبیکیں چھپی ہوئی ہیں۔ جاہل کی جان اس پکار سے

دور رہتی ہے کیونکہ وہاں یا رب کہنے کا دستور نہیں۔ اس کے منہ اور دل پر قفل لگے ہوئے ہیں تا کہ تکلیف کے وقت یا خدا کہہ کر نہ روئے۔

لبیک: یعنی حاضر ہوں۔ جیسے کسی کے پکارنے پر "جی حاضر" کہا جائے۔

منافقوں کا مسجد ضرار تعمیر کرنا

اہل نفاق یعنی کافر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ چلتے تھے کہ بس وہ کہتے تھے کہ آؤ دینِ احمد کی عزت بلند کرنے کو ایک مسجد بنائیں لیکن حقیقت میں وہ فریب کا گھر تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک مسجد کی تعمیر شروع کر دی فرش اور چھت تیار کی سمت قبلہ بھی درست کر دی لیکن ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی جماعت میں پھوٹ پیدا ہو جائے۔ حضور نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے پیغمبر اسلام اور خدا کے رسول! ذرا اس مسجد تک قدم رنجہ فرمایئے تا کہ آپ کے قدموں کی برکت سے مسجد مبارک ہو جائے اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے نام پاک کو تا قیامت قائم رکھے۔ یہ مسجد دھوپ اور پانی سے بچاؤ کیلئے کارآمد ہے تا کہ مسافر وہاں آرام کی جگہ پائے۔

کافر خدا کے رسول ﷺ کے آگے جادوگری کرنے لگے وہ اپنی جہالت کا گھوڑا دوڑانے لگے۔ چاپلوسی اور خوشامد کر کے چاہتے تھے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ وہاں تشریف لائیں وہ مہربان سراپا رحمت رسول ﷺ تھے کہ سوائے تبسم اور اچھا اچھا کہنے کہ اور کچھ نہ کہتے تھے۔ آپ نے اس جماعت کی خوبیاں گنوائیں اور درخواست قبول کر کے ان کا دل خوش کر دیا۔ اس بات کے باوجود کہ آپ ﷺ ان کے مکر سے آگاہ تھے واقف تھے۔ اس طرح جس طرح دودھ میں بال دکھائی دیتا ہے اس بال سے قطع نظر کر کے آپ ان کے دودھ ہی کی تعریف فرماتے رہے جب یہ ہو گیا حضرت

محمد مصطفیٰ ﷺ وہاں تشریف لے چلیں گے تو غیرت حق نے آواز دی کہ ان فریبیوں کی بات نہ سنو کیونکہ جو کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں واقعہ اس کے برخلاف ہے۔ ان کا ارادہ سیاہ روٹی کے سوا کچھ نہ تھا بھلا آتش پرستوں اور یہودیوں نے دین داری کب پسند کی ہے؟ انہوں نے دوزخ کے پل پر مسجد بنائی ہے اور خدا سے بھی فریب کھیلے ہیں۔ اصل میں ان کا ارادہ اصحاب رسول ﷺ میں جھگڑا کروانا تھا۔ پھر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو حکم الٰہی ہوا کہ ان کی بے وفائی ان پر ظاہر کردو۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اے بے وفا جماعت! چپ ہو جاؤ۔ تم لوگ دشمن ہو اور بد باطن ہو میرا پیچھا چھوڑ دو۔ جب آپ ﷺ نے ان کے چند راز کھولے تو ان کی ساری شوخی اور چالاکی گرگئی سارے ایلچی خدا نہ کرے۔ خدا نہ کرے کا دم بھرتے ہوئے واپس ہوئے ہر منافق فریب دینے کی خاطر قرآن پاک کو بغل میں دبائے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تاکہ قسم کھا کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی سچائی بیان کریں۔ جب کہ بات بات پر قسم کھانا بھی گمراہوں کی سنت ہے۔ کیونکہ جو گمراہ ہوتا ہے اس کا یقین اپنے ایمان اپنے دین پر مضبوط نہیں ہوتا اس لئے وہ مختلف حیلے بہانے سے قسم توڑ دیتا ہے۔

وہ تمام لوگ نور وحی سے محروم تھے اس لئے قسموں پر قسم کھاتے رہے چونکہ خدا نے سوگند کو یعنی قسم کو سپر (حفاظت) بنایا ہے اس لئے اکڑنے والا سپر کیلئے چھوڑ سکتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے پھر فرمایا: کہ تم سب لوگ جھوٹے ہو اور پھر شہادتوں سے بھی ثابت ہو گیا کہ وہ مسجد نہ تھی بلکہ یہودیوں کے مکر وحیلہ تراشنے کی غرض سے ایک مکان تھا اور پھر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو گرادو اور اس کی جگہ کوڑا کرکٹ ڈالا کرو۔

تو اے صاحب عمل! تو بھی اپنے کردار کو کسوٹی پر کس کر دیکھ۔ کہیں تو بھی مسجد ضرار تو

نہیں تعمیر کر رہا ہے۔اس مسجد بنانے والوں کا تو خوب تمسخر کیا مگر جب اپنے عمل پر نظر ڈالی تو خود بھی انہی سے نکلا۔

﴿ایک شخص کا در محبوب کی کنڈی کھٹکھٹانا اور ''میں ہوں'' کہنا﴾

ایک شخص در محبوب پر آیا اور کنڈی کھٹکھٹائی۔محبوب نے پوچھا کون صاحب ہیں؟ جواب دیا کہ ''میں ہوں'' محبوب نے کہا کہ چل دور ہو ابھی ملاقات نہیں ہوسکتی تجھ جیسی کچی چیز کی اس دستر خوان پر کوئی جگہ نہیں۔ہجر و فراق کی آگ کے بغیر کچی جنس کیسے پک سکتی ہے؟ جو اس کے ظاہر و باطن کو ایک کر دے چونکہ ابھی تک تیری ''توئی'' تجھ سے نہیں گئی ہے؟ اس لئے تجھے ابھی غم کی آگ میں تپنا چاہیے۔یہ جواب سن کر وہ بے چارہ در محبوب سے الٹا پھرا اور سال بھر تک جدائی کی آگ کے چرکے کھاتا رہا۔جل جلا کر خوب پکا ہو گیا تو دوبارہ واپس آیا اور محبوب کی بارگاہ کے اطراف کے صدقے ہونے لگا اس نے ڈرتے ڈرتے اور بڑے ادب سے پھر کنڈی کھٹکھٹائی کہ کہیں کوئی بے ادبی والا لفظ منہ سے نہ نکل جائے۔محبوب نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے؟ اس نے جواب عرض کیا۔اے دلربا! تو ہی ہے محبوب نے حکم دیا کہ جب کہ اب تو میں ہی ہے تو اندر چلا آ کیونکہ اب ایک ذات میں دو کی گنجائش نہیں۔جب ایک ہی ایک ہو تو پھر دوئی نہ صرف مٹ جاتی ہے بلکہ میں پن اور تو پن دونوں کے اشارے جاتے رہتے ہیں۔

﴿ایک چور کا سپیرے کا سانپ چرا لینا﴾

ایک بار ایک چور نے کسی سپیرے کا سانپ چوری کر لیا اور بے وقوفی یہ کی کہ مال موذی کو نصیب غازی سمجھا۔سانپ بہت ہی زہریلا تھا۔سپیرا تو جانتا تھا اس لئے اس کے ڈسنے سے محفوظ رہا لیکن چور چونکہ یہ بات نہ جانتا تھا اس لیے وہ سانپ سے ڈسا

گیا سپیرے نے جب اسے دیکھا اور پہچان لیا تو کہا اس نے میرے سانپ کی جان سے زیادہ رکھیا کی۔ میری جان یہ دعا کرتی تھی کہ اے خدا! ایسا کر کے اپنے چور کو پکڑوں اور سانپ چھین لوں اور اللہ کا شکر ہے کہ میری دعا قبول ہوئی اور جو بات میری مرضی کے خلاف تھی وہی فائدہ مند نکلی۔

آدمی بہت سی ایسی دعائیں کرتا ہے جو اگر پوری ہو جائیں تو نقصان و ہلاکت واقع ہو لیکن اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ایسی دعاؤں پر توجہ نہیں فرماتا۔ دعا کرنے والا خدا سے شکایت اور بدگمانی کرتا ہے حالانکہ اس دعا کا نامقبول ہونا ہی بہتر ہوتا ہے۔ وہ نہیں سمجھتا کہ اس نے اپنے لئے آپ ہی مصیبت کی دعا کی تھی اور خدا نے محض اپنے کرم کی وجہ سے اس دعا کو قبول نہ کیا۔

چرواہے کی مناجات پر موسیٰ علیہ السلام کا انکار

ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے راستے سے جاتے ہوئے ایک چرواہے کی گفتگو سنی وہ کہہ رہا تھا کہ اے میرے پاک پروردگار! تو کہاں ہے؟ آ میں تیری خدمت کروں۔ تیرے موزے سیوں تیرے سر میں کنگھی کروں تو کہاں ہے کہ میں تیری خدمت بجا لاؤں؟ تیرے کپڑے سیوں پیوند پارہ کروں۔ تیرے جوتے دھوؤں۔ جوئیں چنوں اے پیارے! تیرے آگے دودھ رکھوں اگر تو بیمار ہے تو میں رشتے داروں سے بڑھ کر تیری خدمت کروں۔ تیرے ہاتھ چوموں پیروں کی مالش کروں اور جب سونے کا وقت آئے تو تیری خواب گاہ کو خوب صاف ستھرا کروں اور اگر تیرا گھر دیکھ لوں تو میں بلاناغہ صبح و شام گھی دودھ تجھے پہنچاؤں اور پنیر، روغنی روٹیاں اور پینے کو مزے دار دہی چھاچھ یہ سب چیزیں تیار کر کے صبح و شام لاتا رہوں۔ غرض! میرا کام لانا ہو اور تیرا کام کھانا۔ میرے سارے بکرے تجھ پر فدا ہوں۔ تیری یاد میں

میری بے قراری حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔

وہ چرواہا اسی قسم کی بے سروپا باتیں کر رہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اے شخص! یہ تو کس سے باتیں کر رہا ہے؟ اس نے جواب میں کہا کہ جس نے مجھے اور تجھے پیدا کیا اور اس زمین و آسمان کے مالک سے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے کمبخت! تو بجائے مسلمان ہونے کے کافر ہو گیا تو یہ سب خدا سے کہہ رہا ہے۔ یہ کیا بے ہودگی ہے؟ یہ کیا کافرانہ بکواس ہے؟ تو تو فضول قسم کی گفتگو کر رہا ہے۔ اپنے منہ میں روٹی ٹھونس لے تیرے کفر کی بدبو سارے جہان میں پھیل کر اس کو گندا کر رہی ہے۔ بھلا خدا کو ایسی چیزوں کی کیا ضرورت ہے؟ اگر تو خدا کو عادل و قادر جانتا ہے تو ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو کسی کی خدمت کی ضرورت نہیں اور ایسی تمام باتوں سے جو تو کر رہا ہے لا پرواہ ہے۔ تو ایسی باتیں کر رہا ہے جیسے کوئی اپنے چچا یا ماموں سے کرتا ہے کیونکہ جسم اور حاجت اس پاک ذات کی صفات میں نہیں ہے دودھ وہ پئے جس کا جسم اور عمر بڑھے اور گھٹے اور موزے وہ پہنے جو پاؤں کا محتاج ہو۔

چرواہے نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! تو نے میرا منہ بند کر دیا اور مارے پشیمانی کے میری جان جلا ڈالی۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے سرد آہ کھینچی اور جنگل میں گھس کر غائب ہو گیا ادھر موسیٰ علیہ السلام کو خدائے پاک سے وحی ہوئی کہ اے موسیٰ! تو نے ہمارے بندے کو ہم سے کیوں جدا کر دیا ہے؟ تو دنیا میں مخلوق کو ملانے آیا ہے یا جدا کرنے آیا ہے۔ تو نے ہمارے بندے کو ہم سے کیوں جدا کر دیا؟

خبردار! جہاں تک ممکن ہو فراق میں قدم مت رکھو ہم نے ہر شخص کی باطنی فطرت الگ الگ بنائی ہے۔ جو بات اس کے لئے اچھی ہے وہ تیرے لئے بری ہے۔ وہی بات اس کے لئے شہد کا اثر رکھتی ہے لیکن تیرے حق میں وہی بات زہر ہے۔ اگر اس کے حق میں نور ہے تو تیرے حق میں نار ہے۔ اس کے حق میں گلاب کا پھول ہے تو

تیرے حق میں وہ کانٹا ہے۔ ہم پاکی وناپاکی اور سخت وسبک جانی سے الگ ہیں۔ میں نے مخلوق اس لئے نہیں بنائی کہ کوئی فائدہ کماؤں بلکہ میرا مقصد تو صرف اس قدر ہے کہ ان پر اپنے کمالات کا فیضان کروں۔

ھندیوں کے لئے ھند کی بولی اچھی اور سندھیوں کو سندھ کی بولی پسند ہے ان کی تسبیح سے کچھ پاک نہیں ہو جاتا بلکہ جو موتی ان کے منہ سے جھڑتے ہیں ان سے وہ خود ہی پاک ہوتے ہیں ہم کسی کے قول اور ظاہر کو نہیں دیکھتے۔ ہم تو آدمی کے باطن اور مال کو دیکھتے ہیں۔ اے موسیٰ! علیہ السلام داناؤں کے آداب اور ہیں دل جلوں اور جان ہاروں کے آداب دوسرے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے حق سے یہ عتاب سنا تو بے تاب ہو کر جنگل میں اس چرواہے کو ڈھونڈنے کی خاطر نکلے اور اس کا نقش قدم پہچانتے ہوئے اس قدر مارے مارے پھرے کہ سارے بیابان کی خاک چھان ڈالی۔

قاعدہ ہے کہ دیوانوں کا نقش یا دوسروں کے پاؤں کے نشان سے الگ ہوتا ہے۔ آخر کار آپ نے اس کو تلاش کر لیا اور فرمایا: کہ تجھے مبارک ہو کہ تجھے اجازت مل گئی ہے اور تجھے کسی ادب آداب اور قاعدے کی ضرورت نہیں تیرے جی میں جو آئے وہ تو کہہ تیرا کفر دین ہے اور تیرا دین نور جان ہے۔

اس لئے تجھے سب کچھ معاف ہے بلکہ تیرے دم سے ساری دنیا حفاظت میں ہے۔ اے شخص! خدا کی مرضی سے تجھے معافی مل چکی لہٰذا تو بے تکلف جو زبان پر آئے وہ کہہ دے۔ چرواہے نے کہا اے موسیٰ! اب میں اس قسم کی باتوں سے درگزر کرتا ہوں۔ اب تو میں اپنے خون دل میں لتھڑا ہوا ہوں۔ اب تو میں سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے بڑھ چکا بلکہ اس کے بھی آگے لاکھوں برس کا راستہ طے کر چکا۔ تو نے جو میرے گھوڑے کو کوڑا لگایا تو وہ فوراً پلٹا اور ایک ہی جست میں سب آسمانوں کو طے کر گیا اب میرا حال بیان سے باہر ہے اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ بھی میرا احوال نہیں ہے۔

اے شخص! تو جو خدا کی تعریف اور حمد و سپاس کرتا ہے تیرا حال بھی کچھ اس چرواہے سے بہتر نہیں ہے تو سراسر ناقص اور جسمانی زندگی سے آلودہ ہے اور تیرا مال بھی سب ناقص و گندہ ہے۔ یہ محض اس رحیم و کریم کی مہربانی ہے کہ وہ تیرے ناقص تحفے کو قبول فرما لے۔

ایک ہمراہی کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہڈیوں کو جلا دینے پر اصرار کرنا

ایک بے وقوف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شریک سفر تھا۔ اس نے گہرے گڑھے میں ہڈیاں دیکھ کر کہا کہ اے روح اللہ علیہ السلام! وہ کیا نام پاک ہے جس سے تو مردوں کو زندہ کرتا ہے؟ مجھے بھی تو وہ اسم پاک سکھا دے تاکہ ان پرانی ہڈیوں میں جان ڈال دوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے بندے! چپ رہ کیونکہ یہ کام تیرا نہیں ہے۔ تیرا دم اور تیری زبان اس کام اس اسم کے سیکھنے کے لائق نہیں ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ اچھا اگر میں لائق نہیں کہ یہ سیکھ سکوں تو پھر آپ علیہ السلام کچھ پڑھ کر ان ہڈیوں پر دم کر دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے الٰہی! یہ کیا راز ہے؟ یہ بیوقوف اتنا اصرار اتنا زور کیوں دے رہا ہے؟ اس بیمار کو اپنا غم اپنی فکر کیوں ہے؟ اس کو اس مردار کی کیا فکر ہے؟ اس نے اپنے مردے کو چھوڑ دیا اور پرائے مردے کو جگانے کی فکر کی ہے۔ خدا نے وحی کی کہ بد اقبالی کو بد اقبالی ہی کی تلاش ہوتی ہے کیونکہ کانٹوں کا اگنا ان کے بوئے جانے کا بدلہ ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بیوقوف ہم سفر سوائے بحث و تکرار کے ایک قدم بھی آگے بڑھانا نہیں چاہتا اور اپنی بے عقلی کی وجہ سے کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا بلکہ اپنی کم عقلی اور گمراہی کی وجہ سے (معجزہ نہ دکھانے کو) بخل سمجھتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی درخواست کے مطابق ان

ہڈیوں پر خدا کا نام لے کر دم کر دیا۔

خدا کے حکم سے وہ ہڈیاں زندہ ہوگئیں یکا یک دیکھا کہ وہ تو ایک سیاہ رنگ کا شیر تھا اس شیر نے زندگی ملتے ہی ایک چھلانگ مار کر زوردار پنجہ اس شریک سفر کو مارا اور اس کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ اس کا گلا توڑ کر بھیجا پاش پاش کر دیا۔ اس کا خول ایسا رہ گیا جیسے اس میں کبھی مغز تھا ہی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیر سے پوچھا کہ تو نے اس قدر جلد کیوں پھاڑ ڈالا؟ شیر نے جواب دیا کہ اس وجہ سے کہ آپ اس سے ناراض ہو گئے تھے۔ پھر اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ تو نے اس کا خون کیوں نہ پیا؟ اس پر شیر نے جواب دیا کہ میری قسمت میں رزق نہیں تھا اگر مجھے اس جہان میں روزی ملنی ہوتی تو مردوں میں داخل ہونے کا کیا کام تھا۔ یہ سزا اس کی جو آب زلال گدھے کی طرح پیر مار کر گدلا کر دیتا ہے۔ اگر نہر کی قدر گدھا جانے تو بجائے پاؤں کے اس میں سر رکھے۔

چار ہندوستانیوں کا نماز میں بات کرنا

چار ہندوستانی ایک مسجد میں داخل ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ ہر ایک نے الگ الگ تکبیر کہی اور بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز میں مصروف ہو گئے۔ پھر مؤذن مسجد میں داخل ہوا تو ایک نمازی کے منہ سے نکلا کہ اے مؤذن! تو نے اذان بھی دی ہے کہ ابھی وقت ہے۔ دوسرے کے منہ سے نکلا کہ ارے کم عقل! تو نے نماز میں بات کی تیری نماز باطل ہوئی تیسرے نے دوسرے سے کہا کہ تم نے نماز میں بات کی ارے عقل کے اندھے! تو اسے کیا طعنہ دیتا ہے ذرا اپنے آپ کو تو دیکھ چوتھا فوراً بولا کہ الحمد للہ! کہ میں تم تینوں کی طرح کنویں میں نہیں گرا۔ اس طرح چاروں کی نماز جاتی رہی۔

دوسروں کے عیب پر نظر رکھنے والے اکثر گمراہ ہو جاتے ہی۔ سعادت والا وہ ہے

جس نے اپنا عیب دیکھا اور اگر کسی نے دوسرے کا عیب بیان کیا تو اسے بھی اپنے سے ہی منسوب کیا کیونکہ اگر ایسا عیب تجھ میں نہیں ہے تو بھی فکر مندمت ہو عین ممکن ہے آئندہ اسی قسم کا عیب تجھ میں بھی ظاہر ہو جائے۔

بادشاہ کا ایک درخت کی تلاش کرنا کہ جو اس کا میوہ کھائے وہ کبھی نہ مرے

ایک عقل مند نے قصے کے طور پر بیان کیا کہ ہندوستان میں ایک ایسا درخت ہے کہ جو کوئی بھی اس درخت کا پھل کھاتا ہے نہ تو وہ کبھی بوڑھا ہوتا ہے اور نہ ہی مرتا ہے۔ ایک بادشاہ نے جب یہ قصہ سنا تو اس درخت کو پانے کا بڑا اشتیاق ہوا۔ اپنے وزیروں میں سے ایک عقل مند کو اپنا قاصد بنا کر ہندوستان میں ایک اس درخت کی تلاش میں بھیجا۔ غرض! وہ شہر شہر پھرا اس نے کوئی جزیرہ کوئی پہاڑ کوئی جنگل نہ چھوڑا اس نے ہندوستان کا چپا چپا چھان مارا اور کوئی ایسا نہ چھوڑا جس سے اس درخت کے بارے میں نہ پوچھا ہو سب نے اسے ہنسی میں اڑا دیا اور کہا کہ ایسے درخت کی تلاش کوئی پاگل ہی کر سکتا ہے۔ وہ ہر شخص سے برخلاف اپنی عادت کے بات سنتا مگر اپنی دھن نہ چھوڑتا تھا۔ سالوں وہ ہندوستان میں سفر کرتا رہا اور اس درخت کی تلاش میں کوشاں رہا اور بادشاہ اس کو اخراجات بھجواتا رہا۔ جب مسافرت کی تھکن حد سے بڑھ گئی تو آخر کار درخت کی تلاش سے تنگ آ گیا کیوں کہ درخت کا نام ونشان بھی کہیں نہ ملا تھا اور مقصود کی اصلیت سوائے خبر قصے یا روایت کے کچھ ثابت نہ ہوئی۔ اس کی امید کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور جس قدر ڈھونڈا تھا وہ بیکار گیا۔ واپسی کیلئے روانہ ہوا اور راستے میں روتا جاتا تھا۔ پھر راستے کی ایک منزل میں کوئی شیخ بڑا عالم اور قطب وقت رہتا تھا۔ یہ دل شکستہ اس کی خدمت میں خاضر ہوا اور سوچا میں ہر طرف سے مایوس ہو کر اس

کے پاس جاؤں ممکن ہے کہ سیدھے راستے پر لگ جاؤں چونکہ میں اپنے مطب سے نا امید ہوں شاید کہ اس کی دعا میرے ہمراہ ہو جائے۔

غرض! وہ روتا ہوا شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا شیخ کے سامنے پہنچتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ عرض کی کہ اے حضرت! یہ وقت رحم اور مہربانی کا ہے۔ میں بالکل نا امید ہو گیا ہوں۔ میرے حال پر کرم کریں۔ شیخ نے کہا کہ ساری بات کھل کر بیان کرو کہ کس بات کے سبب نا امید ہو؟۔ تیرا مطلب کیا ہے؟ تجھے کس چیز کی تلاش ہے یا تیری آرزو کیا ہے؟ کس کی خواہش ہے؟ جواب میں عرض کیا کہ بادشاہ نے مجھے ایک ایسے درخت کی دریافت کیلئے مقرر کیا تھا جس کا پھل آب حیات کا حکم رکھتا ہے۔ میں نے اس کو برسوں ڈھونڈا مگر سوائے لوگوں کے طعنوں کے مجھے کچھ بھی نہ ملا۔ یہ سن کر شیخ ہنسنے لگا اور بولا کہ اے بھلے مانس! یہ درخت علم کا درخت ہے تو درخت کی ظاہری صورت پر گمان کر گیا اسی لئے تجھے وہ درخت نصیب نہ ہوا۔ کہیں اس علم کا نام درخت کہیں سورج کہیں سمندر تو کہیں بادل ہو جاتا ہے۔ اس کی ہزار رہا صفات میں سے ایک صفت بقائے دوام ہے۔

اے جوان! تو صورت کو کیوں ڈھونڈتا ہے۔ اس کے معانی تلاش کر صورت ظاہر میں تو چھلکا ہے اور معنی اس پھل کا گودا نام کو چھوڑ اور گن (صفت) کو دیکھ تاکہ گن سے تجھے ذات کی رہنمائی ہو۔ نام ہی کی وجہ سے مخلوقات میں اختلاف پیدا ہوتا ہے جہاں معنی پر پہنچو گے اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت بلال کو حَیَّ کو ''ھَیَّ'' کہنا

اگر تیری رفتار ٹیڑھی ہو اور معنی سیدھے ہوں تو وہ ٹیڑھا پن مقبول ہے۔ اگر معنی ٹیڑھے

اور لفظ اچھے اچھے ہوں تو ایسے معنی کسی کام کے نہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا تلفظ ٹھیک نہ تھا اور وہ اذان دیتے وقت حَیّ کو ھَیّ پڑھتے تھے۔ جس کی وجہ سے لوگوں نے اعتراض کیا کہ اے پیغمبر ﷺ ! ایسی ابتداء اسلامؑ میں ٹھیک نہیں ہے ایک مؤذن جس کا تلفظ اور لب ولہجہ درست نہیں اس کام پر مقرر نہیں ہونا چاہیے دین کے آغاز میں ''حی علی الفلاح'' کا غلط تلفظ کرنا عیب ہے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا غصہ تیز ہو گیا اور آپ ﷺ نے ایک دو نکتے علم لدنی سے ارشاد فرمائے کہ ارے نالائقو! خدا کے نزدیک بلال کا حَیّ کہنا تمہارے سو دفعہ حَیّ حَیّ اور سے قیل وقال کرنے سے بہتر ہے مجھے زیادہ ناراض نہ کرو کہ کہیں تمہارے سب راز اول سے آخر تک نہ کھول دوں۔

﴿ایک صحابی کا بیمار ہونا اور رسول اللہ ﷺ کا عیادت کو جانا﴾

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ میں سے ایک صاحب بیمار اور سوکھ کر کانٹا ہو گئے چونکہ رسول اللہ ﷺ کی خصلت سراپا لطف وکرم تھی اس لئے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ان صحابی رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کیلئے تشریف لے گئے۔ ان صحابہ نے جب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا دیدار کیا تو انہوں نے محسوس کیا جیسے وہ زندہ ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ابھی ابھی پیدا کیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اس بیماری نے میرا اقبال اس قدر بلند کیا کہ صبح سویرے یہ بادشاہ میرے گھر آیا۔ وہاں پر بیماری تکلیف اور بخار کیسا قسمت والا یہ درد اور رات کی جاگ کتنی مبارک ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے کہا کہ شاید تو نے کوئی نامناسب دعا کی ہے تو نے نادانستگی میں زہر کھا لیا ہے یاد کر تو نے کیا دعا کی اور نفس کے کس مکر میں مبتلا ہو گیا؟ بیمار نے عرض کی اے حضرت محمد! ﷺ مجھے تو کچھ یاد نہیں ہاں! اگر آپ ﷺ میری ہمت میری مدد

کریں تو شاید مجھے وہ دعا یاد آ جائے۔ آخر نبی کریم ﷺ کے دیدار کی برکت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو وہ دعا یاد آ گئی وہ روشنی جو حق کو باطل سے جدا کرنے والی ہے اس زور سے چمکی جو ایک دل سے دوسرے دل میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ لیجئے یارسول اللہ ﷺ مجھے وہ دعا یاد آ گئی جو میں نے بے خیالی میں کی تھی میں گناہوں میں گرفتار و غرق ہو کر ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ آپ ﷺ ہمیشہ مجرموں کو سخت عذابوں سے منع کرتے اور سزائے اعمال کا خوف دلاتے تھے اس سے میں بے تاب ہو جاتا تھا نہ مجھے اپنی حالت پر صبر آتا تھا نہ بچنے کی کوئی سبیل اور طریقہ نظر آتا تھا۔ نہ توبہ کی امید تھی اور نہ لڑنے کا موقع اور نہ ہی خدا کے سوا میرا کوئی مددگار تھا۔ میرے دل میں وسوسے بہت زیادہ بڑھ چکے تھے۔ میں یہی کہتا تھا کہ خدایا! میرے اعمال کا جو بھی عذاب ہے اور اسی دنیا میں جلد سے جلد مجھ پر نازل فرما دے تا کہ میں آخرت کے عذاب سے بےفکر ہو جاؤں۔ میں اسی دعا پر اڑ کر بیٹھ جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ ایسی بیماری بڑھی کہ میری جان گھل کر بے آرام ہونے لگی۔ اگر آج آپ ﷺ کا چہرہ مبارک نہ دیکھتا تو میں اسی طرح ہاتھ سے نکل جاتا آپ نے میری بڑی ہی شاہانہ غم خواری کی ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ خبردار! ایسی دعا پھر کبھی مت کرنا۔ اپنے آپ کو جڑ پیڑ سے نہ اکھیڑنا۔ اے بیمار! تو چیونٹی کی طرح ہے اور تجھ میں اتنا بل بوتا کہاں؟ اتنی طاقت کہاں کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر اتنا بڑا پہاڑ رکھے۔ صحابی نے کہا توبہ توبہ اے سلطان! اے پیغمبر اسلام! اب میں نے عہد کر لیا ہے کہ آئندہ کبھی سوچے سمجھے بغیر کوئی بات نہ کہوں گا۔ اے رہنماؤں کے رہنما! اس بیابان میں آپ ہمیں راہ دکھایئے اور اپنی رحمت سے مجھے نصیحت فرمایئے۔ نبی کریم ﷺ نے اس بیمار کو تعلیم دی کہ تو خدا سے یہ دعا کر کہ وہ تیری مشکلوں کو آسان کرے۔ اے خدا! تو دین اور دنیا دونوں جگہ پر ہمیں

راحت اور اپنی رحمت اور خیریت عنایت فرما۔ ہماری منزل تو تو ہے اس راستہ کو ہمارے لئے باغ کی طرح خوش نما اور خوشگوار بنا دے ہم پر اپنی رحمت کی برسات نازل فرما۔

غلام جو مسجد سے باہر نہ آتا تھا

کسی امیر کا غلام سنقر نام کا گزرا ہے۔ ایک رات کو امیر نے اپنے غلام سنقر کو بلایا اور کہا کہ چل کھڑا ہو پیالہ پٹکا پنڈول کی مٹی لونڈی سے لے لے تا کہ آج صبح حمام میں پہنچ جائیں۔ سنقر حاضرِ خدمت ہوا۔ اس نے تمام چیزیں لیں اور اپنے امیر کے ساتھ چل دیا۔ راستے سے ایک مسجد میں سے اذان کی آواز آئی۔ سنقر نماز کی پابندی کرتا تھا۔ سنقر نے کہا کہ سرکار آپ ذرا اس دکان پر ٹھہر جائیں میں نماز ادا کرلوں۔ سنقر نماز پڑھنے کیلئے مسجد میں چلا گیا اور امیر نماز سے غافل دکان پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا یہاں تک کہ بہت دیر ہوگئی تمام نمازی اور مسجد کے امام نماز سے فارغ ہوکر درود و وظائف پڑھتے ہوئے گھروں کو روانہ ہو گئے مگر سنقر باہر نہ آیا۔ سنقر کو اس کے امیر نے آواز دی کہ باہر کیوں نہیں آتا؟ سنقر نے جواب دیا کہ پیرو مرشد مجھے باہر نہیں آنے دیتے۔ ذرا ٹھہریئے ابھی آتا ہوں میں آپ کی آواز سن رہا ہوں۔ امیر نے اس طرح سات بار آواز دی اور انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ ٹھہرو ٹھہرو کے جواب سے تنگ آ گیا۔ سنقر بار بار یہی جواب دیتا کہ پیرو مرشد مجھے چھوڑ ہی نہیں رہے کہ میں باہر آؤں۔ امیر نے کہا کہ مسجد تو خالی ہو چکی ہے تجھے وہاں کون روک رہا ہے۔ سنقر نے جواب دیا وہی جس نے آپ کو اندر آنے سے روکا ہے اس نے مجھے باہر آنے سے روک رکھا ہے۔

اے فرزند! مچھلیوں کو سمندر باہر نہیں نکلنے دیتا اور خشکی کے جانوروں کو اندر آنے سے روکتا ہے۔ مچھلی کی اصل جگہ پانی اور چوپائے کی مٹی ہے اس لئے کوئی حیلہ تدبیر نہیں چلتی ایسا قفل سخت پڑ جائے تو اس کو خدا ہی کھولے تو کھل سکتا ہے۔

﴿موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے وحی ہونا کہ ہماری بیمار پرسی پر کیوں نہیں آیا؟﴾

خدا کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام پر عتاب ہوا کہ اے موسیٰ! تو نے اپنے جیب و گریبان سے سورج کو نکلتے دیکھا ہے۔ ہم نے تجھ کو خدائی نور کا مشرق بنایا ہے۔ باوجود اس کے میں بیمار ہوا تو تو پرستش تک کو نہ آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے پاک بے نیاز! تو ہر نقصان و زوال سے بری ہے۔ تیرے اس شکوے میں کیا نکتہ ہے؟ ظاہر فرما پھر حکم ہوا میں بیمار ہوں اور تو نے تو از راہِ محبت مجھے پوچھا تک نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے رب! تجھ میں تو کوئی کھٹاؤ نہیں۔ تیرے سوال سے میری عقل گم ہوئی جاتی ہے میری اس گتھی کو سلجھا حکم ہوا کہ میرا ایک خاص بندہ مقبول بیمار ہو گیا ہے اس بات کو غور سے دیکھ کہ اس کی بیماری میری بیماری ہے اور اس کی معذوری میری معذوری ہے۔

جو شخص خدا کی ہم نشینی چاہے اس کو چاہیے کہ اولیاء کرام کی صحبت میں بیٹھے اگر اولیاء کرام کی خدمت سے تو جدا ہو گا تو جان لے کہ ہلاک ہوا کیونکہ تو جزا ہے کل نہیں ہے۔ شیطان جس کسی کو اہل کرم سے دور کر دیتا ہے تو اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔ ذرا سی دیر کو اپنی جماعت سے جدا ہونا برا ہے اور خوب اچھی طرح سے جان لو کہ یہ شیطان کا مکر ہے۔

﴿حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا میدان جنگ میں زرہ پہنے بغیر آنا﴾

جوانی کے دنوں میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ میدان جنگ میں زرہ پہنے شریک ہوتے لیکن عمر کے آخری حصے میں آپ کا یہ حال ہوا کہ آپ جب کبھی بھی

میدانِ جنگ میں اترے تو زرہ کے بغیر ہی دشمن پر حملہ کرتے۔ آپ کا سینہ کھلا ہوا تن برہنہ۔ سب سپاہیوں کے آگے آگے دشمن پر پہلی تلوار آپ ہی کی پڑتی تھی۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے چچا! اے صفوں کو چیرنے والے بہادر شیر! اے جوان مردوں کے بادشاہ! کیا آپ نے خدا کا حکم نہیں سنا کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو؟ تو پھر آپ جان بوجھ کر میدانِ جنگ میں موت کو دعوت کیوں دیتے ہیں؟ جس زمانے میں آپ جوان تھے مضبوط وقوی توانا تھے تو اس زمانے میں کبھی جنگ میں زرہ پہنے بغیر نہ جاتے تھے۔ اب آپ بوڑھے اور کمزور ہو چکے ہو تو پھر یہ بے پروائی کیوں کرتے ہو؟ بھلا تلوار کس کی رعایت کرتی ہے؟ اور سنان و تیر کو ایسی تمیز کہاں ہے؟ یہ بات تو نامناسب ہے کہ آپ جیسا شیر دشمن کے ہاتھوں مارا جائے۔ بے خبر خیر خواہوں نے اس طرح کی بہت سی باتیں کی اور آپ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جب میں جوان تھا تو سوچتا تھا کہ موت سے یہ جہان ہمیشہ کیلئے چھوٹ جاتا ہے لیکن اب محمد مصطفیٰ ﷺ کے نور کے تصدق میں اب میں اس شہر فانی کا گرفتار نہیں ہوں۔ اس جاہلیت کے زمانے میں مجھے جوانی میں اپنی زندگی عزیز تھی مگر اب اسلام کے بڑھاپے میں مجھے موت زیادہ پیاری ہے۔

مرید کا مکان تعمیر کرنا اور پیر کا امتحان لینا

ایک مرید نے نیا گھر بنایا پیر دیکھنے آئے پیر نے امتحان کی خاطر اپنے مرید سے پوچھا۔ اے رفیق! یہ روشن دان گھر میں تو نے کس واسطے اور کیوں بنایا ہے؟ مرید نے جواب دیا کہ اس لئے یہ روشن دان بنایا ہے تاکہ گھر میں اس کے ذریعے روشنی آئے۔ پیر نے فرمایا: کہ وہ تو فرع ہے اصل غرض تو یہ ہونی چاہیے تھی کہ تو روشن دان اس واسطے

بنا تا کہ اس کے ذریعے سے اذان کی آواز سنائی دیتی۔ روشنی تو اپنے آپ ہی آ جاتی ہے مگر نیت وہ ہونی چاہیے جو تیرے لائق ہو۔

یہ وہ نکتہ ہے جس کی تعلیم اس حدیث شریف میں دی گئی ہے کہ آدمی کے عمل کا مدار اس کی نیت پر ہوتا ہے۔

﴿ایک شہباز کا رسول اللہ ﷺ کا موزہ اڑا لے جانا﴾

ایک بار شہر کے باہر کسی میدان میں اذان کی آواز رسول اللہ ﷺ نے عالم بالا سے آتی ہوئی سنی۔ آپ نے پانی طلب فرمایا اور وضو کیا۔ وضو کے بعد آپ ﷺ اپنا موزہ لینے کیلئے ہاتھ بڑھا ہی رہے تھے کہ ایک شہباز نے جھپٹا مار کر موزہ اڑا لیا۔ وہ موزہ لے کر ہوا میں بلند ہو گیا۔ بلندی پر جا کر اس نے جو موزے کو الٹا تو اس میں سے ایک سانپ نیچے گرا۔ جب دیکھا کہ کالا ناگ اس میں سے گرا ہے تو شہباز کی خیر خواہی ثابت ہوئی۔ پھر شہباز اس موزے کو واپس آپ ﷺ کی خدمت میں لایا اور عرض کی کہ لیجئے اور نماز ادا کریں میں نے یہ گستاخی بضرورت کی تھی۔ پس حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے شکریہ ادا فرمایا اور کہا کہ ہم اس کو شہباز کی زیادتی سمجھے تھے مگر وہ اس کی وفاداری نکلی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کہ تو نے میری تکلیف دور کی مگر میں الٹا تجھ سے رنجیدہ ہو گیا تھا اگرچہ خدا تعالیٰ نے ہر غیب پر ہم کو آگاہ کیا ہے لیکن اس وقت ہمارا دل اپنے آپ میں مشغول تھا۔ شہباز نے عرض کی کہ خدا نہ کرے آپ ﷺ سے غفلت سرزد ہو۔ میرا غیب پر مطلع ہونا بھی آپ کے عکس پڑنے سے تھا۔ بھلا میں اس قدر بلندی سے موزے کے چھپے ہوئے سانپ دیکھ لوں۔ یہ تو مجھ سے ممکن نہیں یہ آپ ہی کا عکس ہے۔ نور کا عکس روشن ہوتا ہے اور تاریکی کا عکس تاریک ہوتا ہے۔

ابلیس کا نماز کیلئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیدار کرنا

روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بار اپنے کمرے میں سو رہے تھے وہ لوگوں کی ملاقاتوں سے تھک گئے تھے۔اس لئے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرلیا تھا۔اچانک ایک شخص نے جگا دیا اور جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھلی تو غائب ہو گیا امیر معاویہ نے اپنے دل میں کہا کہ اس کمرے میں تو کوئی نہیں آسکتا تو پھر یہ کون تھا جس نے ایسی شرارت اور جرأت کی؟ آپ نے اس کی تلاش میں سارے کمرے کا چکر لگایا یہاں تک کہ آپ کو اس روپوش کا پتہ لگ گیا۔آپ نے کواڑ کے پیچھے ایک شخص کو دیکھا جو پردے سے اپنا منہ چھپائے ہوئے تھا۔آپ نے فرمایا! ہائیں تم کون ہو اور تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا نام الم نشرح ہے میں ابلیس ہوں۔آپ نے ابلیس سے پوچھا: کہ سچ سچ بتا تو نے مجھے کیوں جگایا؟ اور دیکھ کوئی غلط وجہ بیان نہ کرنا۔اس نے کہا کہ حضرت! نماز کا وقت ختم ہونے کو آیا اب آپ کو مسجد کو جانا چاہیے خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے وحدت کا موتی یوں پرویا ہے۔"عجلو الطاعات قبل الفوت "یعنی قبل اس کے وقت نکل جائے ادائے عبادت میں جلدی کرو۔

آپ نے فرمایا: کہ نہیں ابلیس یہ تیری غرض ہر گز نہیں ہو سکتی کہ تو نیکی کے کام میں میری رہنمائی کرے۔بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ تو چور کی طرح میرے گھر میں آئے اور کہے کہ میں پاسبان ہوں۔میں چور کی بات پر کیونکر یقین کرلوں؟ چور مزدوری کے فائدے کو کیا جانے ارے تو تو بڑا رہزن چور ہے اور تو مجھ پر اس قدر مہربان ہو جائے۔ ابلیس نے کہا کہ میں فرشتہ بھی رہ چکا ہوں اور اطاعت و عبادت کے راستے کو دل و جان سے طے کر چکا ہوں۔میں اہل سلوک کا ہم راز اور عرش کے رہنے والوں کا ہمدم

تھا۔ لہٰذا پرانی عادت ایک دم کیسے بدل جائے اور اس عادت کی محبت دل سے کیوں کر جاتی رہے؟ بزمانہ سفر چاہے تو روم دیکھے چاہے ختن دیکھے لیکن وطن کی محبت کا نقش دل سے کیوں کر مٹ سکتا ہے؟ ہم بھی اس شراب میں مست رہ چکے ہیں اور اس کی درگاہ عالی کے عاشقوں میں تھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ باتیں سچ تو ہیں لیکن یہ تیرے حصے کی نہیں لاکھوں لوگوں کو تو نے گمراہ کیا اور کوہل لگا کر خزانے میں گھس آیا۔ تو مجسم آگ ہے تجھے بغیر جلائے گزارہ نہیں اور وہ کون ہے جس کا دامن تیرے ہاتھ سے چاک نہیں۔ باتیں نہ بنا مجھ پر تیرا قبضہ ممکن نہیں ہے تو رہزن ہے اور میں مسافر بیوپاری ہوں تو مشتبہ مال کیسے ہی دھوکے سے لائے؟ بھلا میں کب خریدنے والا ہوں؟ اے فریبی! سچ سچ بتا تو نے کس مصلحت سے مجھے بیدار کیا؟ کیونکہ اب میرے ساتھ تیری یہ بہانہ بازی نہیں چلے گی۔ اپنی درخواست اپنی عرض صاف اور صحیح بیان کر۔ ابلیس نے کہا جو شخص فطرتاً بدگمان ہوتا ہے وہ باوجود سو قرینوں کے بھی سچائی کو قبول نہیں کرتا۔ ہر دل جس میں کچھ سوچ و بچار ہوتی ہے۔ جب اس کے سامنے کوئی دلیل یا بحث پیش کی جاتی ہے تو اس کے خیال کو اور تقویت ہو جاتی ہے۔

اے نیک مرد! خدا سے میرا رونا کیا رونا ہے تو اپنے ہی نفس کی شرارتوں کا رونا رو۔ تو حلوہ کھاتا ہے اس سے بوجہ فساد خون تجھے دنبل ہو جاتے ہیں۔ بخار آنے لگتا ہے اور طبیعت بگڑ جاتی ہے لیکن چونکہ تو اپنے کیے پر نظر نہیں رکھتا اس لئے ابلیس کو بے قصور لعنت کرتا ہے۔ امیر (معاویہ رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ جب تک سچ نہ کہے گا میں تجھے نہ چھوڑوں گا۔ اگر سچ بتائے گا تو میرے قبضے سے نجات پائے گا۔ ابلیس نے کہا اے سوچ بچار والے شک و شبہے سے لبریز! آپ سچ اور شبہے اور جھوٹ کو کیسے پہچانتے ہیں؟ امیر (معاویہ رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت

محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس کی پہچان بتائی ہے اور کھوٹے کھرے کی کسوٹی مقرر کر دی ہے اور وہ یہ کہ جھوٹ دلوں میں کھوٹ پیدا کرتا ہے اور سچ سے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ جب کہ جھوٹ سے دل کو تسکین نہیں ہوتی۔ سچی بات سے دل کو چین حاصل ہوتا ہے سچائی مرغ دل کی گرفتاری کیلئے دانہ ہے۔ میں نے اپنی عادت و کردار کو حرص و ہوا سے پاک کر لیا ہے۔ میں نے شہوت کے لقمے ترک کر دیئے ہیں۔ میرا ضمیر اتنا روشن ہو گیا ہے کہ سچ کو جھوٹ سے الگ کر لیتا ہے۔

اے ملعون کتے! (مردود) تو میرا جواب دے سچ کہہ اور جھوٹے بہانے مت کر اور بتا کہ تو نے مجھے کیوں بیدار کیا؟ حالانکہ اے دغا باز! تو بیداری کا دشمن ہے۔ تو تو خشخاش کی طرح خواب آور ہے بلکہ تو مثل شراب کے ہے کہ عقل کو غائب کر دیتا ہے۔ دیکھ میں نے تجھے چار میخ کر دیا ہے اب صاف صاف بتا۔ حیلے حوالے مت کر۔ سچ کو میں جانتا ہوں میں ہر شخص سے وہ بات سننا چاہتا ہوں جو اس کی طبیعت اور خصلت کے مطابق ہو چونکہ تو شیطان ہے اور شیطان غیر ہے اور میں تجھ سے یہ امید نہیں رکھتا کہ تو از راہ نیکی مجھے جگائے۔

الغرض! شیطان نے بہت سے جھوٹ بنائے مکر دینے کی کوشش کی لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابلیس کی ایک نہ سنی اور اس پر بہت تشدد کیا۔ ابلیس نے دانت چبا کر کہا کہ لے سن! اے شخص! ہاں! میں نے تجھے بیدار کیا تا کہ تو اپنے پیغمبر کی اتباع میں نماز جماعت میں داخل ہو۔ اگر تیری نماز کا وقت جاتا رہتا تو مارے درد و غم کے تیرے آنسوؤں کی مشکیں تیری دونوں آنکھوں سے چھوٹ جاتیں ہر شخص ایک قسم کی عبادت کا چسکا رکھتا ہے۔ اس کے بغیر گھڑی بھر صبر نہیں کر سکتا وہ تیرا درد و غم سو نمازوں کے برابر ہوتا۔ بھلا نماز میں اور اس فروتنی کی روشنی میں کیا نسبت؟ اگر تمہاری نماز اس وقت فوت ہو جاتی تو تم آہ و فغاں کرتے اس پشیمانی کی وجہ سے وہ افسوس اور وہ آہ

وزاری اور وہ فروتنی سوز کر اور سو نمازوں پر سبقت لے جاتی میں تو حاسد ہوں اور میں نے اسی حسد کی وجہ سے تجھے بیدار کیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اب تو نے ٹھیک بات بتائی۔ تیرا کام ہی یہی ہے اور تو اسی کے لائق ہے۔ تو مکڑی ہے اور مکھیوں کا شکار کرتا ہے۔ مگر اے کتے! میں مکھی نہیں ہوں میرے شکار کیلئے تکلیف نہ اٹھا۔ میں سفید باز ہوں اور مجھے بادشاہ ہی شکار کرتا ہے۔ بھلا مکڑی میرے گرد جالا کیسے بن سکتی ہے؟ تو نے جو مجھے بیدار کیا وہ تو سلانے کیلئے تھا اور تو نے جو کشتی دکھائی وہ گرداب تھا تو جو مجھے بھلائی کی طرف بلا رہا تھا وہ اس لئے تھا کہ تجھے افضل نیکی سے باز رکھے۔

ایک شخص کا موسیٰ علیہ السلام سے چوپایوں کی زبان سیکھنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک بار ایک نوجوان نے جانوروں کی زبان سیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ تاکہ وحشی و اہلی جانوروں کی آوازوں سے خدا کی معرفت حاصل کرے کیوں کہ بنی آدم علیہ السلام کی ساری زبانیں تو کھانے پینے اور مکر و فریب کے کاموں میں لگی رہتی ہیں۔ اس نے سوچا ممکن ہے کہ جانور اپنی شکم پروری کی اور کچھ تدبیر کرتے ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس ہوس سے باز آ۔ کیوں کہ اس میں طرح طرح کے خطرے ہیں بجائے کتاب و گفتار کے معرفت خدا سے طلب کر مگر جس قدر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس نوجوان کو منع کیا اس قدر اس کا شوق زیادہ ہو گیا اور قاعدہ ہے کہ جس کام سے منع کیا جائے اس کی رغبت بڑھ جاتی ہے۔ اس نے عرض کی کہ یا حضرت! جب سے آپ کا نور چمکا ہے ہر چیز کی استعداد کھل گئی ہے۔

مجھے اس مقصد سے محروم کرنا آپ کی مہر و محبت سے دوری ہے۔ آپ اللہ کے قائم مقام ہیں اگر مجھے اس تحصیل سے روک دیں تو میں مایوس ہو جاؤں گا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے خدائے بے نیاز! معلوم ہوتا ہے کہ اس عقل

مند آدمی کو شیطان مردود نے کھلونا بنالیا ہے۔ اگر اسے میں سکھادوں تو اس کے ساتھ برائی ہوتی ہے اور اگر نہ سکھاؤں تو اس کے دل کو صدمہ ہوگا۔ خدا کا حکم ہوا کہ اے موسیٰ! (علیہ السلام) تم اسے سکھاؤ کیوں کہ ہم نے اپنے کرم سے کبھی کسی کی دعا رد نہیں کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے نرمی سے سمجھایا کہ تیری مراد تو اب خود بخود حاصل ہوجائے گی لیکن بہتر یہی ہے کہ تو خدا سے ڈرے اور اس خیال سے باز رہے کہ یہ پٹی تجھے شیطان نے پڑھائی ہے۔ مفت کا دردسر مول نہ لے کیوں کہ یہ تحصیل تجھ کو ہزار آفتوں میں پھنسا دے گی۔

اس نے عرض کی کہ بہت اچھا سارے جانوروں کی بولی نہ سہی کتے کی بولی جو میرے دروازے پر رہتا ہے اور مرغ کی بولی جو گھر میں پلا ہے میں جان لوں تو یہی کافی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کہ اچھا لے آج سے ان دونوں کی بولی کا علم تجھ پر کھول دیا گیا۔ صبح سویرے وہ آزمائش کیلئے اپنے دروازے پر کھڑا ہوگیا۔ اس کی ماں نے دسترخوان بچھایا تو ایک باسی روٹی کا ٹکڑا کھانے سے بچ رہا تھا وہ نیچے گر پڑا مرغ تو تاک میں لگا ہوا تھا وہ فوراً اڑا لے گیا کتے نے شکوہ کیا کہ تو تو کچے گیہوں بھی چگ سکتا ہے۔ میں تو دانہ دنکا نہیں چگ سکتا۔ اے دوست! یہ ذرا سی روٹی کا ٹکڑا جو دراصل میرا حصہ ہے وہ بھی تو اڑا لیتا ہے۔ مرغ نے یہ سن کر کہا کہ ذرا صبر کر اور اس کا افسوس نہ کر کہ خدا تجھ کو اس سے زیادہ اچھا بدلہ دے گا۔ کل ہمارے مالک کا گھوڑا مر جائے گا پھر خوب پیٹ بھر کر کھائیو۔ گھوڑے کی موت کتے کی عید ہے بے کوشش ومحنت خوب رزق میسر آتا ہے۔

یہ سنتے ہی مالک نے گھوڑا لے جا کر بیچ ڈالا اور دوسرے دن جو دسترخوان بچھا تو مرغ پھر روٹی کا ٹکڑا لے اڑا اور کتے نے پھر شکایت کی اے باتونی مرغ! تو کیسا جھوٹا ہے ارے ظالم تو نے کہا تھا کہ گھوڑا مر جائے گا گھوڑا کہاں مرا تو سیاہ بخت اور سچائی سے

محروم ہے۔ باخبر مرغ نے جواب دیا کہ وہ گھوڑا دوسری جگہ مر گیا۔ مالک گھوڑا بیچ کر نقصان سے بچ گیا اور اپنا نقصان دوسروں پر ڈال دیا لیکن کل اس کا اونٹ مر جائے گا تو پھر کتوں کے مزے ہیں۔

یہ سن کر فوراً مالک نے اونٹ کو بھی بیچ ڈالا اور مرنے کے غم اور نقصان سے نجات پائی۔ تیسرے دن کتے نے مرغ سے کہا۔ اے جھوٹوں کے بادشاہ! کب تک جھوٹ بولے جائے گا۔ ارے نا اہل! تو بالکل ہی فریبی مرغ ہے مرغ نے کہا اس نے جلدی کر کے اونٹ تو بیچ ڈالا لیکن کل اس کا غلام مرے گا اور اس کے اقرباء حاضری کی روٹیاں فقیروں کو دیں گے اور کتوں کو بھی خوب ملیں گی یہ سنتے ہی مالک نے غلام کو بھی بیچ ڈالا اور نقصان سے بچ کر بہت خوش ہوا۔ وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا اور شکر پہ شکر کرتا تھا کہ میں تابڑ توڑ نقصانات اور حادثات سے بچ گیا ہوں۔ جب سے مجھے مرغ اور کتے کی بولیاں آگئی ہیں۔ اس وقت سے میں نے فرشتہ قضاء کی آنکھیں بند کر دی ہیں۔

چوتھے دن اس بے آس کتے نے کہا کہ اے بڑ بولے! فضول گو مرغ! وہ تیری پیشین گوئیاں کیا ہوئیں؟ یہ تیرا مکر و فریب کب تک چلے گا؟ تیرے ٹاپے سے تیرا جھوٹ باہر نکلا ہے۔ اس نے کہا توبہ توبہ میں اور میری قوم اور ذلیل جھوٹ بولے بھلا یہ کب ہوسکتا ہے۔ ہماری قوم مؤذن کی طرح راست گفتار ہے اصل یہ ہے کہ وہ غلام خریدار کے پاس جا کر مر گیا اور خریدار کا نقصان ہوا۔ مالک نے خریدار کا مال تو برباد کرایا لیکن خوب سمجھ لے کہ اب خود مالک کی جان پر آ بنی۔ ایک نقصان سینکڑوں نقصانوں کو دفع کر دیتا ہے۔ جسم و مال کو بچاتا ہے حالانکہ اگر وہی مال تجھ پر سے صدقے ہو جائے تو وہی نقصان تیرا فائدہ بن جائے۔ اب کل یقیناً خود مالک ہی مر جائے گا اور اس کے ورثہ فاتحہ میں گائے قربان کریں گے۔ لے پھر تو خوب مزے مزے کے مال کھانا روٹیاں دستر خوان کا جھوٹا اور قسم قسم کا لذیذ کھانا گائے کے گوشت کے

قورمہ اور چپاتیاں فقیروں اور مسکینوں سے لے کر کتوں تک کو ڈالی جائیں گی۔ گھوڑے اونٹ اور غلام کی موت اس بے وقوف مغرور کی جان کا بدلہ تھا۔ مال کے نقصان اور اس کے غم سے تو بچ گیا اور مال بھی جمع کر لیا لیکن اپنی جان گنوائی۔

مالک مرغ کی پیشین گوئی کو کان لگا کر سن رہا تھا۔ یہ سنتے ہی حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے دروازے پر پہنچا مارے خوف کے زمین میں ناک رگڑنے لگا اور کلیم اللہ سے فریاد کرنے لگا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کہ جا اب اپنے آپ کو بھی بیچ کر نقصان سے بچ جا تو تو اس کام میں بڑا مشاق استاد ہو گیا ہے۔ اس دفعہ بھی اپنا نقصان دوسرے مسلمانوں کے متھے مار اور اپنی تھیلیوں کو اور زیادہ سے زیادہ بھر لے۔ یہ امر جو تجھے آئینے میں اب نظر آ رہا ہے۔ میں اس کو پہلے ہی اینٹ میں دیکھ چکا تھا۔ آنے والی مصیبت کو عاقل پہلے سے دیکھ لیتا ہے اور نادان بالکل آخر میں دیکھتا ہے۔

اس نے دوبارہ رونا دھونا شروع کیا اور کہا صاحب کرم! مجھے مایوس نہ فرمایئے بلکہ رحمت و کرم کا امیدوار بنایئے۔ مجھ سے تو نا مناسب حرکت ہوئی لیکن آپ معاف فرمایئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا! کہ اے فرزند! جب تو چلے تو تیر نکل چکا اور تیر کے واپس آنے کا دستور نہیں۔ البتہ! میں اس کی عدالت گاہ سے درخواست کرتا ہوں کہ مرتے وقت با ایمان مرے۔ جو ایماندار مرے وہ زندہ رہتا ہے اور جو ایمان ساتھ لے جا کے مرے وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ اسی وقت اس کی طبیعت بگڑ گئی۔ دل پلٹ ہونے لگا ایک طشت میں قے کی وہ قے موت کی تھی ہیضے کی نہ تھی۔ چار آدمی اٹھا کر گھر لے گئے۔ ایسے حال میں کہ اس پر تشنج طاری تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس صبح کو مناجات میں عرض کی کہ اے خدا! اسے ایمان سے بے نصیب نہ فرما تو اپنی بادشاہی کے صدقے میں اس پر بخشش فرما یہ گستاخی و زیادتی اس نے بھولے سے کی تھی۔ ہر چند میں نے اس سے کہا تھا کہ یہ علم تیرے لائق نہیں ہے لیکن وہ میری

نصیحت کو ٹالنے کی بات سمجھا خدائے بزرگ نے اس شخص پر رحم فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا۔

﴿ایک پیاسے کا دیوار کی اینٹ توڑ کر ندی میں پھینکنا﴾

ایک ندی کے کنارے بلند دیوار تھی اس پر ایک پیاسا بیٹھا تھا اور پیاسا بھی مرض استسقاء (تونس) کا بیمار برے حال پانی پر دموں دیوانہ نہایت پریشان اور بے اوسان بیٹھا۔ وہ دیوار پانی تک پہنچنے میں حائل تھی رکاوٹ بنی ہوئی تھی اور وہ مارے پیاس کے براحال اور بے قرار تھا۔ اس نے دیوار کی ایک اینٹ اکھاڑ کر پانی میں پھینکی تو پانی کی آواز کان میں آئی۔ وہ آواز بھی اسے ایسی میٹھی اور سریلی محسوس ہوئی جیسے عاشق کو اپنے معشوق کی آواز لگتی ہے۔ اسی ایک آواز نے شراب کی سی مستی پیدا کر دی۔ اس مصیبت زدہ کو پانی کی آواز میں اس قدر مزا آیا کہ دیوار سے اینٹیں اکھیڑ اکھیڑ کر پانی میں پھینکنے لگا۔ پانی تو زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ ارے بھلے مانس! بھلا مجھے اینٹیں مارنے سے تجھے کیا فائدہ؟

پیاسا بھی زبان حال سے اس کا جواب دے رہا تھا کہ میرے اس میں دو فائدے ہیں کہ جتنی اینٹیں میں اس کی اکھیڑ کر پھینکتا ہوں اتنا ہی صاف شفاف پانی کے قریب ہوتا جاتا ہوں کیونکہ اس اونچی دیوار پر جس قدر اینٹیں اکھڑتی جائیں گی اس قدر دیوار نیچے ہوتی جائے گی۔ لہٰذا دیوار کی پستی موجب قرب اور اس کے فعل ہی سے وصل کی تدبیر ہوتی ہے۔

سجدہ کیا ہے؟ اینٹوں کی چنائی کا اکھیڑنا ہے جو بہ دلیل آیۂ کریمہ "و اسجد و اقترب" موجب قربت ہے۔ جب تک اس دیوار کی گردن بلند ہے سر کو جھکانے نہیں دیتی۔ لہٰذا تاوقتیکہ تو اس تن خاکی سے نجات نہ حاصل کر لے آب حیات (یعنی زندگی

دوام) کے آگے سجدہ نہیں کرسکتا۔

اے فرزند! اس جوانی کو غنیمت جان سر جھکا اور (اپنی دیوار کے) ڈھیلوں اور اینٹوں کو اکھیڑ قبل اس کے کہ بڑھاپے کے دن آجائیں اور تیری گردن بٹی ہوئی رسی میں بندھ جائے اور بری عادتوں کی جڑیں ایسی مضبوط ہو جائیں کہ ان کے اکھیڑنے کی طاقت ہی نہ رہے۔

کسی چاہنے والے کا اپنے مطلوب کے سامنے خط پڑھنا

ایک شخص کو اس کے معشوق نے اپنے سامنے بلا کر بٹھایا۔ اس نے جیب سے خط نکال کر معشوق کے سامنے پڑھنا شروع کیا۔ اس خط میں بہت سے اشعار معشوق کی مدح وثناء اپنی بے تابی و بے قراری سب عزیزوں دوستوں سے بیزاری معشوق سے دوری اور ہجر کی تکلیف اپنے پیغام اور پیغامبر کا ذکر پوری تفصیل سے تھا۔ یہ عشقیہ مضمون دیر تک پڑھتا رہا۔ معشوق نے کہا کہ اگر یہ خط تو مجھے سنا رہا ہے تو وصل کے موقع پر اپنی عمر ضائع کر رہا ہے میں تیرے سامنے موجود ہوں اور تو خط پڑھنے میں مصروف ہے یہ چال ڈھال عاشقوں کی نہیں۔ اس نے کہا اگرچہ تو موجود ہے لیکن میں نے اگلے سال جو توجہ تیری دیکھی تھی وہ اس وقت نہیں ہے۔ اب میں چشمہ تو دیکھ رہا ہوں مگر اس میں پانی نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چشمے تک پہنچنے کا راستہ ڈاکوؤں نے روک لیا ہے۔ معشوق نے کہا کہ بس تو میں تیرا معشوق نہیں۔ میں بغداد میں ہوں اور تیری مراد خراسان میں ہے۔ تو مجھ پر عاشق ہے اور میرے حال پر بھی عاشق ہے درآں حالیکہ حال تیرے اختیار میں نہیں۔ پس فقط میں تیرا مقصود نہیں ہوں۔ لہٰذا میں تیرا معشوق نہیں بلکہ معشوق کا گھر ہوں حالانکہ عشق اصل چیز سے ہوتا ہے اس کے صندوق سے نہیں ہوتا۔

﴾ایک شخص کا بے محنت روزی حلال طلب کرنا﴿

ایک شخص حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں روزانہ یہ دعا کرتا تھا کہ اے خدا! مجھے بے محنت روزی روزانہ عطا فرما۔ جب تو نے مجھے کاہل بیمار اور ناکارہ پیدا کیا ہے تو زخمی پیٹھ والے گدھوں پر گھوڑوں اور اونٹوں کا بوجھ نہیں لادا جا سکتا مجھے بے محنت و مشقت غیب سے ایسی روزی دے کہ میں سوائے تجھ سے مانگنے کے اور کوئی کوشش نہ کرنے پاؤں۔

بہت دن تک برابر یہی دعا کرتا رہا۔ مخلوق اس کی لا حاصل طمع اور خدا سے زور آزمائی کرنے پر ہنستی تھی۔ کہ یہ لمبی داڑھی والا بندہ کیا بکتا رہتا ہے؟ کسی نے اس کو بھنگ تو نہیں پلا دی۔ روزی حاصل کرنے کا طریقہ محنت و مشقت ہی ہے؟ اس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا۔ اس زمانے کے بادشاہ اور پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام تھے جو بڑے صاحب کمال تھے لیکن ایسی شان و شوکت اور خدارسی کے باوجود خدا نے ان کی روزی محنت و مشقت پر منحصر کی تھی۔ جب تک آپ زرہ تیار کرنے کی تکلیف نہ اٹھاتے تو آپ کو روزی میسر نہ آتی تھی۔ اس پر بھی ایک معمولی نکما آدمی اپنی حماقت سے یہ چاہے کہ بغیر محنت کے روپے سے اپنا دامن بھر لے ایسا خزانہ تو دنیا میں کسی کو نہیں ملا۔ بھلا آسمان پہ بے سیڑھی کے کون چڑھا ہے؟ کوئی مذاق میں کہتا کہ ہمیں خوشخبری مل چکی جا اور اپنا خزانہ لے لے کوئی کہتا کہ حضرت اگر خزانہ ہاتھ لگے تو کچھ ہمیں بھی دینا لیکن وہ دھن کا پکا لوگوں کے طعن و مذاق اڑانے سے بھی اپنی دعا اور گڑگڑانا کم نہ کرتا تھا۔ جب اس نے دعاؤں کا تار باندھ دیا تو آخر اس نے جو سب کی سنتا ہے اور مرادیں بر لاتا ہے۔ دعا سنی چاہے دعا ناگوار ہی کیوں نہ ہو اور چاہے جلد بازانہ ہی ہو۔ لیکن آخر کار مانگنے والا ضرور پاتا ہے۔

ایک دن صبح سویرے وہ شخص بہت ہی آہ وزاری کر کے اپنی دعا کو رٹ رہا تھا کہ

یکا یک ایک گائے نے سینگ مار کر دروازہ توڑ ڈالا اور گھر میں گھس آئی۔ گائے تو بے جھجک اس کے گھر میں آ پہنچی اس نے جلدی سے اٹھ کر اس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے اور اس کے بعد بلا تامل اسے ذبح کر کے فوراً قصاب کے پاس لے گیا کہ وہ اس کی کھال اتار کر صاف کر دے۔

گائے کے مالک نے اپنی گائے دیکھ لی اور چلایا کہ ہائیں میری گائے تو بدک کر نکل گئی تھی! تو بتا تو نے اس کو ایسے کیسے مار ڈالا۔ ارے بھولے بدمعاش! چل عدالت میں فیصلہ ہوگا۔ اس نے گائے کے مالک کو جواب دیا کہ میں اپنے رب سے بے محنت روزی طلب کرنے کی دعا کرتا تھا سو آج میری دعا قبول ہوگئی اور یہ گائے میرے گھر کا دروازہ توڑ کر اندر آ گئی چونکہ یہ میرا رزق تھا برسوں سے میرا کام دعا مانگنا تھا جب میں نے گائے کو دیکھا تو میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اس کو ذبح کر ڈالا۔ بس یہی جواب ہے میرا۔ گائے کا مالک مارے غصے کے لال پیلا ہوگیا اور اس کا گریبان پکڑا اور منہ پر چند گھونسے مارے اور اس کو اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس پکڑ کر لے گیا کہ اے ظالم! چل تجھے اپنے کیئے کی سزا دلاؤں۔ ارے دغاباز! یہ دعا دعا کیا بکتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے بہت دعائیں مانگیں اور اس خوشامد میں مدتوں اپنا خون آپ پیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میری یہی دعا قبول ہوئی ہے۔ مالک نے تو چیخنا شروع کر دیا کہ اے مسلمانو! ذرا یہاں آؤ اور اس کی بکواس تو سنو یہ دعا مانگ کر میرا مال ہڑپ کرنے کا حق جتاتا ہے۔ اگر دنیا میں یہی قانون ہوتا تو لوگ کام کیوں کرتے؟ محنت کیوں کرتے؟ خالی دعا کر کے دولت کے مالک بن جاتے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو سارے اندھے فقیر دولت مند امیر بن جاتے وہ بھی تو رات دن یہی دعا کرتے ہیں کہ اے الٰہی! تو ہم اندھوں کو دے اور اندھوں کی محنت و مشقت سوائے گڑگڑانے کے اور دعا مانگنے کے اور کیا ہے؟ لیکن بھیک میں سوائے پانی اور روٹی کے انہیں اور کیا ملتا

ہے۔

لوگوں نے جب یہ سب سنا تو کہا کہ یہ مسلمان بات تو صحیح کرتا ہے اور یہ دعا فروش ظالم ہے۔ بھلا ایسی دعاؤں سے کوئی دولت مند کیسے ہوسکتا ہے؟ اور ایسا فعل شریعت کی حدود میں کیوں کر آ سکتا ہے؟ کوئی شخص کسی چیز کا مالک اسی حالت میں ہوسکتا ہے کہ یا خریدے یا بھیک سے حاصل کرے یا وصیت میں پائے یا کوئی خوشی خوشی دے دے۔ بس تو پھر یہ آدمی یا تو گائے واپس کرے یا قید خانے کی سزا بھگتے۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ کر یہ کہنے لگا کہ اے رحیم وکریم! میں نے مدتوں اسی آرزو میں دعائیں کیں ہیں اور سوائے تیرے ان سے کوئی واقف نہیں تو نے ہی میرے دل میں دعا ڈالی۔ سینکڑوں امیدوں کے چراغ روشن کیے۔ میں نے وہ دعائیں خالی خولی نہیں کی تھیں بلکہ یوسف کی طرح کتنے ہی خواب دیکھے تھے۔ اس دغا باز نے مجھے اندھا کہا ہے اے خدا! یہ اس کا قیاس ابلیسانہ ہے بھلا میں نے اندھے پن سے دعا کب کی ہے؟ میں نے سوائے خدا کے کسی سے بھیک نہیں مانگی۔ اندھا تو اپنی نادانی کی بناء پر مخلوق سے سوال کرتا ہے مگر میں نے تجھ سے سوال کیا کہ تجھ پر ہر دشوار آسان ہے۔ مخلوق میرے بھید میرے راز کو نہیں جانتی اور میری بات کو بے ہودہ مانتی ہے بکواس کہتی ہے کہ وہ بھی سچ کہتی ہے کیوں کہ سوائے بھیک کے جاننے والے اور عیبوں کو چھپانے والے کے اور دوسرا کون ہے کہ غیب داں ہو۔

مدعی نے کہا کہ اے بیوقوف! میری طرف دیکھ کر بات کر یہ آسمان کی طرف کیا تکتا ہے؟ کیا ڈرامہ رچا رہا ہے؟ دھوکے سے اپنی خدارسی جتا رہا ہے۔ جب تیرا دل ہی مردہ ہے تو پھر کس لئے آسمان کی طرف دیکھتا ہے؟ غرض اس واقعے سے سارے شہر میں ہلچل مچ گئی۔ اور اس دعا کرنے والے نے زمین پر سجدے میں سر رکھ دیا کہ اے خدا! اپنے اس بندے کو بدنام نہ کر۔ اگر میں برا بھی ہوں تو میری برائی ان تمام لوگوں

کے سامنے فاش نہ کر تو جانتا ہے کہ طویل طویل راتوں میں کس عجز وزاری کے ساتھ تجھے پکارتا ہوں۔ اگر میری عبادت کی قدر مخلوق کو نہیں تو نہ سہی مگر تجھ کو تو معلوم ہے اے خدا! یہ لوگ مجھ سے گائے طلب کرتے ہیں تو نے گائے کیوں بھیجی؟ اس میں میری کوئی خطا نہیں تھی۔

جب حضرت داؤد علیہ السلام تشریف لائے اور غل غپاڑہ سنا تو پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ مدعی نے آگے بڑھ کر ساری کہانی سنائی اور کہا کہ اب آپ اس سے دریافت کریں کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے پوچھا کہ اے شخص! تو بتا کہ تو نے اس کی گائے کو کیوں ذبح کر ڈالا؟ واہی تباہی نہ بک اور اصل بات بیان کر تا کہ فیصلہ کیا جا سکے۔ اس نے عرض کی کہ اے داؤد! میں سات سال دن رات یہی دعا مانگتا تھا کہ اے کریم ورحیم! مجھے روزی حلال بے محنت عطاء فرما۔ شہر کی ساری خلقت کیا مرد اور کیا عورتیں سب واقف ہیں اور بچے تک اس بات کی ہنسی کیا کرتے تھے آپ اس بات کی تصدیق کسی سے بھی کر سکتے ہیں کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ اتنی مدت کی دعاؤں کے بعد ایک دن گائے میرے گھر آ گئی میری آنکھوں میں اندھیری آ گئی اس لئے نہیں کہ رزق مل گیا بلکہ اس خوشی میں کہ میری برسوں پرانی دعا قبول ہو گئی میں نے گائے ذبح کر ڈالی کہ خدا کے شکر میں فقیروں میں تقسیم کر ڈالوں۔

جس نے میرے دل کی مراد پوری کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ ان باتوں کو چھوڑ کر اگر کوئی شرعی دلیل ہے تو وہ بیان کر کیا تو چاہتا ہے کہ میں کسی معقول دلیل کے بغیر کوئی ایسا فیصلہ کر دوں کہ شریعت میں باطل قانون چل پڑے۔ تجھے وہ گائے کسی نے بخشی یا تو نے خریدی تھی جو تو اس کا مالک بن گیا۔ بس ایسی باتیں مت کر اس مسلمان کو اس کی قیمت ادا کر اور اگر پاس رقم نہیں تو قرض لے کر دے۔ اس نے کہا کہ اے بادشاہ! تم بھی یہی کہتے ہو جو یہ سب کہتے ہیں۔ پھر اس نے سچے دل سے

آہ کی اور کہا کہ اے میرے سوز دل کے جاننے والے! تو ہی داؤد کے دل میں روشنی ڈال۔ یہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا دل ہل گیا۔ داؤد علیہ السلام نے کہا کہ اے گائے والے! آج کے دن مہلت دے اور مقدمہ ملتوی کرتا کہ خلوت میں جا کر نماز پڑھوں اور یہ احوال اس راز جاننے والے سے دریافت کروں میرا خلوت میں نماز کیلئے جانا تعلیم خلق کا راستہ ہے۔

پھر داؤد علیہ السلام چپ چاپ تنہائی میں چلے گئے۔ آپ نے دروازہ بند کر دیا اور محراب میں جا کر دعا میں مصروف ہوئے جتنا بتانا تھا خدا نے بتا دیا اور داؤد علیہ السلام اس مقدمے کے طریق سزا سے واقف ہو گئے دوسرے دن مدعی و مدعا علیہ داؤد علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے پھر مقدمہ شروع ہوا اور مدعی نے سخت گالی گلوچ شروع کی کہ پیغمبر برحق کے عہد میں ایسا ظلم صریح ہو رہا ہے کہ گائے کو مار کر کھا گیا اور جواب دہی کے موقع پر اپنی خدارسی کا فریب دیتا ہے۔ اے خدا کے رسول! کیا یہ جائز ہے کہ گائے میری ملک تھی وہ خدا نے اسے دے دی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا کہ خاموش ہو جا اور اس کا پیچھا چھوڑ دے اور اس مسلمان کو اپنی گائے معاف کر دے۔ اے جوان! جب کہ خدا نے تیرے گناہ کو پوشیدہ کیا ہے تو تو بھی اس کی ستاری کا حق ادا کر اور صبر کر لے۔ اس نے واویلا مچانا شروع کر دیا کہ یہ کیا حکم اور انصاف ہے کہ مجھ غریب کے لئے نیا قانون وضع کیا۔ اے داؤد علیہ السلام! تمہارے عدل وانصاف سے تو زمین وآسمان مہک رہے ہیں لیکن جو ستم مجھ پر ہوا ہے ایسا اندھے کتوں پر بھی نہ ہوا ہوگا۔ اس زیادتی سے پہاڑ اور پتھر بھی شق ہو جائیں گے۔ وہ اس طرح کی شکایتیں اعلانیہ کر رہا تھا اور ظلم ظلم پکار رہا تھا۔ اے نبی! علیہ السلام دیکھو مجھ پر اس طرح کا ظلم نہ کرو اور خلاف انصاف حکم نہ دو۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ سب سن کر حکم دیا کہ ارے بدمعاش! اپنا سارا مال

اس کے حوالے کر دے ورنہ تیرا معاملہ سخت ہو جائے گا اور تیرا ستم اس پر بھی آشکار ہو جائے گا۔اس نے اپنے پر خاک ڈالی کپڑے پھاڑ ڈالے اور کہا کہ آپ نے تو ظلم میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ جب وہ پھر بھی باز نہ آیا تو حضرت داؤد نے اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا: کہ اے سیاہ بخت! چونکہ تیری تقدیر درست نہیں اس لئے تیرے ظلم کا نتیجہ آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہا ہے۔ دیکھ! تو اس واویلے سے باز آ جا کہیں یہ تیری ہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔ جا تیرے بچے اور بیوی اس کے لونڈی غلام بنا دیئے گئے وہ دونوں ہاتھوں سے پتھر لے کر اپنا سینہ کوٹنے لگا اور اپنے جہل سے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ مخلوق بھی یہ حال دیکھ کر ترس کھانے لگی کیوں کہ وہ اصل حقیقت اور احکام سے ناواقف تھی۔

سب طرف سے لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اے شفیق نبی اللہ! آپ علیہ السلام کی ذات سے ایسا ظلم نہیں ہونا چاہیے۔آپ ایک بیگناہ پر بلاوجہ غصہ کر رہے ہیں۔حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا کہ اے دوستو! اب وہ وقت آن پہنچا کہ اس کا چھپا ہوا بھید ظاہر ہو سب ملکر ہمارے ساتھ فلاں جنگل میں دریا کے کنارے چلو بلکہ سب عورت مرد مل کر گھروں سے نکلو تا کہ تم سب اس پوشیدہ راز سے واقف ہو جاؤ۔اس جنگل میں ایک بہت بڑا اور گھنا درخت ہے جس کی ڈالیوں سے ڈالیاں ملی ہوئی ہیں۔ وہ بہت تناور درخت ہے اس کی جڑ سے بوئے خون آتی ہے۔اس تناور درخت کے نیچے ایک آدمی کا خون کیا گیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس بدبخت نے اپنے مالک کو قتل کر کے اس میں ڈال دیا ہے۔

یہ گائے والا دراصل مقتول کا غلام ہے۔اس نے اپنے مالک کو قتل کر کے سارا مال لے لیا ہے۔ یہ جوان مدعا علیہ اسی مقتول کا فرزند ہے۔ یہ اس وقت بالکل ناسمجھ بچہ تھا اس لئے اس بات سے بے خبر ہے۔اب تک تو خدا کے حکم نے اس کے ظلم کو پوشیدہ

رکھا تھا لیکن آخر میں اس کی بے حمیت کی ناشکری اس حد کو پہنچی کہ اپنے مالک کے بچوں کو دیکھنا تک چھوڑ دیا نہ تو روز ان کو ملتا اور نہ ہی عید کے دن ملاقات کی۔ ان بے کسوں کو کبھی ایک لقمہ کھانا نہ دیا اور حقوق قدیم کو بالکل بھول گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک ادنیٰ گائے کیلئے اپنے مالک کے بچے کو زمین پر پچھاڑ ڈالتا ہے۔ اس نے اپنے گناہ کا پردہ خود ہی فاش کیا ہے۔ ورنہ شاید خدا اس کا جرم چھپا لیتا۔

اس ظلم کے زمانے میں فاسق اور ظالم لوگ اپنے ظلم کا پردہ خود ہی فاش کرتے ہیں۔ جب سب لوگ اس جنگل میں پہنچے تو حضرت داؤد علیہ السلام نے حکم دیا کہ مدعی کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں پھر اس سے فرمایا: کہ اے کتے! پہلے تو نے دادا قتل کیا اس کی سزا میں تو مقتول کا غلام بنایا گیا اس کے بعد اپنے مالک کو قتل کر کے سب مال پر قبضہ کر لیا۔ تیری بیوی اس مقتول کی لونڈی تھی اس نے بھی اپنے مالک پر جفائیں کی ہیں لہٰذا اب جو لڑکے لڑکیاں اس کے ہاں پیدا ہوں وہ سب اس کی ملکیت ہیں اور تو بھی اس کا غلام ہے۔ جو کچھ تو نے کمایا سب اس کی ملکیت ہو گی چونکہ تو نے مطابق شرع فیصلہ چاہا تھا۔ لہٰذا یہ تیرا فیصلہ ہوا جا اور اس کی تعمیل کر۔ تو نے اپنے مالک کو اس جگہ بڑی ہی بے دردی سے قتل کیا اور اسی جگہ تیرے مالک نے تیری منت وسماجت کی اسی جگہ تو نے اپنی چھری پردہ فاش ہونے کے خوف سے زمین میں دفن کر دی تھی اے لوگو! زمین کو کھود کر دیکھو! مالک کا سر چھری کے ساتھ دفن ملے گا۔ اس چھری پر اس کا نام لکھا ملے گا۔ جب زمین کھودی گئی تو اصل حقیقت سب کے سامنے آ گئی اور لوگوں میں شور پیدا ہوا لوگوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے معافی مانگی اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے حکم دیا کہ اے فریادی آ اور اپنی داد فریاد کا نتیجہ دیکھ پھر اس چھری سے قاتل کو قصاص میں قتل کیا۔

خدا اپنے بندوں کے ساتھ بہت رعایت کرتا ہے لیکن جب بات حد سے گزر جاتی

ہے تو رسوا کر دیتا ہے۔ جب خود مدعی کے دعوے سے اصل راز معلوم ہو گیا اور حضرت داؤد کا معجزہ دوٹوک ثابت ہوا تو سارے لوگ سر برہنہ حاضر ہوئے اور سب نے مل کر بڑی عاجزی سے عرض کی ہم فطرتی اندھے تھے اس لئے آپ نے جو کچھ بتایا ہم نے اس کا اعتبار نہ کیا آپ ہمیں معاف فرما دیں۔ ایک ظالم مارا گیا اور ایک جہان زندہ ہو گیا اور ہر شخص کا خدا پر ایمان تازہ ہو گیا۔

اے عزیز! تو بھی اپنے نفس کو قتل کر کے ایک جہان کو زندہ کر۔ گائے کا مدعی تیرا ہی نفس ہے جس نے اپنے کو امیر اور بڑا آدمی بنا لیا ہے اور وہ گائے کو ذبح کرنے والا تیری عقل ہے۔ تن کی گائے کو ذبح کرنے والے سے مخالفت وانکار نہ کر۔ عقل مقید اور خدا سے ہمیشہ بے رنج ومحنت روزی حلال کی طالب ہے تو جانتا ہے کہ خدا کی بے محنت روزی کس کو ملتی ہے؟ اسے جو گائے یعنی نفس کی خواہش کو ذبح کر دے۔ عقل سلیم اصل وارث بے کس اور بے سروسامان رہ گئی ہے اور خود غرض بے درد نفس مالک وسردار بن گیا تو جانتا ہے کہ روزی بے محنت کیا ہوتی ہے؟ وہ روح کی غذا اور رزق پاک ہے لیکن وہ گائے کی قربانی پر موقوف ہے۔ لہٰذا اے جستجو کرنے والے! تو گائے کے قتل کو ایک چھپا ہوا خزانہ سمجھ۔

دور بیں اندھا، تیز سننے والا بہرا اور دراز دامن ننگا

بچے بہت سے من گھڑت قصے کہتے ہیں ان کہانیوں میں پہیلیوں میں بہت سے راز اور نصیحتیں ہوتی ہیں اور فضول باتیں بھی لیکن تو انہی ویرانوں میں سے خزانہ تلاش کر۔

ایک بڑا گنجان شہر تھا کوئی دس شہروں کے آدمی اس ایک شہر میں آباد تھے لیکن وہ سب کے سب تین ہی قسم کے نادان تجربہ کار تھے ایک تو وہ کہ دور کی چیز دیکھتا تھا مگر آنکھوں سے اندھا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دیدار سے اس کی آنکھیں بے نصیب تھیں لیکن

چیونٹی کے پاؤں دیکھ لیتا تھا۔ دوسرا بہت تیز سننے والا مگر بالکل بہرا تھا اور تیسرا جسم ننگا جیسے چلتا پھرتا ہوا مردہ لیکن اس کے کپڑوں کے دامن بہت لمبے لمبے تھے۔

اندھے نے کہا دیکھو! ایک گروہ آرہا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ کون سی قوم ہے اور اس میں کتنے آدمی ہیں؟ بہرے نے کہا کہ دیکھو وہ لوگ نزدیک پہنچ گئے ارے جلدی اٹھو مار پیٹ یا پکڑ دھکڑ سے پہلے ہی نکل بھاگیں بہرے نے کہا کہ ہاں ان کے پیروں کی چاپ نزدیک ہوتی جاتی ہے۔ اے دوستو! ہوشیار ہو جاؤ۔ ننگے نے کہا بے شک بھاگو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ میرا دامن کتر لیں میں تو بالکل ہی خطرے میں ہوں۔

غرض! تینوں شہر سے بھاگ کر باہر نکلے اور ایک گاؤں میں پہنچے اس گاؤں میں انہوں نے خوب موٹا تازہ مرغ پایا لیکن ہڈیوں کی مالا کے ذرا سا بھی گوشت اس میں نہ تھا۔ اندھے نے اسے دیکھا بہرے نے اس کی آواز سنی اور ننگے نے پکڑ کر دامن میں لے لیا۔ وہ مرغ مر کر خشک ہو گیا تھا اور کوے نے اس میں چونچیں ماری تھیں۔ ان تینوں نے ایک دیگ منگوائی جس کا نہ دہانہ تھا نہ پیندا بس اس کو چولہے پر چڑھا دیا۔ ان تینوں نے وہ موٹا تازہ مرغ دیگ میں ڈالا اور پکانا شروع کیا اور اتنی آنچ دی کہ ساری ہڈیاں گل کر حلوا ہو گئیں پھر جس طرح شیر اپنا شکار کرتا ہے اسی طرح ان تینوں نے وہ مرغ کھایا ہر ایک نے ہاتھی کی طرح سیر ہو کر کھایا۔ وہ تینوں اس ایک مرغ کو کھا کر بہت بڑے گراں ڈیل ہاتھی کی طرح موٹے تازے ہو گئے۔ ان کا موٹاپا اتنا بڑھا کہ ہر ایک چوڑے چکلے پن کی وجہ سے جہاں میں نہ سماتا تھا مگر اس موٹاپے کے باوجود وہ دروازے کے سوراخ میں سے نکل جاتے تھے۔

مخلوق کو ہوکا ہو گیا ہے کہ دنیا کی ہر شے پیٹ میں اتارے اور کھا کھا کر خوب موٹی ہو جائے خواہ وہ چیز جو ظاہر میں چرب اور اچھی نظر آتی ہے حقیقت میں کیسی ہی گندی اور ناجائز کیوں نہ ہو اسے پیٹ بھرنے سے کام ہے لیکن دوسری طرف تو بات یہ ہے کہ اسے موت کے راستے پر چلے بغیر چارہ نہیں اور یہ وہ عجیب راستہ ہے کہ دکھائی نہیں

دیتا ایک قافلے کے قافلے دروازے کے روزن سے نکلے جاتے ہیں اور وہ روزن دکھائی نہیں دیتا بلکہ خود اس دروازے کا پتہ نہیں چلتا جس کے روزن سے یہ قافلہ گزرا چلا جاتا ہے۔ اس قصے میں امید کی مثال بہرے کی ہے کہ ہماری موت کی خبر تو سنتا ہے مگر اپنی موت کی خبر نہیں سنتا ہے نہ اپنے کو گزرتا ہوا دیکھتا ہے۔ حرص کی مثال اندھے کی ہے کہ مخلوق کے ذرا ذرا سے عیب کو دیکھتا ہے اور کوچہ بہ کوچہ تشہیر کرتا ہے لیکن اس کی اندھی آنکھ اپنا عیب ذرہ برابر بھی نہیں دیکھتی اور ننگا ڈرتا ہے کہ کہیں اس کا دامن نہ کتر لیں تو بھلا ننگے کے پاس دھرا ہی کیا ہے جو اس کا دامن کترا جائے گا یہ دنیا دار شخص ہے دنیا میں ننگا آیا ہے اور ننگا ہی جاتا ہے مگر ساری عمر چوری کے غم میں اس کا جگر خون رہتا ہے۔ ایسا آدمی اپنی موت کے وقت اور بھی واویلا مچاتا ہے لیکن اس وقت خود جان بھی خوب ہنستی ہے کہ زندگی میں یہ شخص کسی چیز کا خوف کھایا کرتا تھا اس گھڑی روپے والے کو تو معلوم ہوتا ہے کہ دراصل وہ بالکل مفلس تھا اور صاحب حس کو پتہ چلتا ہے کہ زندگی کیسی بے ہنری میں گزری؟

سارے علوم کی جان یہ ہے کہ تو جانے کہ اس باز پرس (قیامت) کے دن تیرا درجہ کیا ہوگا؟ اپنی اصل پر غور کر جو تیرے سامنے ہے۔ علم اصول یا معقولات جاننے سے بہتر ہے کہ تو اپنی اصلیت کو جانے۔

☆......☆......☆

شیخ سعدی کی حکایات

اولاد کی تربیت

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اولاد کی تربیت کیسے کرنی چاہیے؟ تو انہوں نے فرمایا:

1- جب بچے کی عمر دس سال سے زیادہ ہو جائے تو اس کو نامحرموں اور ایروں غیروں میں بیٹھنے نہ دو۔

2- اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا نام باقی رہے تو اولاد کو اچھے اخلاق کی تعلیم دے۔

3- اگر تجھے بچے سے محبت ہے تو اس سے زیادہ لاڈ پیار نہ کر۔

4- بچے کو استاد کا ادب سکھاؤ اور اس کو استاد کی سختی سہنے کی عادت ڈالو۔

5- بچے کی تمام ضرورتیں خود پوری کرو اور اس کو ایسے عمدہ طریقے سے رکھو کہ وہ دوسروں کی طرف نہ دیکھے۔

6- شروع شروع میں پڑھاتے وقت بچے کی تعریف اور شاباش سے اس کی حوصلہ افزائی کرو اور جب وہ اس کی طرف راغب ہو جائے تو اس کو اچھے اور برے کی تمیز سکھانے کی کوشش کرو اور ضرورت پڑے تو سختی بھی کرو۔

7- بچے کو دستکاری (ہنر) سکھاؤ۔ اگر وہ ہنر مند ہوگا تو برے دنوں میں بھی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی بجائے اپنے ہنر سے کام لے سکے گا۔

8- بچوں پر کڑی نگرانی رکھو تا کہ وہ بروں کی صحبت میں نہ بیٹھیں۔

☆......☆......☆

﴿سائل سے بدسلوکی اللہ کے غضب کو دعوت دیتی ہے﴾

ایک درویش تنگ دستی کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک دولت مند کے دروازے پر گیا اور بڑی لجاجت سے اس کے سامنے دست سوال دراز کیا۔ سنگ دل اور بدمزاج دولت مند نے مدد کرنے کی بجائے اس غریب سائل کی بہت بے عزتی کی اور اس کو جھڑ کا بھی۔ سائل کا دل اس کی باتیں سن کر بہت دکھا اس کے دل کا خون ہو گیا وہ بولا کہ مانا صاحب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت مال دیا ہے لیکن اس میں اتنا غرور کیسا؟ شاید آپ نہیں جانتے کہ مانگنے میں طبیعت پر کس قدر جبر کرنا پڑتا ہے اور کیا کڑوا گھونٹ ہوتا ہے جو حلق سے اتارنا پڑتا ہے مگر امیر نے اس بات کا کوئی اثر نہ لیا بلکہ اپنے ملازم کو بلایا اور حکم دیا کہ اس سائل کو دھکے دے کر باہر نکال دو۔ ملازم نے اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کی اور سائل کو دھکے دے کر نکال دیا۔ سائل کا دل امیر کے اس سلوک سے بہت دکھا اور رویا۔ دولت تو ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے آج ہے تو کل نہیں۔ آج میرے پاس تو کل کسی دوسرے کے پاس جسے اللہ دینا چاہے اور جس سے لینا چاہے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہ دولت اس امیر کو دغا دے گئی وہ کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا۔ دولت کے جاتے ہی سب دوستوں، رشتے داروں اور نوکروں چاکروں نے بھی آنکھیں پھیر لیں اور جس ملازم نے اس کے حکم سے درویش کو دھکے مار کر نکالا تھا وہ بھی اس کو چھوڑ گیا اور نیک عادت امیر کے پاس نوکر ہو گیا۔ اس امیر کے ہاں سے کبھی کوئی ضرورت مند خالی ہاتھ نہ جاتا تھا۔

ایک رات اس نیک امیر کے دروازے پر ایک فقیر نے صدا لگائی۔ اس نے اپنے ملازم کو حکم دیا کہ جاؤ اس درماندہ بھکاری کو اچھی طرح سے راضی کر دو۔ جب ملازم اس بھکاری کے پاس کھانا لے کر گیا تو اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی۔ جب واپس

مالک کے پاس آیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر مالک نے اس کے رونے کا سبب پوچھا تو نوکر نے جواب دیا کہ ابھی میں جس بھکاری کو کھانا کھلا کر آیا ہوں وہ کچھ عرصہ پہلے لاکھوں روپے کی جائیداد اور مال و اسباب اور سونے چاندی کا مالک تھا اور میں اس کے پاس ملازم تھا۔ آج اسے بھیک مانگتے دیکھ کر میرا دل لرز اٹھا اور آنکھیں اشک بار ہوگئی ہیں۔

سخی امیر نے جواب دیا کہ اے بیٹے! اللہ بڑا عادل ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا تمہیں یاد ہوگا کہ جب یہ شخص امیر تھا تو اس کا دماغ آسمان پر تھا اور سائلوں کو دھکے دے کر اپنے دروازے سے نکال دیتا تھا۔ میری طرف دیکھو اور پہچانو وہ ہی سائل ہوں جس کو ایک دفعہ اس نے ذلیل کر کے اپنے گھر سے نکال دیا تھا۔ گردش زمانہ نے اسے آج میری سابقہ حالت پر پہنچا دیا ہے اور جس مال و دولت پر اس کو ناز تھا وہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے عطا فرمائی ہے۔

اس لئے اگر خدا کسی مصلحت کے سبب سے کوئی دروازہ بند کر دیتا ہے تو اپنے فضل و کرم سے دوسرا دروازہ کھول دیتا ہے۔ بہت سے بے سروسامان صاحب حیثیت بن گئے ہیں اور بہت سے مال دار تباہ حال ہو گئے۔

﴿نیکی کا پھل میٹھا﴾

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بزرگوں کے ایک گروہ کے ساتھ کشتی میں بیٹھا تھا۔ ہمارے پیچھے ایک چھوٹی کشتی ڈوب گئی اور اس کشتی میں سوار دو بھائی بھنور میں پھنس گئے۔ میرے ساتھی بزرگوں میں سے ایک نے ملاح سے کہا کہ جلد دونوں بھائیوں کو بچا تجھے ہر ایک عوض پچاس دینار دوں گا۔ ملاح پانی میں کود پڑا۔ ملاح ایک بھائی کو بھنور میں سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا جبکہ دوسرا بھائی ہلاک ہو

بادشاہ پر دھاوا بول دیا۔ وہ بادشاہ تاب مقاومت نہ لا سکا اور ملک اپنے ہاتھ سے گنوا بیٹھا۔ اس طرح اس کے ظلم وستم سے تنگ آئے ہوئے لوگوں کی مدد سے اس کے چچیرے بھائی حکمران بن گئے۔

﴿اپنے نقصان کو پوشیدہ رکھو﴾

ایک سوداگر کو ایک بار ہزار دینار کا نقصان ہو گیا۔ اس نقصان پر اس نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اس نقصان کا کسی سے بھی ذکر مت کرنا۔ بیٹے نے کہا کہ ابا جان! آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن مجھے اتنا تو بتا دیں کہ اس بات کو پوشیدہ رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟ باپ نے جواب دیا کہ بیٹا اس لئے کہ مصیبت دوہری نہ ہو جائے۔ اول مال کا نقصان دوم ہمسایہ کی مسرت۔

اپنا راز اپنا نقصان دشمنوں کے سامنے مت کہہ کہ وہ اس پر خوشی مناتے ہوئے لاحول پڑھیں گے۔

﴿خوب سیرتی خوب صورتی سے بہتر ہے﴾

ایک بادشاہ کے کئی لڑکے تھے ان میں سے ایک شہزادہ پست قد اور معمولی شکل و صورت کا تھا اور اس کے دوسرے بھائی قد آور اور وجیہہ تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ نے اپنے کم رو فرزند کو نفرت اور حقارت سے دیکھا شہزادہ اپنی خداداد فراست سے باپ کے اس رویئے کو فوراً بھانپ گیا۔ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ "ابا جان" چھوٹے قد والا عقل مند بلند قامت احمق سے بہتر ہے۔ جو چیز قد و قامت میں چھوٹی ہوتی ہے ہو سکتا ہے کہ وہ قیمت میں زیادہ ہو۔ جیسا کہ (بکری حلال ہے اور ہاتھی حرام ہے)۔

باپ ہنس پڑا اور سلطنت کے امراء و وزراء نے اس خیال کو پسند کیا۔ البتہ! اس کے بھائی اس کی اس بات پر بہت رنجیدہ ہوئے۔ اس واقعے کے کچھ دنوں بعد ایک

ہے کہ کوئی بھی نہیں خریدتا یہ سن کر اس کی بیوی نے ہنستے ہوئے جواب دیا! تلخ مزاج آدمی کا شہد بھی تلخ ہوتا ہے۔

دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں ہے

ایک صاحب حیثیت آدمی نے ایک چھوٹا سا معمولی مکان بنوایا۔ کسی نے اس سے کہا کہ آپ تو صاحب حیثیت تھے اس سے بہتر مکان بنوا سکتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا! بھائی اس قصے کو چھوڑو۔ انسان کی زندگی ایک دن ختم ہو جانی ہے۔ یہ زمین مکان جائیدادیں دولت سب کے سب یہیں رہ جانے ہیں۔ عقل اور رائے اور دانائی کی یہ بات نہیں کہ انسان یا مسافر راستہ میں گھر بنا کر بیٹھ جائے۔

کر بھلا ہو بھلا

ایک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ محشر کا میدان ہے۔ زمین تانبے کی طرح گرم ہے اور گرمی کی شدت سے ہر طرف چیخ و پکار ہو رہی ہے لیکن ایک آدمی ایسا ہے جو جنتیوں کا لباس پہنے سائے میں کھڑا ہے۔ اس سے پوچھا کہ تجھے یہ مقام یہ مرتبہ اور یہ عزت کیسے ملی؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرے گھر کے باہر دروازے پر انگور کی بیل تھی ایک دن دھوپ اور گرمی سے نڈھال ایک آدمی کو میں نے اس بیل کے سایہ میں سلایا۔ اس نے خوش ہو کر میرے حق میں دعا کی یہ اس دعا ہی کی برکت ہے کہ میں آج سایہ دار اور جنتی لباس میں موجود ہوں یہ اس کی دعا کے صلے میں مجھے عطاء ہوا ہے۔

ظلم کی ناؤ ایک دن ڈوب کر رہتی ہے

ایران کے بادشاہوں میں سے ایک کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ اس نے ظلم کا

ہاتھ رعیت کے مال و دولت پر بڑھا رکھا تھا اور اس کے ظلم و ستم نے لوگوں کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر لوگوں نے ملک چھوڑ کر جانا شروع کر دیا۔ جب رعایا کم ہونا شروع ہوئی تو اس کا اثر حکومت کی آمدنی پر پڑا اور شاہی خزانہ خالی ہو گیا۔ دشمن تو موقع کی تاک میں ہوتا ہے جب دشمنوں نے یہ حالت دیکھی تو ہر طرف سے یلغار کر دی۔

مصیبت کے انہی دنوں میں ایک دن بادشاہ کی محفل میں شاہنامہ فردوسی پڑھا جا رہا تھا۔ اس میں ضحاک کی بادشاہی کے زوال اور فریدون کے زمانے کا ذکر آیا تو بادشاہ سے وزیر نے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ فریدون کے پاس نہ خزانہ تھا نہ شان و شوکت نہ لاؤ لشکر تھا پھر اس نے سلطنت کیسے حاصل کر لی؟

بادشاہ نے جواب دیا ''جیسا کہ تو نے سنا لوگ ضحاک سے نفرت کی وجہ سے فریدوں کے گرد جمع ہو گئے اور اس کی حمایت کرنے لگے اس طرح وہ بادشاہ بن گیا۔ وزیر نے کہا کہ جہاں پناہ! جب رعایا کا جمع ہونا بادشاہت کا سبب ہے تو آپ مخلوقِ خدا کو کیوں پریشان کرتے ہیں؟ کیا آپ کو حکمرانی کی خواہش نہیں ہے؟''

بادشاہ نے پوچھا کہ فوج اور رعیت کو اپنے گرد کیسے جمع کیا جا سکتا ہے؟ وزیر نے کہا ''بادشاہ کو بخشش سے کام لینا چاہیے اور رعیت کو لطف و کرم سے خوش کرنا چاہئے تا کہ وہ اس کی حکومت کے سائے میں آرام اور اطمینان سے زندگی بسر کرے اور آپ میں ان میں سے کوئی بھی صفت نہیں ہے''۔

بادشاہ کو اس دانا وزیر کی نصیحت پسند نہ آئی اس نے برہم ہو کر وزیر کو قید خانے میں ڈال دیا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ بادشاہ کے چچیرے بھائیوں نے سلطنت پر اپنا حق جتایا اور بادشاہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دی۔ جو لوگ بادشاہ کے ظلم سے تنگ آ کر منتشر ہو چکے تھے وہ سب اس کے چچیرے بھائیوں کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور

گیا۔ میں نے کہا کہ اس کی زندگی باقی نہ رہی تھی اس لئے تو نے اس کے پکڑنے میں سستی کی اور دوسرے کے پکڑنے میں بڑی پھرتی دکھائی۔ ملاح نے کہا کہ تو نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے لیکن اس کا ایک اور سبب بھی ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا سبب ہے؟ کہنے لگا اس کو بچانے کی خواہش میرے دل میں زیادہ تھی کیونکہ ایک دفعہ میں جنگل میں سخت تھک گیا تھا تو اس نے مجھے اپنے اونٹ پر بٹھا لیا تھا اور دوسرے کے ہاتھ سے میں نے لڑکپن میں ایک کوڑا کھایا تھا۔

میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ جو شخص نیک کام کرتا ہے وہ اس کی اپنی ذات کیلئے فائدہ مند ہے اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کی برائی بھی اسی پر ہے۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے کسی کا دل نہ دکھاؤ کیونکہ اس راہ میں بہت سے کانٹے ہیں۔ (ضرورت مند درویش کا کام برلا تاکہ تیرے کام بھی بر آئیں)

﴿بدمزاج دکاندار کا شہد بھی کڑوا ہوتا ہے﴾

ایک ہنس مکھ اور خوش اخلاق آدمی شہد کا کاروبار کرتا تھا۔ لوگ اس کی خوش مزاجی اور میٹھی باتوں پر ایسے فریفتہ تھے کہ اس کا شہد ہاتھوں ہاتھ بک جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر وہ زہر بھی اٹھالاتا تو لوگ اس کو شہد سمجھ کر کھا جاتے۔

ایک بدمزاج آدمی اس کے کاروبار کی ترقی کو دیکھ کر جلتا تھا۔ اس نے سوچا کہ اس شہد میں کونسے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ سب لوگ اس سے خریدتے ہیں۔ چلو میں بھی یہی کام شروع کرتا ہوں۔ چنانچہ اس نے بھی شہد کا کام شروع کر دیا لیکن اس کی ترش روئی اور سخت لہجے کی وجہ سے کوئی بھی اس کے نزدیک نہ پھٹکا وہ سارا دن گلی کوچوں میں ہانک لگاتا رہا لیکن ایک بھی گاہک اس کے پاس نہ آیا رات وہ جب تھک ہار کر اپنے گھر خالی ہاتھ گیا تو بیوی سے کہنے لگا کہ میرے شہد میں نہ جانے کون سی خرابی

طاقت ور دشمن نے بادشاہ پر حملہ کر دیا۔ جب دونوں افواج آمنے سامنے ہوئیں اور لڑائی کیلئے حملہ آور ہوئیں تو جو شخص سب سے پہلے میدان میں کودا وہ یہی پست قد شہزادہ تھا اس وقت وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا۔

''میں وہ نہیں ہوں کہ لڑائی کے دن تو مجھے بھاگتے ہوئے دیکھے میں تو وہ ہوں کہ تو جس کے سر کو خاک اور خون میں لتھڑا ہوا پائے گا۔ جو شخص جنگ لاتا ہے وہ اپنے خون سے کھیلتا ہے اور جو میدان سے بھاگتا ہے وہ اپنی فوج کے خون سے بھاگتا ہے''۔

شہزادہ دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑا اور اس کے کئی بہادروں کو مار گرایا اور جب واپس آیا تو زمین بوس ہو کر اپنے باپ سے کہا کہ آپ نے جب تک میرے ہنر کو اچھی طرح سے نہ دیکھ لیا آپ نے مجھے حقیر جانا سچ تو یہ ہے کہ دبلا پتلا سبک رفتار گھوڑا لڑائی کے دن کام آتا ہے نہ کہ موٹا تازہ بیل۔

کہتے ہیں کہ دشمن کی فوج بہت ہی زیادہ تھی اور اس کے مقابلے میں بادشاہ کی فوج بہت کم۔ ایک گروہ جب اپنی تعداد کم دیکھ کر دل چھوڑ بیٹھا اور اس نے بھاگنے کا ارادہ کیا بہادر شہزادہ ان کے تیور کو بھانپ گیا اور انہیں للکار کر کہا اے بہادرو! ہمت سے کام لو اور عورتوں کا لباس مت پہنو۔ شہزادے کے جوش دلانے پر سواروں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے مرنے مارنے کا تہیہ کر لیا اور دشمن پر اس زور کا حملہ کیا کہ دشمن گھبرا گیا اور ان کا مقابلہ نہ کر سکا اور میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ بادشاہ نے فرطِ مسرت سے شہزادے کا سر چوما اور گلے سے لگا لیا۔ بادشاہ اس کے بعد شہزادے پر بڑا مہربان ہو گیا یہاں تک کہ اسے اپنا ولی عہد نامزد کر دیا۔ ولی عہد نامزد ہونے کی وجہ سے شہزادے کے بھائیوں کو اس سے حسد پیدا ہو گیا اور اس کے بھائیوں نے موقع پا کر اس کے کھانے میں زہر ملا دیا۔ شہزادے کی بہن بھائیوں کی یہ حرکت کھڑکی میں سے دیکھ رہی تھی۔ شہزادے نے جیسے ہی زہر آلود کھانے کا لقمہ منہ کی طرف بڑھایا بہن نے

زور سے دروازہ کھٹکھٹایا! شہزادہ خبردار ہو گیا اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور یہ کہا کہ "یہ بہت ہی مشکل ہے کہ اہل ہنر مر جائیں اور بے ہنران کی جگہ لے لیں۔"

"اگر ہما دنیا سے معدوم ہو جائے تو پھر بھی کوئی شخص الو کے سائے تلے نہیں آئے گا"۔

بادشاہ کو اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے حاسد بھائیوں کو طلب کیا ان سب کو اس کی مناسب سزا دی پھر ہر ایک کے لئے آس پاس کے علاقوں سے ان کی مرضی کے مطابق حصہ مقرر کر دیا تاکہ فساد کی جڑ کٹ جائے اور جھگڑے کا احتمال نہ رہے کیونکہ داناؤں کا قول ہے کہ دس درویش ایک گدری میں سو سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں سما سکتے۔

ظلم کا گناہ قیامت تک پیچھا نہیں چھوڑتا

حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا ایک ظالم گورنر تھا۔ ایک دفعہ اس نے ایک مرد پاک باز کی گرفتاری کا حکم دیا۔ جب ان کو گرفتار کر کے حجاج کے سامنے لائے تو اس نے ان سے کئی سوال کر ڈالے۔ انہوں نے اس کے ہر سوال کا معقول جواب دیا۔ حجاج نے جھلا کر حکم دیا کہ اسے قتل کر دو۔ وہ حجاج کا حکم سن کر ہنس دیئے اور پھر رونے لگے۔ حجاج نے ان سے پہلے ہنسنے اور پھر رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ رونے کی وجہ یہ ہے کہ میرے چار معصوم بچے ہیں۔ میرے مرنے کے بعد وہ یتیم ہو جائیں گے اور خوشی اس بات کی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو جاؤں گا کیونکہ ناحق جرم اور بے گناہی میں قتل کیا جا رہا ہوں۔ ان کی یہ بات سن کر دربار میں موجود کئی لوگ بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے سفارش کی کہ ان کی جان بخشی کر دی جائے لیکن حجاج نے ایک نہ سنی اور ان کو قتل کروا کر ہی دم لیا۔

کہتے ہیں کہ ایک بزرگ نے خواب میں بے گناہ مقتول کو دیکھا اور پوچھا کہ کیا

حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ''حجاج کا ظلم مجھ پر تو ایک دو لمحوں میں گزر گیا لیکن اس کا ظلم گناہ کی صورت میں اس پر قیامت تک سود رہے گا''۔

﴿عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے﴾

ایک جوان مرد تاتاریوں کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے سخت زخمی ہو گیا۔ کسی نے اس سے کہا کہ فلاں سوداگر کے پاس نوشادر (اکیری مرہم) ہے۔ اگر تو اس سے طلب کرے تو خیال ہے کہ وہ اس کے دینے میں پس و پیش نہیں کرے گا۔ یہ سوداگر بخل میں مشہور تھا۔ زخمی جواں مرد نے کہا کہ اگر میں اس سے نوشادر مانگوں تو کیا خبر کہ دے یا نہ دے اور اگر دیدے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ فائدہ دے بہر صورت ایسے بخیل کے سامنے دست سوال دراز کرنا زہر قاتل پینے کے مترادف ہے۔ جو کچھ کہ تو نے کمینوں سے گڑگڑا کر مانگا۔ اس سے تیرے بدن نے پرورش پائی لیکن تیری خودداری مر گئی۔

داناؤں نے کہا کہ اگر آبِ حیات بھی آبرو کے عوض بکتا ہو تو عقل منداسے نہیں خریدتا کیوں کہ عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

(اگر تو اندرائن کا پھول جو سخت کڑوا ہوتا ہے) کسی صاحبِ وخلق کے ہاتھ سے کھائے تو وہ بہتر ہے اس مٹھائی سے جو کسی ترش رو کے ہاتھ سے کھائے)

﴿حکمتِ لقمان﴾

''لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے ادب کس سے سیکھا۔ حکیم لقمان نے جواب دیا کہ میں نے ادب بے ادبوں سے سیکھا ہے۔ ان کا جو فعل مجھے برا محسوس ہوا

میں نے اس کے کرنے سے پرہیز کیا ہے“

انسان کو خودغرض نہیں ہونا چاہیے

میں نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ اللہ کے مقبول بندوں کا خاص عمل کیا ہوتا ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ سب سے معمولی عمل یہ ہے کہ دوستوں کے کام کو اپنی مصلحتوں پر ترجیح دیتے ہیں داناؤں کا قول ہے کہ وہ بھائی جو صرف اپنی فکر میں لگا رہے وہ نہ بھائی کا ہے اور نہ اپنا۔

ہر حال میں خدا کا شکر ادا کرتے رہو

ایک بار ایک چوکیدار نے ایک چور پکڑا اور اس نے اس چور کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے قید خانے میں ڈال دیا وہ ساری رات بڑے کرب میں مبتلا رہا۔ اس حالت میں اسے کسی شخص کے رونے کی آواز آئی وہ اپنی تنگ دستی پر خدا سے شکوہ کر رہا تھا۔ چور نے پکار کر کہا کہ اے بھائی! جا اور خدا کا شکر ادا کر کہ ہاتھ تنگ ہیں تو کیا ہوا میری طرح بندھے ہوئے تو نہیں ہیں۔ بے سروسامانی کی وجہ سے زیادہ نہ رو جب کہ اپنے سے زیادہ کسی کو بے سروسامان دیکھ لے۔

بری فطرت کا بدلنا محال ہے

ایک بار عرب میں راہزنوں کے ایک گروہ نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر اپنے لئے ایک محفوظ جائے پناہ بنالی اور وقتاً فوقتاً وہاں سے نکل کر شہروں اور قافلوں پر چھاپے مارتے تھے۔ بادشاہ نے ان کو پکڑنے کی بہت کوششیں کیں لیکن اسے اس میں ذرا بھی کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار کسی سراغرساں کے خبر دینے پر شاہی لشکر نے راہزنوں کے ٹھکانے پر اس وقت چھاپا مارا جب وہ ایک جگہ ڈاکہ مار کر واپس آئے اور اپنے ہتھیار رکھ کر خوب

مزے لے رہے تھے۔ شاہی فوج نے تمام ڈاکوؤں کو پکڑ کر زنجیریں ڈالیں اور بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے سب کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔ ان ڈاکوؤں میں ایک نوعمر نوجوان بھی تھا ایک وزیر کو اس کی جوانی پر رحم آ گیا اس نے بادشاہ سے سفارش کی کہ اس نوجوان نے دنیا کا سرد و گرم نہیں دیکھا اس کی جان بخشی فرمائی جائے۔ بادشاہ کو وزیر کی سفارش ناگوار گزری اس نے برہم ہو کر کہا۔

جس کی بنیاد برائی پر ہو وہ نیکیوں کا اثر قبول نہیں کرتا۔ نا اہل کی تربیت کرنا ایسے ہے جیسے کہ گنبد پر اخروٹ رکھنا اور سانپ کو مارنا اور اس کے بچے کی حفاظت کرنا عقل مندوں کا کام نہیں ہے۔ وزیر نے عرض کی کہ جہاں پناہ درست فرماتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ یہ ابھی بچہ ہے اس کی طبیعت میں ابھی بدی نے جڑ نہیں پکڑی تو اگر یہ نیک لوگوں کی صحبت میں رہے گا تو امید ہے کہ جلد ہی ان کا اثر قبول کرے گا۔

''اصحابِ کہف کے کتے نے چند روز نیکوں کی صحبت اختیار کی آدمی بن گیا''۔

کچھ دوسرے درباری بھی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ آخر بادشاہ نے ان سب کی سفارش سے مجبور ہو کر بادلِ نخواستہ اس نوجوان کو چھوڑ دیا۔ وزیر اس لڑکے کو اپنے گھر لے گیا اور بڑے ناز و نعمت سے اس کی پرورش کی۔ کئی عالم و فاضل استاد اس کی تعلیم کیلئے مقرر کئے یہاں تک کہ وہ چند سالوں میں نہایت شائستہ اور مہذب بن گیا۔ ایک مرتبہ وزیر نے بادشاہ کے سامنے اس کی لیاقت اور اخلاق کا ذکر کیا تو بادشاہ نے مسکرا دیا اور کہا!

''بھیڑیئے کا بچہ آخر بھیڑیا ہی بنتا ہے خواہ وہ انسانوں میں پل کر بڑا ہو'' ابھی اس بات کو دو سال ہی گزرے تھے کہ اس نوجوان نے محلے کے چند اوباش نوجوانوں سے دوستی کر لی اور اس کی بدفطری واپس لوٹ آئی۔ ایک دن وزیر اور اس کے دونوں لڑکوں کو قتل کر دیا اور بے انداز دولت سمیٹی اور دوبارہ ڈاکوؤں میں جا ملا اور اسی طرح

راہزنوں کی گھاٹی کو اپنا سکون بنالیا۔ بادشاہ کو اس سارے واقعے کا علم ہوا تو اس نے سرد آہ بھر کر کہا کہ ''برے لوہے سے عمدہ تلوار کوئی کیسے بنا سکتا ہے؟''

اے عقل مند! سکھانے پڑھانے سے کوئی بدعمل انسان نہیں بن سکتا۔ ''بارش جس کی طبیعت کے پاکیزہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے باغ میں گل لالہ کھلاتی ہے اور شور زمین میں جھاڑ''۔

﴿شیخ شبلی اور ایک چیونٹی﴾

حضرت شیخ سعدی نے ایک بار شہر سے گندم خریدی اور گندم کی بوری کندھے پر اٹھا کر اپنے گاؤں لے گئے۔ وہاں پہنچ کر بوری کا منہ کھولا تو گندم میں ایک چیونٹی نظر آئی جو بڑی بے چینی سے ادھر ادھر دوڑ رہی تھی۔ شیخ غریب چیونٹی کی پریشانی دیکھ کر سخت پریشان ہوئے اور رات بھر نہ سو سکے۔ صبح ہوتے ہی اسے پکڑا اور جہاں سے گندم لے کر آئے تھے وہیں لے جا کر چھوڑ آئے۔

شبلی فرماتے تھے کہ انسانیت سے بعید ہے کہ اس غریب چیونٹی کو گھر سے بے گھر کروں۔ اللہ تعالیٰ فردوسی کی قبر پر رحمت نازل فرمائے اس نے کیا خوب کہا۔

اس چیونٹی کو نہ ستا جو ایک دانہ کھینچنے والی ہے اس لئے کہ وہ بھی جان رکھتی ہے اور جان ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے۔ وہ شخص بڑا سیاہ باطن اور ظالم ہے جس کے ہاتھ سے کسی چیونٹی کو بھی دُکھ پہنچے۔

﴿بخیل باپ اور سخی بیٹا﴾

ایک کنجوس آدمی اپنی دولت پر مکھی بھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ دنیا کی دولت تو بہت جمع کر لی لیکن آخرت کیلئے کچھ بھی نہ کمایا۔ یہاں تک کہ ایک دن خالی دامن اور خالی ہاتھ دنیا سے چلا گیا اور اس کی ڈھیروں دولت یہی دنیا ہی میں اس کی بدبختی اور بدقسمتی پر

ماتم کرتی رہ گئی۔اس کالڑکا نہایت نیک اور دریا دل تھا۔اس نے غریبوں اور مسکینوں اور حاجت مندوں پر اپنے گھر کے دروازے کھول دیئے اس نے باپ کی دولت کو نیک کاموں میں لگانا شروع کر دیا۔ایک آدمی نے اس کو ملامت کی اور کہا کہ باپ کی ساری عمر کی گاڑھے پسینے کی کمائی تو کیوں اس طرح پانی کی طرح بہا رہا ہے بہتر یہی ہے کہ اپنا ہاتھ روک کر خرچ کر کیوں کہ تیری سخاوت سے فقیر تو مالدار نہیں ہو جائیں گے لیکن تو ضرور غریب اور فقیر ہو جائے گا۔

اس لڑکے نے اس شخص کی باتیں سنیں تو اسے بہت غصہ آیا اس نے بگڑ کر کہا کہ اے خیر سے روکنے والے! اپنی نصیحت اپنے پاس رکھ دولت میرے ہاتھ آئی ہے میرے باپ نے کہا کہ یہ میرے باپ دادا کی کمائی ھے۔باپ دادا کی میراث ہے انہوں نے کنجوسی کے ساتھ اس کو جمع کیا اور حسرت سے یہیں چھوڑ کر چلے گئے میں ان کا طریقہ کیوں اختیار کروں؟ میرے لئے یہی بہتر ہے کہ اپنے ہاتھ سے لوگوں کو کھلاؤں اور ان کی دعائیں لوں میرے مرنے کے بعد لوگ اسے لوٹیں گے۔اب یہ میری ملکیت ہے مرنے کے بعد میرا اس پر کیا اختیار ہو گا؟ اس لئے مجھے کیا مصیبت پڑی ہے کہ دوسروں کے لئے اس کی حفاظت کروں اور خزانے کا سانپ بن کر بیٹھا رہوں اور اپنی دنیا اور آخرت خراب کروں۔

''اگر تو یہ کرسکتا ہے کہ دنیا کے بدلے آخرت خرید لے تو خرید لے میری جان ورنہ پچھتائے گا۔

﴿روزی کے معاملے میں اللہ پر بھروسہ رکھو﴾

ایک شیر خوار بچے کے دانت نکل رہے تھے اس کا مفلس باپ اس فکر میں غلطاں تھا کہ اس بچے کیلئے روزی کہاں سے لاؤں گا؟ یہ تو انسانیت سے بعید ہے کہ اس کو چھوڑ

کر بھاگ جاؤں۔ اس نے یہ بات اپنی بیوی سے کہی تو اس بلند ہمت خاتون نے کیا خوب جواب دیا کیا خوب صورت بات کی کہ شیطان تمہارے دل میں وسوسے ڈال رہا ہے کہ بچہ بھوک سے مر جائے گا تم اس کی بات سن کر گھبراؤ مت اور یاد رکھو! کہ جس نے دانت دیئے ہیں وہی روزی بھی دے گا۔

حضرت بایزید بسطامی کا عجز وانکسار

ایک بار حضرت بایزید بسطامی عید کے دن حمام سے غسل کر کے نکلے گلی میں جا رہے تھے کہ کسی نے ایک گھر سے بے خبری کے عالم میں ان کے سر پر بہت سی راکھ گرا دی حضرت بایزید بسطامی کا لباس چہرہ ریش مبارک اور سر کے بال راکھ سے آلودہ ہو گئے لیکن آپ کی پیشانی پر شکن تک نہ آئی بلکہ دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر کر بار بار خدا کا شکر ادا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے نفس! میں تو دوزخ کے قابل ہوں ذرا سی راکھ سے منہ کیوں بناؤں؟

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خاکساری تیری عظمت میں اضافہ کریگی اور تکبر تجھے خاک میں ملا دے گا بدمزاج اور مغرور سر کے بل گرتا ہے اگر بلندی چاہتا ہے تو بلندی تلاش کر۔

بدآواز مؤذن

ایک شخص نہایت رغبت کے ساتھ مسجد میں اذان دیا کرتا تھا لیکن اس کی آواز ایسی بری تھی کہ سننے والے کانوں میں انگلیاں ٹھوس لیتے تھے اس مسجد کا ایک متولی نہایت نیک طینت امیر تھا وہ اس مؤذن کو پسند تو نہیں کرتا تھا لیکن اس کا دل بھی آرزدہ نہ کرنا چاہتا تھا آخر کار ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آئی۔ اس نے مؤذن سے کہا کہ بھائی! اس مسجد کا قدیمی مؤذن واپس آ گیا ہے اس کی ماہانہ تنخواہ پانچ دینار مقرر ہے تمہاری

خدمات کی اب ضرورت نہیں ہے لیکن میں پھر بھی تمہیں دس دینار دے رہا ہوں انہیں لے لو اور کسی جگہ چلے جاؤ۔

مؤذن بہت خوش ہوا کہ مفت میں دس دینار مل رہے ہیں۔ خوشی خوشی وہاں سے رخصت ہوا لیکن کچھ عرصہ کے بعد واپس آ گیا اور امیر سے کہنے لگا کہ اے صاحب! آپ نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا صرف دس دینار دے کر یہاں سے نکال دیا اب میں جس جگہ پر گیا ہوں وہاں کے لوگ مجھے بیس دینار دے کر رخصت کرنا چاہتے ہیں لیکن میں نے قبول نہیں کیا۔

امیر نے ہنس کر کہا کہ خبردار! ہرگز راضی نہ ہونا وہ بہت جلد تجھے پچاس دینار دے کر تجھے راضی کریں گے۔

﴿نام حاجیوں کا.........کام پاجیوں کا﴾

ایک بار حاجیوں کا ایک قافلہ دشتِ حجاز میں سفر کر رہا تھا۔ شیخ سعدیؒ بھی اس قافلے کے ساتھ پاپیادہ سفر کر رہے تھے کہ ان کے ساتھی کسی بات پر آپس میں دست و گریبان ہو گئے اور ایک دوسرے کو خوب زدوکوب کیا۔ میں نے ایک شتر سوار کو دیکھا کہ وہ یہ منظر دیکھ کر اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ عجیب بات ہے کہ ایک پیادہ شطرنج کا میدان طے کرنے کے بعد فرزین بن جاتا ہے یعنی اس کا رتبہ پہلے سے بلند ہو جاتا ہے لیکن یہ حاجی حجاز مقدس کے میدان کو طے کرنے کے بعد پہلے سے بھی بدتر ہو گئے۔

﴿جو بزرگوں کا دامن چھوڑ دیتا ہے' روتا ہے﴾

شیخ سعدی بیان کرتے ہیں کہ بچپن میں ایک دفعہ عید کے دن میں اپنے والد کے ساتھ باہر گیا راستے میں ایک جگہ کھیل کود میں مشغول ہو گیا اور والد کا ساتھ چھوٹ گیا جب کھیل کود سے فارغ ہوا اور اپنے والد کو اپنے آس پاس کہیں نہ دیکھا تو خوف و

دہشت سے بے اختیار رونے لگا۔ اتنے میں میرے والد بھی مجھے ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں آ پہنچے۔ انہوں نے میرے کان اینٹھے اور جھڑک کر کہا کہ بیوقوف بچے میں نے تجھے کئی بار سمجھایا کہ میرا دامن کبھی نہ چھوڑنا جو بزرگوں کا دامن چھوڑتا ہے وہ اسی طرح روتا ہے۔

''اے فقیر! چلنے میں تو بھی طفیلِ راہ ہے جا اور نیک انسانوں کا دامن پکڑ لے۔''

ایک بزرگ اور ظالم بادشاہ

عجم کا ایک بادشاہ بڑا ظالم تھا۔ رعیت پر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا اور بے شمار لوگوں کو قید میں ڈال رکھتا تھا۔ ایک بار اس کے جسم پر ایک موذی پھوڑا نکل آیا۔ جس سے وہ شدید تکلیف میں مبتلا ہو گیا اور اس کی وجہ سے سوکھ کر کانٹا بن گیا اور اس کی یہ بیماری ختم ہونے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ ایک درباری نے بادشاہ سے عرض کی کہ جہاں پناہ اس شہر میں ایک خدا رسیدہ بزرگ رہتے ہیں۔ ان کی دعا کی برکت سے بہت سے لوگ فیض یاب ہو چکے ہیں۔ اگر آپ بھی ان بزرگ کی خدمات حاصل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان بزرگ کی دعا سے آپ کو بہت جلد آرام آ جائے گا۔ بادشاہ نے ان بزرگ کو بلایا اور اپنے لئے دعا کی درخواست کی۔ بزرگ بڑے ناراض ہوئے اور بولے کہ اے بادشاہ! بھلا میری دعا تیرے لئے کب فائدہ مند ہو گی؟ جب کہ تیری قید میں بے گناہ لوگ قید و بند کی سختیاں جھیل رہے ہیں اور ان کی بددعائیں تیرا پیچھا کر رہی ہیں۔ جب تک تو ان مظلوموں پر رحم نہیں کرے گا خدا بھی تجھ پر رحم نہیں کرے گا۔ بادشاہ پر بزرگ کی باتوں کا گہرا اثر ہوا۔ بادشاہ اس بزرگ کی باتوں سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے حکم دیا کہ سب قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ جب سب قیدی رہا ہو گئے تو اس بزرگ نے اللہ سے نہایت عاجزی کے ساتھ دعا کی کہ الٰہی! تو

نے اس کو نافرمانی میں پکڑا اب اس نے اطاعت اختیار کی ہے تو تو بھی اس کی حالت پر رحم فرما اور اس کو اس تکلیف سے نجات دلا۔ ابھی بزرگ کی دعا پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ اللہ نے بادشاہ کو شفاء دے دی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بزرگ کے سر پر ہیرے جواہرات نچھاور کئے جائیں۔ بزرگ نے ہیرے جواہرات کو ٹھوکر ماری اور کہا کہ اے بادشاہ! مجھے ان کی حاجت نہیں ہے ہاں! تو پھر ایسے کام نہ کرنا کہ تیری یہ بیماری واپس لوٹ آئے۔ یعنی جب تو ایک بار گرا ہے تو اب قدم جما کر رکھ دوبارہ نہ پھسلے۔ سعدی سن لے یہ سچی بات ہے کہ کوئی بار بار گر کر ہر مرتبہ نہیں اٹھتا ہے۔

﴿جس نے یتیم کو خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا﴾

شیخ سعدی کہتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ جب میں بچہ تھا اور اپنا سر باپ کی گود میں رکھتا تھا تو میری قدر و منزلت بادشاہوں جیسی تھی بہت محبت ملتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر میرے جسم پر ایک مکھی تک بھی بیٹھ جاتی تھی تو سب گھر والے پریشان ہو جاتے تھے۔ جب بچپن میں ہی میرے سر سے میرے باپ کا سایہ اٹھ گیا تو مجھے بچوں کے درد کی خبر ہوئی۔ یہ درد وہی جان سکتا ہے کہ جسے یتیمی کا داغ لگا ہو۔ تو اے دوست! جس بچے کے سر سے اس کے باپ کا سایہ اٹھ گیا ہو تو اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ اس کے چہرے سے گرد صاف کر اور اس کے پاؤں سے کانٹا نکال۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کیسی بپتا گزری ہے۔ بے جڑ کا درخت ہرگز تازہ نہیں ہوتا جب تو کسی یتیم کو اپنے سامنے بیٹھا دیکھے تو اپنے بچے اپنے بیٹے کے رخسار مت چوم کیونکہ اگر یتیم روتا ہے تو اپنے بچے کے ناز کیوں اٹھاتا ہے؟ اگر وہ غصہ کرتا ہے تو اس کو کون برداشت کرتا ہے۔ خبردار! یہ خیال کر کہ کہیں یتیم رونہ پڑے کہ اس کے رونے سے عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔ محبت کے ساتھ اس کے آنسو پونچھ اور مہربانی سے اس کے چہرے پر پیار کر

اگراس کے سر سے سایہ اٹھ گیا ہے تو تو اپنے سائے میں اس کی پرورش کر۔

﴿بدمزاج آدمی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے مر جانا بہتر ہے﴾

ایک درویش کو بخار ہو گیا لوگوں نے اس کو رائے دی کہ فلاں شخص سے گل قند مانگ لو۔ اس کے استعمال سے آپ کا تیز بخار ختم ہو جائے گا۔ اتفاق سے جس شخص کے پاس گل قند تھی وہ بہت ہی بدمزاج قسم کا آدمی تھا اور لوگ اس کی بدمزاجی کی وجہ سے اس سے بات کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ درویش نے جواب دیا کہ میرے لئے موت کی تلخی چکھنا آسان ہے لیکن اس بدمزاج کی ترش روی برداشت کرنا ممکن نہیں ہے۔

"دل کی ہر خواہش پر مارا مارا نہ پھر کہ جسم کا آرام تیری جان کے نور کو گھٹا دے"۔

﴿بلندی چاہتے ہو تو تواضع اختیار کرو﴾

ایک نیک سیرت نوجوان تحصیلِ علم یعنی علم کے حصول کیلئے روم گیا۔ لوگ اس کے اعلیٰ اخلاق سے بے حد متاثر تھے انہوں نے اسے ایک مسجد میں ٹھہرایا ایک بار امامِ مسجد نے اس نوجوان سے کہا کہ مسجد سے خاک اور گرد جھاڑ دو۔ امام کی بات سن کر نوجوان مسجد سے باہر چلا گیا اور پھر واپس نہ آیا۔ امام مسجد اور دوسرے خدام مسجد یہ سمجھے کہ شاید نوجوان مسجد کی صفائی نہ کرنا چاہتا تھا بچنے کیلئے غائب ہو گیا ہے۔ دوسرے دن مسجد کے ایک خادم نے اسے راستے میں پکڑ لیا اور کہا کہ تم نے یہ بہت بری حرکت کی ہے اے مغرور اور متکبر نوجوان! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ لوگ خدمت کی وجہ سے ہی کسی بھی بلند رتبے پر پہنچتے ہیں۔

نوجوان اس کی بات سن کر رو دیا اور جواب دیا کہ اصل میں میں نے مسجد میں کسی قسم کی مٹی یا گرد نہیں دیکھی میں سمجھا کہ شاید میں ہی اس پاک جگہ میں خاک آلود ہوں

سو میں مسجد سے باہر آ گیا تا کہ خدا کا گھر مجھ جیسے خس و خاشاک سے پاک ہو جائے۔

یعنی "اگر تجھے بلندی درکار ہے تو تواضع اختیار کر اس لئے کہ اس بالاخانہ پر چڑھنے کیلئے اس (خاکساری) کے علاوہ اور کوئی بھی سیڑھی نہیں ہے"۔

﴿اپنے علم و کمال کے دکھاوے سے پرہیز کرو﴾

ایک عقل منداور بہت ہی باکمال نوجوان ضرورت کے سوا کبھی بھی کسی سے بات نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ کبھی علمی مجالس میں شرکت کرتا تو وہاں بھی خاموش بیٹھا رہتا تھ۔ ایک دفعہ اس کے باپ نے کہا کہ اے بیٹے! تو بھی جو کچھ جانتا ہے اس کو بیان کیا کر۔ تو اس پر نوجوان نے بڑے ادب سے جواب دیا کہ ابا جان! میں ان محفلوں میں زبان کھولنے سے اس لئے ڈرتا ہوں کہ لوگ مجھ سے کوئی ایسی بات نہ پوچھ لیں جس کا مجھے علم نہیں ہے اور اس طرح محفل میں میری رسوائی ہو۔

﴿تعلیم و تربیت فطری صلاحیت کے بغیر بے اثر ہے﴾

ایک بار ایک وزیر نے اپنا انتہائی کم عقل اور نالائق بیٹا ایک دانش مند کے پاس تعلیم و تربیت کی غرض سے بھیجا۔ دانش مند نے مدتوں اس کی تعلیم و تربیت کی لیکن اس کی تعلیم و تربیت کا اس نوجوان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر تنگ آ کر اس دانش مند نے یہ کہہ کر اس لڑکے کو واپس اس کے باپ کے پاس بھیج دیا کہ یہ تو عاقل نہیں بنتا البتہ یہ مجھے ضرور پاگل کر دیا ہے۔ یعنی اگر لوہا ناقص ہو تو اسے کوئی بھی چیز چمکا نہیں سکتی۔ اگر انسان میں فطری صلاحیت و قابلیت ہو تو تربیت اس پر ضرور اثر کرے گی۔ کتے کو بے شک سات سمندروں میں نہلاؤ وہ جس قدر بھیگے گا اتنا ہی زیادہ ناپاک اور نجس ہو جائے گا اور عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کو خواہ مکہ میں لے جائیں جب وہ واپس آئے گا تو گدھا ہی رہے گا۔

﴿ہارون الرشید کی بیٹے کو نصیحت﴾

ایک دفعہ ہارون الرشید کا ایک بیٹا غصے میں بھرا باپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ فلاں سپاہی کے بیٹے نے مجھے ماں کی گالی دی ہے۔ ہارون الرشید نے ارکانِ دولت سے پوچھا کہ اس آدمی کو کیا سزا دینی چاہیے؟ ایک نے زبان کاٹنے کی رائے دی اور کسی نے جائیداد کی ضبطی اور کسی نے ملک بدر کرنے کی تجویز پیش کی۔ ایک نے اس کے قتل کا مشورہ دیا تب ہارون الرشید نے اپنے بیٹے کو مخاطب کیا اور بولے کہ اے بیٹے! اگر تو اس کو معاف کر دے تو یہ تیری مہربانی ہے اور اگر معاف نہیں کر سکتا تو تو بھی اس کی طرح اسے ماں کی گالی دے دے لیکن حد سے تجاوز نہ کرنا ورنہ پھر تیری طرف سے ظلم ہوگا اور دوسرے کی طرف سے دعویٰ۔

"عقل مند کے نزدیک مرد وہ نہیں ہے جو مست ہاتھی سے لڑے ہاں! تحقیق کی رو سے مرد وہ ہے کہ جب اسے غصہ آئے تو واہی تباہی نہ بکے"۔

﴿حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ایک گبر آگ پرست﴾

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی عادت تھی کہ تنہا کھانا نہ کھاتے تھے بلکہ کسی نہ کسی مہمان کو اپنے ساتھ شریک کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ کے ہاں سات دن تک کوئی مہمان نہ آیا۔ آخر آپ مہمان کی تلاش میں خود گھر سے نکلے۔ جنگل میں سے گزرتے ہوئے ایک بزرگ آدمی سے ملے جس کے سر اور داڑھی کے بال برف کی طرح بالکل سفید تھے۔ آپ نے اسے کھانے کی دعوت دے ڈالی اور اسے نہایت عزت واحترام کے ساتھ اپنے ساتھ گھر لے آئے۔ جب دستر خوان بچھایا گیا اور سب کھانے کے لئے بیٹھ گئے تو سب نے بسم اللہ کہہ کر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا سوائے بزرگ کے۔ خلیل اللہ نے فرمایا: کہ بڑے میاں کیا آپ کو معلوم نہیں ہے اور نہ

ہی آپ میں بوڑھوں کا سا صدق اور سوز ہے کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ جب تو کھانا کھائے تو اس وقت سچے دل سے رزق لینے والے کا نام لے؟ اس پر بوڑھے نے کہا کہ میں تو تمہارے خدا کو نہیں مانتا۔ میں نے اپنے آتش پرست پیشوا سے سنا ہے کہ تمہارا راستہ (دین) برا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جان گئے کہ بوڑھا آتش پرست ہے دوسرے مذہب کا ہے آپ نے آزردہ خاطر ہو کر اس بوڑھے کو گھر سے نکال دیا اور دستر خوان لپیٹ دیا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے ابراہیم! میں نے اس کو پیدا کیا اور سو سال سے روزی دے رہا ہوں حالانکہ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے نہیں مانتا لیکن تجھے ذرا سی دیر میں اس سے نفرت ہو گئی اگر وہ آگ کے سامنے سجدہ کرتا ہے تو تُو کیوں سخاوت سے اپنے ہاتھ کو پیچھے ہٹاتا ہے۔

﴿سود کھانے والا اپنی عاقبت برباد کرتا ہے﴾

ایک سود خور ایک بار سیڑھی سے گر گیا سیڑھی سے گرتے ہی وہ دم توڑ گیا۔ اس کے بیٹے نے چند دن ماتم کیا اور پھر سے دنیا کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ ایک رات اس نے خواب میں اپنے باپ کو دیکھا اور پوچھا کہ ابا جان آپ حساب کتاب حشر ونشر سے کیسے چھوٹے اور اب آپ کس حال میں ہیں؟ باپ نے جواب دیا کہ "اے بیٹے! یہ قصہ نہ دوہرا میں سیڑھی سے گر کر سیدھا دوزخ میں آ گرا ہوں"

﴿بارش کا قطرہ جو موتی بن گیا﴾

بارش کا ننھا قطرہ بادل سے گرا اور جب اس نے نیچے سمندر کی چوڑائی دیکھی تو شرمندہ ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ اس اتنے بڑے سمندر کے سامنے میری کیا حیثیت ہے؟ اس کے ہوتے ہوئے تو میں نہ ہونے کے برابر ہوں۔ جب اس نے اپنے آپ

کوحقارت سے دیکھا تو ایک سیپی (صدف) نے اسے اپنے منہ میں لے لیا اور دل و جان سے اس کی پرورش کی تھوڑے ہی دنوں میں وہ قطرہ ایک قیمتی موتی میں تبدیل ہو گیا اور بادشاہ کے تاج کی زینت بنا۔یعنی بلندی اسی کو حاصل ہوگی جو پست ہوا نیستی کا دروازہ کھٹکھٹایا یہاں تک کے ہست ہو گیا۔

﴿جوابِ جاہلاں باشد خموشی﴾

ایک عالم و فاضل شخص ایک ملحد (دہریے) سے بحث کر رہا تھا وہ جو بھی دلیل پیش کرتا تھا۔ملحد اسے رد کر دیتا تھا اور کہتا تمہاری دلیل کے ماخذ کو میں تو سرے سے ہی نہیں مانتا۔مجبوراً وہ عالم بحث سے دستبردار ہو کر وہاں سے چل دیا۔کسی نے کہا کہ واہ صاحب! آپ اتنا علم و فضل رکھتے ہیں اور اتنا علم و فضل رکھنے کے باوجود بھی اس جاہل اور بے دین کے مقابلے میں عاجز آگئے۔اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میرے علم کا ماخذ اور منبع قرآن حدیث اور بزرگانِ دین کے اقوال ہیں اور یہ بے دین سرے سے ان باتوں کا قائل ہی نہیں ہے اور میری کوئی دلیل نہیں سنتا۔اس لئے مجھے کیا پڑی ہے کہ میں اس کے کفریہ کلمات سنتا رہوں۔

﴿نسب نہیں بلکہ عمل آخرت میں کام آئے گا﴾

شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی (دیہاتی) یا صحرائی عرب کو دیکھا جو اپنے لڑکے سے کہہ رہا تھا "اے بیٹے! قیامت کے دن تجھ سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تو نے کیا عمل کیا؟ یہ نہیں پوچھا جائیگا کہ تیرا باپ کون ہے؟"

﴿بادشاہی دردِ سر ہے﴾

ایک بادشاہ کی کوئی اولاد نہ تھی۔اس نے مرتے وقت نصیحت کی کہ کل صبح سویرے

جو شخص سب سے پہلے شہر میں داخل ہو۔ تاج شاہی اس کے سر پر رکھا جائے وہ اس ملک کا بادشاہ ہوگا۔ دوسرے دن صبح کے وقت جو پہلا شخص شہر میں داخل ہوا وہ ایک خستہ حال بھکاری تھا۔ جس کی ساری عمر مانگتے ہی گزری تھی اور وہ پیوند لگے کپڑے پہنتا تھا غرض کہ اس کی حالت انتہائی بری تھی۔ امرائے حکومت نے مرحوم بادشاہ کی وصیت کے مطابق اس کو اپنا بادشاہ بنالیا اور قلعوں اور خزانوں کی تمام چابیاں اس کے حوالے کر دیں۔ کچھ عرصہ تو حکومت کا نظام ٹھیک طریقے سے چلتا رہا۔ پھر بعض امیروں کی سرکشی کی وجہ سے نظامِ حکومت چلانے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کا ایک حصہ اس کے قبضے سے نکل گیا۔ انہی دنوں اس کا ایک بہت پرانا ساتھی جو کسی سفر پر گیا ہوا تھا واپس آیا لیکن اپنے دوست کا شاہانہ کروفر دیکھ کر بہت خوشی ہوا اور اس کو بہت بہت مبارک دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ قسمت نے تیرا بڑا ہی ساتھ دیا ہے اور اقبال و دولت نے تیری رہبری کی یہاں تک کہ تیرا پھول کانٹے سے اور کانٹا تیرے پاؤں سے نکل گیا۔ بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے تنگی کے بعد آسانی ضرور آتی ہے۔

بادشاہ نے کہا کہ اے عزیز! یہ مبارک باد دینے کا موقع نہیں بلکہ ماتم پرستی کا موقع ہے۔ جب میں تیرا ساتھی تھا اس وقت مجھے صرف ایک روٹی کی فکر ہوتی تھی اور رات کو چین سے سوتا تھا اب ایک جہان کی فکر ہے اور نہ دن کو چین ہے اور نہ رات کو آرام میسر ہے۔

احسان بہت بڑی عادت ہے

ایک خدا پرست آدمی حجاز کے سفر پر بڑے ذوق و شوق سے روانہ ہوا وہ ہر قدم پر دو رکعت نماز ادا کرتا تھا اور اگر اس کے پاؤں میں کوئی کانٹا چبھ جاتا تو اسے فرط ذوق و

شوق میں اسے پاؤں میں ہی رہنے دیتا تھا۔ یہ اس کی خدا سے محبت تھی مگر شیطان سے یہ برداشت نہ ہوا تو اس نے اس آدمی کے ذہن میں خیال ڈالا کہ تجھ سے بڑھ کر عبادت گزار اور راہِ خدا میں مصیبت برداشت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے اور قریب تھا کہ یہ وسوسہ اس کے اجر و ثواب کو ضائع کر دیتا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ گئی اور اس کو گمراہی کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا۔ غیب سے آواز آئی۔ اگر تو نے عبادت کی ہے تو گھمنڈ نہ کر غرور میں مبتلا نہ ہو کہ کوئی تحفہ دربارِ الٰہی میں لایا ایک دل کو احسان سے راحت پہنچانا ہر منزل پر ہزار رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔

﴿ادھار لینے سے عزت گھٹتی ہے﴾

ایک شخص بازار میں گھوم پھر کر گنڈیریاں بیچ رہا تھا۔ اس نے بازار کے کونے میں ایک درویش آدمی کو دیکھا وہ اس کی جان پہچان کا آدمی تھا۔ گنڈیری والے نے اس سے کہا کہ بھائی تو بھی گنڈیریاں لے لے پیسوں کی فکر کیوں کرتا ہے؟ جب تیرے پاس ہوں گے تو تو مجھے دے دینا درویش آدمی نہایت قناعت پسند اور سمجھ دار تھا۔ اس نے نہایت عقل مندی اور شائستگی کے ساتھ جواب دیا نہیں شکریہ۔ شاید تو پیسوں کی وصولی کیلئے زیادہ صبر نہ کر سکے لیکن میں تو گنڈیریوں سے صبر کر سکتا ہوں۔

''اس گنے کی شکر مٹھاس نہیں رکھتی جس کے پیچھے تلخ تقاضہ ہو''

﴿دوسروں کو کتا کاٹتا ہے انسان نہیں﴾

ایک کتے نے ایک صحرا نشین کے پاؤں کو اس بری طرح سے کاٹا کہ بے چارے کو اتنی شدید درد ہوئی کہ وہ اس درد کی وجہ سے رات بھر نہ سو سکا۔ اس کی ایک چھوٹی سی لڑکی تھی اس نے باپ کو درد سے کراہتے ہوئے دیکھا اپنے باپ کو اتنی تکلیف میں مبتلا دیکھ کر وہ بہت ہی معصومیت سے باپ پر ناراض ہو کر بولی کہ ابا جان! آپ کے پاس

بھی تو دانت ہیں تو پھر آپ نے کتے کو کیوں نہیں کاٹا اور باپ نے نہایت شفقت سے ہنستے ہوئے جواب دیا کہ اے جانِ پدر! دوسروں کو کاٹنا تو کتوں کا کام ہے آدمی کتوں کو نہیں کاٹتا۔

''یہ تو ہوسکتا ہے کہ آدمی بروں کے مقابلے میں تھوڑا سا برا بن جائے لیکن اس کے لئے کتا بننا ممکن نہیں ہے''

دوسرے کا بھید کبھی ظاہر نہ کرو

سلطان محمود غزنوی کے وزیر حسن سمیندی سے ایک بار سلطان کے چند درباریوں نے پوچھا کہ آج سلطان نے فلاں معاملے کے بارے میں آپ سے کیا باتیں کیں۔ حسن سمیندی نے کہا کہ سلطان کی رائے تم سے بھی پوشیدہ نہ ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ اس بارے میں تو ہم کچھ نہیں جانتے۔ سلطان جو باتیں آپ سے کرتا ہے ہمارے ساتھ کرنا پسند نہیں کرتا اس کے جواب میں حسن سمیندی نے کہا کہ سلطان تخلیہ میں میرے ساتھ جو باتیں کرتا ہے وہ اسی اعتماد پر کرتا ہے کہ میں کسی سے نہ کہوں گا پھر تم کیوں پوچھتے ہو؟

علم سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں

ایک عقل مند آدمی اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتا تھا کہ اے میرے جگر کے ٹکڑے! میرے دل کا قرار علم و ہنر حاصل کرو کیونکہ دنیا کی دولت اعتماد کے قابل نہیں ہے یہ تو ایک نہ ایک دن تمہارا ساتھ چھوڑ جائیگی۔ سونا چاندی روپیہ پیسہ چوری ہو جانے والی چیز ہے یہ چوری ہوسکتا ہے۔ سفر میں ضائع ہوسکتا ہے خرچ ہوسکتا ہے کم ہوسکتا ہے لیکن علم ایک ایسی لازوال بڑھنے والی اور کبھی نہ ختم ہونے والی دولت ہے کہ اگر صاحب علم دنیا کی دولت سے محروم ہو جائے تو وہ اس کی کبھی پرواہ نہیں کرے گا لیکن اگر وہ علم جیسی

لازوال دولت کا مالک ہوگا تو جہاں جائے گا عزت اور بلند مرتبہ حاصل کرے گا۔ اس کے برعکس بے علم مفلس بھیک مانگتا ہے اور ذلت اٹھاتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملک شام پر کوئی مصیبت آپڑی اور لوگ گھروں سے بھاگ نکلے اور پھر یہ ہوا کہ علم و ہنر سے بے بہرہ اور کسان زادے بادشاہ کے وزیر بن گئے اور وزیروں کے جاہل لڑکے دیہاتوں میں بھیک مانگنے لگے۔

دو بھائیوں کی سرگذشت

ایک بادشاہ کے دو بیٹے تھے۔ اس نے ان دونوں کی پرورش اور تعلیم نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کی یہاں تک کے دونوں ہر قسم کے علوم وفنون میں طاق ہو گئے۔ بادشاہ اپنے دونوں بیٹوں کی طرف سے دل سے خوش تھا جب بادشاہ کی زندگی کا آخری وقت آیا تو بادشاہ نے اپنے دونوں بیٹوں کے درمیان ملک کی برابر تقسیم کردی اور وصیت کی کہ اے میرے بچو! میں نے فساد کی جڑ کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا ہے اس لئے میرے بعد اتفاق ومحبت سے رہنا۔ بادشاہ کی موت کے بعد دونوں بھائیوں نے اپنا اپنا علاقہ سنبھال لیا اور حکومت کرنے لگے۔ ایک بھائی نہایت عقل مند' سخی اور منصف مزاج تھا اس نے محتاجوں اور غریبوں کیلئے لنگر جاری کر دیئے۔ مسافر خانے بنوائے سرکاری محاصل میں رعایت کی اور رفاہِ عامہ کے بے شمار کام کئے یہاں تک کہ اس کی رعایا نہایت آسودہ حال سکون کی زندگی بسر کرنے لگی۔ اپنی خوش تدبیری اور حسن اخلاق کی بدولت وہ ایسا نیک نام اور ہر دلعزیز ہوا کہ نہ صرف اپنی رعایا بلکہ فوج بھی اس پر اپنی جان قربان کرنے کیلئے تیار تھی۔ اس سے بے حد محبت کرتی تھی اور اس کی عزت کرتی تھی۔ جس کی وجہ سے اردگرد کے ممالک کے لوگ بھی اس کی سلطنت میں شامل ہونے کی آرزو کرتے تھے۔ دوسرا بھائی عادات واطوار میں اپنے بھائی سے بالکل مختلف نکلا وہ حد سے زیادہ لالچی اور ظالم تھا۔ اس نے نہ صرف کاشتکاروں پر لگان بڑھا دیا۔ سامان تجارت پر طرح طرح کے محصول

لگا دیئے اور روپیہ جمع کرنے کی دھن میں رعایا کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ تھوڑی ہی مدت میں لوگ اس کے ظلم و ستم سے تنگ آ گئے اور ملک سے بھاگنے لگے۔ نہ تجارت رہی اور نہ ہی کھیتوں میں سبزہ نظر آتا تھا۔ ملک کی ویرانی کے ساتھ بادشاہ کا اپنا خزانہ بھی خالی ہو گیا اور اس کے ساتھ نظام حکومت بگڑ گیا۔ دشمنوں کے ہاتھ موقع آیا وہ حملہ کرنے کیلئے دوڑے فوج تو پہلے ہی اس سے بددل تھی مقابلہ کیا کرتی اور یوں تھوڑے سے عرصے میں اسے مغلوب کر لیا اور اس طرح وہ اپنی بدتدبیری اور عاقبت نا اندیشی کی بدولت ملک اپنے ہاتھ سے گنوا بیٹھا۔

حاتم کی بیٹی

ایک بار جنگ میں قبیلہ طے کے چند قیدی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیئے گئے چونکہ ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور فساد برپا کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ ان قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی۔ اس نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ اہل کرم میں سے تھا۔ اس لئے آپ بھی مجھ پر کرم فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے آزاد کر دو لیکن جب دوسرے قیدی قتل کئے جانے لگے تو اس نے لجاجت سے کہا کہ میں رہائی نہیں چاہتی مجھے بھی ان کے ساتھ قتل کر دیجئے۔ میں اس کو شرافت سے بعید سمجھتی ہوں کہ میں رہا ہو جاؤں اور میرے ساتھیوں کی گردن ماری جائے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی گفتگو سنی تو سب قیدیوں کی جان بخشی کر دی اور انہیں اپنے گھر واپس جانے کی اجازت دے دی۔

دوسروں کے تر مال سے گھر کی روکھی سوکھی اچھی ہے

ایک غریب بڑھیا نے ایک بلی پال رکھی تھی۔ جو روکھی سوکھی بڑھیا خود کھاتی تھی

وہی بلی کوملتی تھیاس طرح دونوں امن سے زندگی گزار رہی تھیں ۔ایک دن بلی لذیذ اور مزے کے کھانوں کے لالچ میں ایک امیر آدمی کے مہمان خانے میں چلی گئی ۔امیر کے ملازم کھانوں کی نگرانی میں لگے ہوئے تھے ۔انہوں نے جب بلی کو کھانے کے ارد گرد منڈلاتے دیکھا تو نشانہ باندھ کر تیر چلایا تیر سیدھا بلی کی ہڈی میں تراز وہو گیا۔ بے چاری وہاں سے اس حال میں بھاگی کہ ہڈیوں سے خون ٹپک رہا تھااور خوف سے بدن بھی تھر تھر کانپ رہا تھااور دل میں کہہ رہی تھی کہ اگر میں اس تیر انداز کے ہاتھوں سے بچ نکلی تو میں ہوں گی اور چوہے اور بڑھیا کا گھر اور آئندہ میری توبہ جو کبھی بھول کر بھی دوسروں کے تر مال پر نظر نہ ڈالوں گی۔

﴿خود پسند محروم رہتا ہے﴾

ابوالحسن کوشیار ایران کا مشہور ستارہ شناس (منجم) تھا۔ شیخ بوعلی سینا جیسے سرآمد روزگار بزرگ نے بھی اس کے سامنے زانوائے تلمذ طے کیا تھا۔ایک دفعہ کوشیار کے پاس ایک ایسا طالب علم آیا جو سخت خود پسند تھا۔اس طالب علم کو علم نجوم سے تھوڑی بہت واقفیت تھی لیکن اتنی نہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو افلاطون زمانہ سمجھنے لگتا۔کوشیار نے اس کو دیکھتے ہی اس کی خود پسندی اور تکبر کا اندازہ لگا لیا اور اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مدتوں کوشیار کے حلقۂ درس میں شامل رہنے کے باوجود حقیقی علم وفن سے نا آشنا رہا۔جب وہاں سے جانے لگا تو استاد نے بلایا اور فرمایا:

”تو نے اپنے بارے میں خیال کیا کہ نہایت عقل مند ہے۔ ذرا سوچ کہ جو برتن پہلے ہی بھرا ہوا ہواس کو مزید بھرنے کی گنجائش بھلا کہاں ہوتی ہے۔ دعویٰ سے خالی ہو کر آتا کہ کچھ حاصل کر لیتیرے دماغ میں خود پسندی سمائی ہوئی ہے اس لئے محروم جا رہا ہے۔

سلامتی خاموشی میں ہے

ملک مصر میں ایک درویش صورت آدمی نے مدتوں سے چپ سادھ رکھی تھی وہ کسی سے بات نہ کرتے تھے۔لوگ اسے خدارسیدہ بزرگ سمجھتے اور پروانہ وار اس کے گرد چکر لگاتے تھے۔فی الحقیقت وہ ایک عام دنیادار آدمی تھا لیکن مسلسل خاموشی نے اسے ایک عام دنیادار آدمی ظاہر کرر کھا تھا۔ایک دن اس نے کسی آدمی سے یہ کہہ دیا کہ میں تو ایک معمولی اور عام سا بندہ ہوں۔چپ اس لئے سادھ رکھی ہے کہ لوگ مجھے دانا اور باکمال سمجھیں اس نے یہ بات کہنے کوتو کہہ دی لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا دوست دشمن سب اس کی حقیقت سے باخبر ہو گئے اور اس طرح اس کی ذراسی غلطی سے اس کا کاروبار ٹھپ ہو گیا مگر ''اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت''۔

ایک دن لوگوں سے منہ چھپا کر وہاں سے غائب ہو گیا لیکن جاتے جاتے مسجد کی محراب پر یہ شعر لکھ گیا کہ اگر میں اپنے آپ کو آئینہ میں دیکھ لیتا تو بے وقوفی سے اپنا پردہ چاک نہ کرتا۔

استاد کی سختی باپ کی محبت سے بہتر ہے

ایک مدرسے کا استاد نہایت تندخواور سخت گیر تھا۔وہ پھول سے نازک بچوں کو بہت بُری طرح مارتا تھا۔کسی بچے کے نرم گال پر تھپڑ مارتا اور کسی کی شفاف پنڈلی کو شکنجے میں کستا آخر لوگوں نے تنگ آکر اور دل برداشتہ ہو کر اسے مدرسے سے نکال باہر کیا اور نیک دل اور پرہیز گار اور نرم طبع استاد کو لے آئے۔وہ ضرورت کے بغیر کوئی بات منہ سے نہ نکالتا اور کسی کو بھی دکھ نہ دیتا تھا۔رفتہ رفتہ طلباء کے دلوں سے استاد کا ڈر جاتا رہا اور وہ پڑھنا لکھنا بھول کر ہر وقت کھیل کود میں مشغول رہنے لگے یا ایک دوسرے سے لڑنے

میں غرض مدرسہ بازیچۂ اطفال بن گیا لوگ مجبوراً پہلے والے استاد کے پاس گئے اور اسے راضی کر کے پھر مدرسے میں لے آئے اور اس موقع پر ایک خوش طبع بوڑھے نے کیا خوب کہا۔

ایک بادشاہ نے اپنا لڑکا مکتب میں بھیجا اس کی بغل میں چاندی کی تختی دی جس پر یہ بات سونے کے پانی سے لکھی ہوئی تھی کہ استاد کی سختی باپ کی محبت سے بہتر ہے۔

﴿نیک نام سے بڑھ کر کوئی قلعہ مضبوط نہیں﴾

سلطان قزل ارسلان سلجوقی کے پاس ایک زبردست قلعہ تھا جو پہاڑوں کے درمیان میں ایسے محفوظ مقام پر واقع تھا کہ خواہ کیسا ہی دشمن حملہ کرے اس کو سر نہ کر سکتا تھا۔ اس قلعے کے اندر پانی کے چشمے جاری تھے اور سرسبز باغ لہلاتے تھے۔ اس میں رہنے والے لشکر سال بہ سال اپنی ضرورتیں خود پوری کر سکتے تھے اور وہ باہر سے کسی قسم کی بھی امداد کے محتاج نہ تھے۔ سلطان کو اس قلعے پر بڑا فخر تھا ایک دن سلطان کے دربار میں لوگ اس قلعے کی تعریفیں کر رہے تھے کہ ایک صاحب دل وہاں آیا اس نے جب لوگوں کی باتیں اور تعریفیں جو اس کے قلعہ کے بارے میں تھیں سنیں تو ہنس پڑا اور بولا: بادشاہ سلامت! یہ قلعہ مبارک ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہ اتنا مضبوط ہے کہ آپ کی حفاظت کر سکے۔ اس قلعے میں آپ جیسے کئی آئے اور چند دن ٹھہر کر رخصت ہو گئے اس قلعے پر بھروسہ کرنے کی بجائے خدا کی ذات پر بھروسہ کریں۔ اینٹ اور پتھر کا قلعہ ایک دن فنا اور ختم ہو جائے گا ہاں! اگر کچھ باقی رہے گا تو وہ آپ کا نیک نام ہو گا۔

لہٰذا لوگوں کے ساتھ بھلائی کریں اور یاد رکھیں کہ نیک نامی ایسا قلعہ ہے جو ہمیشہ آپ کے کام آئے گا۔

''ہوشیار انسان کے نزدیک دنیا تنکا ہے کہ ہر زمانہ میں دوسرے کی جگہ ہے''

﴾احسان کے ذریعہ دلوں کا شکار کروں﴿

شیخ سعدی کہتے ہیں کہ میں کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں ایک نوجوان کو دیکھا جو ایک بکری کی رسی پکڑے ہوئے تھا اور بکری اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ میں نے کہا کہ یہ رسی کی برکت ہے ورنہ یہ بھاگ جاتی نوجوان نے اس کی رسی کھول دی اور دائیں بائیں چلنا شروع کر دیا۔ وہ جدھر کا رخ کرتا بکری بدستور اس کے پیچھے پیچھے جاتی۔ میں نے تعجب کا اظہار کیا تو نوجوان نے کہا میرے بزرگ! رسی اس کو میرے پیچھے نہیں لائی بلکہ احسان کا پھندا اس کے گلے میں پڑا ہوا ہے۔ جو اس کو کہیں بھاگنے نہیں دیتا۔ آپ کو معلوم نہیں کہ یہ روزانہ میرے ہاتھ سے جو اور سبز چارہ کھاتی ہے۔

''اے نیک آدمی! بروں پر مہربانی کر کتا جب تیری روٹی کھاتا ہے تو تیری حفاظت کرتا ہے''

﴾مال فتنے کی جڑ ہے﴿

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک بھوکے اور ننگے درویش کے پاس سے گزرے۔ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! دعا کریں کہ اللہ مجھے آسودہ حال کر دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس فقیر درویش کیلئے دعا کی اور چلے گئے اور کچھ عرصہ بعد آپ پھر اسی جگہ سے گزرے دیکھتے کیا ہیں کہ درویش کو سپاہیوں نے گرفتار کیا ہوا ہے اور اس کے گرد لوگوں کا ہجوم ہے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس شخص نے شراب پی کر لوگوں سے دنگا فساد کیا اور ایک آدمی کو قتل کر ڈالا اب اسی جرم میں گرفتار ہے۔

''جو خدا تمہیں مال دار نہیں بناتا وہ تیری بہتری تجھ سے بہتر جانتا ہے''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انکسار

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک تنگ گلی سے گزر رہے تھے کہ آپ کا پاؤں ایک فقیر کے پاؤں پر پڑ گیا۔ فقیر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نہیں جانتا تھا اور یوں بھی دکھی آدمی دوست دشمن میں تمیز نہیں کرتا اس نے غضبناک ہو کر کہا تو اندھا ہے کہ دیکھ کر نہیں چلتا۔

منصف مزاج امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے نہایت عاجزی سے فرمایا کہ بھائی میں اندھا تو نہیں ہوں نادانستہ غلطی ضرور ہو گئی خدا کیلئے مجھے معاف کر دے۔ یہ الفاظ وہ شخص ایک فقیر کے سامنے کہہ رہا ہے جو لاکھوں مربع زمین کا حاکم تھا جس کی فوجوں نے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے تھے اور جس کے رعب و دبدبہ سے شہریوں کا پتہ پانی ہوتا تھا۔

"عقل مند ہمیشہ انکسار پسند ہوتا ہے کیوں کہ میوہ سے بھری ہوئی شاخ زمین پر سر رکھ دیتی ہے"

اپنی زبان پر قابو رکھو

ایک شخص کی کچھ دوسرے لوگوں سے کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ تکرار تہذیب کے دائرے کے اندر ہی رہتی تو اس میں کچھ مضائقہ نہ تھا لیکن وہ شخص اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکا اور اپنے حریفوں کو گالی دے دی۔ انہوں نے غصے میں آ کر اس کا گریبان پھاڑ دیا اور خوب مارا پیٹا۔ پٹ پٹا کر وہ زار زار رونے لگا کبھی وہ اپنے ننگے جسم کو دیکھتا تھا اور کبھی اپنی چوٹیں سہلاتا تھا۔ ایک جہاں دیدہ آدمی نے اسے دیکھا تو اسے کہا کہ میاں اگر تم اپنی زبان قابو میں رکھتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ پھول کو دیکھو جب تک وہ غنچہ رہتا ہے کوئی اس کو نہیں چھیڑتا جونہی وہ منہ کھول کر پھول بنتا ہے۔ اس کا رس

چوسنے والے اور توڑنے والے ہر طرف سے آجاتے ہیں۔

دوسروں پر انگلیاں نہ اٹھاؤ

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بچپن میں بڑا عابد وزاہد اور شب بیدار تھا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ میں اپنے والد مرحوم کے ساتھ مسجد میں مشغول تھا عبادت وریاضت کیلئے قرآن حکیم بغل میں لئے ہوئے تھا کچھ لوگ ہمارے چاروں طرف سو رہے تھے میں نے والد سے کہا کہ ان لوگوں میں کسی کو اتنی توفیق بھی نہیں ہوئی کہ اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیتا ایسے سوئے ہوئے ہیں گویا مردہ ہیں۔

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کے والد نے فرمایا: "جان پدر! اگر تم بھی سو جاتے تو یہ اس سے بہتر تھا کہ لوگوں کی عیب چینی کرتے"

کسی کا برا نہ چاہو

ایک بادشاہ کا غلام بھاگ گیا کچھ لوگوں نے اس کا تعاقب کیا اور گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ وزیر کو اس غلام سے بڑی دشمنی تھی۔ اس نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ غلام نے ہاتھ باندھ کر بادشاہ سے عرض کی کہ بادشاہ کے حکم کے سامنے میرا سر خم ہے لیکن کیونکہ حضور کا نمک کھا کر پلا ہوں اس لئے نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن آپ پر میرے ناحق قتل کا الزام لگایا جائے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس وزیر کو مار ڈالوں پھر اس کے قصاص میں آپ مجھے قتل کرا دیں اس صورت میں میرا قتل بالکل جائز ہوگا۔ بادشاہ ہنس پڑا اور وزیر سے کہا کہ اب بتا تیری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا کہ بادشاہ حضور! میری رائے میں مناسب یہ ہے کہ اپنے پدرِ بزرگوار کی قبر کے صدقے میں اس کو آزاد کر دیں تاکہ یہ مجھے کسی بلا میں نہ پھنسا دے۔ "جب تو کسی دشمن پر تیر چلائے تو یہ جان لے کہ تو بھی اس کے نشانہ پر ہے"

﴿جوانمردی برے کے ساتھ احسان کرنے میں ہے﴾

ایک شخص کا گدھا کیچڑ میں پھنس گیا۔ بہت کوشش کی لیکن اسے نکالنے میں کامیاب نہ ہوسکا ناچار تھک ہار کر بیٹھ گیا سنسان جنگل شدید سردی اور تیز بارش پہلے ہی کچھ کم مصیبت نہ تھی۔ اب گدھے کی وجہ سے اسے رات بھر وہیں بیٹھنا پڑا تو جھلاہٹ میں اپنا دماغی توازن قائم نہ رکھ سکا اور اس وقت کے بادشاہ کو بہت سی گالیاں دینے لگا۔ اتفاق سے بادشاہ شکار کھیلتے کھیلتے ادھر آنکلا۔ اس شخص کی گالیاں سن کر وہیں رک گیا اور اپنے ملازموں سے کہا کہ یہ مجھے اتنی گالیاں دے رہا ہے مجھ پر کس چیز کا غصہ کھا رہا ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ عالی جاہ! ایسے آدمی کا علاج تلوار ہے اگر آپ اجازت دیں تو اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے۔ عالی حوصلہ بادشاہ نے ان کا مشورہ رد کر دیا کیونکہ وہ یہ بات جانتا تھا کہ مصیبت انسان کو چڑچڑا اور بدمزاج بنا دیتی ہے۔ اس بے چارے کے گدھے کو کیچڑ سے نکلوایا اور انعام واکرام دے کر اس کا دل خوش کر دیا اب وہ گالیوں کی بجائے بادشاہ کو دعائیں دینے لگا۔

''برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان ہے اگر تو جوانمرد ہے تو برائی کرنے والے کے ساتھ احسان کر''۔

﴿محنت سے روزی کمانا غلامی کرنے سے بہتر ہے﴾

دو بھائیوں کا قصہ ہے کہ ان میں سے ایک بھائی بادشاہ کا ملازم تھا اور دوسرا محنت سے روزی کماتا تھا۔ ایک دن بادشاہ کے ملازم اور آسودہ حال بھائی نے دوسرے سے کہا کہ تو شاہی ملازمت کیوں نہیں اختیار کر لیتا؟ تاکہ یہ روز روز کی محنت ومشقت سے تیری جان چھوٹ جائے۔ دوسرے بھائی نے کہا کہ تم محنت ومشقت کیوں نہیں کرتے تاکہ خدمت چاکری کی ذلت سے نجات پاؤ۔ داناؤں کا قول ہے کہ:

''جو کی روٹی یعنی (روکھی سوکھی) کھا کر عزت سے گھر میں بیٹھنا بہتر ہے اس سے کہ سنہری پٹی باندھ کر دوسروں کی غلامی کی جائے''۔

شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انکسار

ایک بار امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی آدمی نے ایک مسئلہ پیش کیا۔ آپ اس کا جواب دے رہے تھے کہ حاضرین مجلس میں سے ایک شخص بول پڑا۔ ''اے ابوالحسن! آپ جو کچھ فرما رہے ہیں اس سے یہ مسئلہ حل نہ ہوگا۔

حضرت علی نے اس کی بات نہایت تحمل اور صبر کے ساتھ سنی اور فرمایا: کہ اچھا تیرے خیال میں اس مسئلہ کا کیا حل ہے؟

اس آدمی نے اپنی رائے ظاہر کی اور شاہِ مرداں نے اس کا جواب پسند فرمایا اور فرمایا: کہ ہاں اس کا بہتر حل یہی ہے۔

حضرت علی باب علم تھے اور دین و دنیا کے بادشاہ تھے لیکن انہوں نے ایک دوسرے آدمی کا مشورہ خندہ پیشانی سے قبول کر لیا کوئی اور بادشاہ ہوتا تو اس کو دھکے مار کر اپنی مجلس سے نکال دیتا۔

''جس کے سر میں غرور ہے ہرگز خیال نہ کر کہ وہ سچی بات سنے گا''

ناصح کے عیب نہ دیکھو اس کی نصیحت پر عمل کرو

ایک فقیر نے اپنے والد سے کہا کہ مجھ پر ان واعظوں کی دلآویز باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر خود کوئی عمل نہیں کرتے۔ لوگوں کو ترکِ دنیا کا سبق دیتے ہیں اور خود چاندی اور غلہ جمع کرتے ہیں۔ باپ نے کہا بیٹا محض اس خیال باطل کی وجہ سے نصیحت کرنے والوں کی طرف سے منہ پھیرنا مناسب نہیں ہے۔ علماء کو گمراہ سمجھنا اور معصوم عالم کی تلاش میں علم سے محروم رہنا اس اندھے کی طرح ہے جو

ایک رات کیچڑ میں پھنس گیا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے مسلمانو! میرے راستے میں چراغ رکھ دو ایک خوش طبع عورت نے اس کی بات سن کر کہا کہ جب تجھے چراغ ہی نظر نہیں آتا تو اس کی روشنی میں راستہ کیسے تلاش کرے گا؟ اسی طرح وعظ کی مجلس بازار کی دکان کی طرح ہے وہاں جب تک نقد نہ دو گے سامان حاصل نہ کر سکو گے۔ مجلس وعظ میں جب تک عقیدت سے نہ آؤ گے سعادت نہیں پاؤ گے۔

علم کی بات دل سے سنو اگرچہ اس کا عمل اس کے قول کی مانند نہ ہو انسان کو چاہیے کہ نصیحت کان میں ڈال لے (قبول کر لے) خواہ وہ دیوار پر لکھی ہو۔

غلط روی پر ٹوکنے والا حقیقی خیر خواہ ہے

علاقہ عوز میں ایک ظالم بادشاہ ہوا کرتا تھا۔ وہ لوگوں کے گدھے بیگار میں پکڑ لیتا تھا اور وہ جانوروں پر اتنا زیادہ ظلم کرتا تھا کہ وہ ان کو کھانے کیلئے کچھ گھاس دانہ وغیرہ نہ دیتا تھا البتہ! ان سے باربرداری کا کام اتنا زیادہ لیتا تھا کہ بے چارے دو ایک روز میں مر جاتے تھے۔

ایک دفعہ بادشاہ شکار کیلئے نکلا اور کسی جانور کے پیچھے گھوڑا دوڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گیا۔ جیسے ہی سورج غروب ہوا رات کی سیاہی نے چاروں طرف ڈیرے ڈال لئے بادشاہ اکیلا تھا مجبور ہو کر ایک گاؤں میں اترا۔ وہاں پر بادشاہ نے ایک عجیب منظر دیکھا کہ ایک دیہاتی اپنے مضبوط اور توانا گدھے کو لٹھ مار مار کر لنگڑا کر رہا تھا۔ بادشاہ کو اس دیہاتی کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری اور بہت غصہ آیا۔ بادشاہ نے اس کو کہا کہ تم اس جانور پر اتنا ظلم کیوں کر رہے ہو؟ دیہاتی جو کہ بادشاہ کو نہ جانتا تھا غصے سے بولا کہ اے مسافر! جا اور اپنا کام کر میرے کام سے تجھے کیا لگے اور تجھے پتہ ہے کہ میرے اس کام میں کیا مصلحت پوشیدہ ہے؟ بات یہ ہے کہ ہمارا بادشاہ بہت

ظالم ہے اور وہ تندرست اور مضبوط گدھے غریبوں سے چھین لیتا ہے میں اس لئے اس گدھے کی ٹانگ توڑ رہا ہوں تاکہ بیگار میں پکڑا نہ جائے۔ لنگڑے گدھے کا میرے پاس رہنا اس بات سے بہتر ہے کہ بادشاہ کے پاس بوجھ ڈھوتا مر جائے۔

بادشاہ کو دیہاتی کی باتیں سن کر غصہ تو بہت آیا لیکن اس وقت خاموشی اختیار کی۔ صبح ہوتے ہی بادشاہ کے لشکر کے لوگ بادشاہ کو تلاش کرتے ہوئے گاؤں آ پہنچے بادشاہ سلامت بادشاہ سلامت کا شور مچ گیا۔ بادشاہ کو رات والا دیہاتی یاد تھا اس نے حکم دیا کہ اس کو گرفتار کر کے اس کو مار دیا جائے۔ اس دیہاتی نے بادشاہ کی بہت منت سماجت کی لیکن بادشاہ کا دل نرم نہ ہوا جب دیہاتی کو یقین ہو گیا کہ اب موت یقینی ہے تو بہادر ہو گیا اور بادشاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا کہ اے بادشاہ! موت کا تو دن مقرر ہے ایک دن اپنے وقت پر ہی آنی ہے لیکن مجھے مار کر تو اپنی بدنامی سے نہیں بچ سکتا۔ ظالم کو ظالم کہنے کی سزا موت ہے تو پھر اپنی ساری رعایا کو مار ڈال کیونکہ میری باتیں تجھے ناگوار گزری ہیں ساری رعایا یہی باتیں کرتی ہے کیونکہ سب تیرے ظلم سے تنگ ہیں۔ تجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ تجھے تو چاہیے کہ تو ان باتوں کو دور کر ایک بے گناہ کو قتل کرنے کی بجائے مخلوقِ خدا کو ستانا چھوڑ دے تمہارے مظالم سے ایک دنیا رات کو نہیں سوتی۔ معلوم نہیں تجھے نیند کیسے آ جاتی ہے؟ اپنے درباریوں کی تعریف اور خوشامد پر خوش نہ ہو خلق خدا تجھ پر ہر وقت نفرین بھیجتی ہے مظلوموں کی آہ و فریاد سے ڈر اور ظلم سے باز آ جا۔

ان تلخ اور تند مگر سچی باتوں نے بادشاہ کو ہلا کر رکھ دیا اور اس کا ضمیر جاگ گیا اسی وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگ لی اور اس دیہاتی کو نہ صرف عزت کے ساتھ رخصت کیا بلکہ اپنے گاؤں کی سرداری بھی دے دی۔

”تمہارے ہر کام پر واہ واہ کے ڈونگرے برسانے والے تمہارے خیر خواہ نہیں ہیں

بلکہ تمہارے حقیقی خیر خواہ وہ ہیں جو تمہیں غلط روی پر ٹوکتے ہیں''۔

شیر بن کر دوسروں کو کھلاؤ

ایک درویش نے جنگل میں ایک لومڑی کو بے ہاتھ پاؤں کے دیکھا۔ وہ خدا کی قدرت پر بڑا حیران ہوا کہ یہ تو ہاتھ پاؤں کے بغیر ہے تو پھر یہ کھاتی پیتی کیسے ہوگی وہ ابھی یہی بات سوچ رہا تھا کہ اسی وقت وہاں پر ایک شیر آ گیا اس کے منہ میں ایک گیدڑ تھا یعنی وہ گیدڑ کا شکار کر کے آیا تھا۔ شیر نے گیدڑ کو تھوڑا سا کھایا اور باقی وہیں پر چھوڑ کر چل دیا۔ شیر کے جانے کے بعد لومڑی اپنے آپ کو گھسیٹتی ہوئی وہاں پر آئی اور بچے کھچے گیدڑ سے اپنا پیٹ بھر لیا دوسرے روز بھی ایسا ہی اتفاق ہوا۔ یہ دیکھ کر درویش نے سوچا کہ روزی کا انحصار یا دارومدار ہاتھ پاؤں ہلانے میں نہیں ہے۔ اگر میں گوشۂ قناعت میں بیٹھ جاؤں تو جو خدا معذور لومڑی کو رزق پہنچاتا ہے وہ مجھے بھی پہنچائے گا چنانچہ وہ ایک مسجد کے حجرے میں جا کر بیٹھا اور روزی کمانے کی فکر چھوڑ دی لیکن شاید کسی کو اس کے گوشۂ نشین ہونے کی فکر نہ ہوئی۔ یا لوگوں نے جان بوجھ کر اس کی خبر نہ لی۔ دو چار ہی دنوں میں فاقوں کے مارے اس کا برا حال ہو گیا اس وقت اسے محراب سے آواز آئی کہ اے کم بخت! جا اور پھاڑنے والا شیر بن لنجی لومڑی مت بن۔ یعنی شکار مار اور دوسروں کو کھلا دوسروں کے بچے کھچے ہوئے پر نظر مت رکھ۔

تندرستی کا راز

عجم کے ایک بادشاہ نے ایک دفعہ ایک طبیبِ حاذق کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں بھیجا وہ سرزمین عرب میں کئی برس تک رہا لیکن کوئی شخص اس کے پاس علاج کیلئے نہ آیا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے سید العرب! ﷺ میرے آقا نے مجھے آپ ﷺ کے ساتھیوں کے ملاج معالجہ کیلئے

خاص طور پر بھیجا ہے لیکن اس طویل مدت میں کسی شخص نے میری خدمات کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ اس قوم کی یہ عادت ہے کہ جب تک بھوک نہ ہو کچھ کھاتے نہیں اور تھوڑی بھوک باقی رہتی ہے تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔

طبیب نے کہا کہ ان لوگوں کی تندرستی کا یہی راز ہے۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اپنے وطن واپس چلا گیا۔

﴿اپنی آواز کو قابو میں رکھو﴾

ایک شخص کی کچھ دوسرے لوگوں سے کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ تکرار تہذیب کے دائرے کے اندر رہتی تو چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن وہ شخص اپنی زبان پر قابو نہ رکھ سکا اور اپنے ساتھی جن کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی گالیاں دے ڈالیں انہوں نے غصے میں آ کر اس کا گریبان پھاڑ ڈالا اور خوب مار کٹائی کی۔ مار کھا کر وہ زار و زار رونے لگا کبھی اپنی چوٹوں کو سہلاتا اور کبھی اپنے ننگے بدن کو دیکھتا ایک عقل مند آدمی نے جب یہ منظر دیکھا تو کہا کہ اے میاں! کیا یہ اچھا نہ ہوتا کہ تم اپنی زبان کو قابو میں رکھتے تو نوبت یہاں تک نہ آتی۔

”کہ پھول کو دیکھو جب تک غنچہ میں رہتا ہے کوئی اس کو نہیں چھیڑتا لیکن جیسے ہی وہ پھول بن کر کھلتا ہے تو اس کا رس چوسنے والے اور توڑنے والے ہر طرف سے آ جاتے ہیں۔

﴿بری اولاد سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں ہے﴾

ایک درویش کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ دن رات اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتا تھا کہ وہ اسے ایک فرزند عطا فرمائے۔ ایک دفعہ منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا کیا تو

اپنے تن گڈری کے سوا اپنا سارا مال واسباب راہ خدا میں دے دے گا۔ اللہ نے اس کی یہ آرزو پوری کی اور اس کے ہاں فرزند تولا ہوا۔ درویش سجدۂ شکر بجالایا اور اپنی نذر پوری کی۔ کئی سال کے بعد جب میں شام کے سفر سے واپس آیا تو اس درویش سے ملاقات کیلئے اس کے محلے میں گیا لوگوں سے پوچھنے اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ تو قید خانے میں ہے میں نے سبب پوچھا تو اہل محلہ نے بتایا کہ اس کا لڑکا بڑا ہو کر بد قماش نکلا اس نے شراب پی کر ایک آدمی کو قتل کر دیا اور شہر سے بھاگ گیا۔ پولیس باپ کو اس نالائق کے جرم کی پاداش میں پکڑ کر لے گئی اور آج کل وہ طوق وسلاسل میں جکڑا ہوا قید خانے میں بد چلن بیٹے کی جان کو رو رہا ہے اور میں بے اختیار ''اللہ اکبر'' پکار اٹھا کہ یہ وہی بیٹا ہے کہ جس کو شب وروز دعائیں کر کے اس نے اللہ سے مانگا تھا۔

تو اے عاقل! اگر عورتیں سانپ جنیں تو داناؤں کے نزدیک ان کا سانپ جننا اس سے بہتر ہے کہ نالائق اور بد چلن بیٹے جنیں''

حسد کا علاج صرف موت ہے

ایک دفعہ میں نے ایک سپاہی کے نوخیز فرزند کو دیکھا وہ کمال درجے کا ذہین وفطین تھا بچپن سے ہی بڑائی کے آثار اس کی پیشانی سے ظاہر تھے۔ اس کے سر پر ہوش مندی کی وجہ سے بڑائی کا ستارہ چمک رہا تھا۔

بادشاہ نے اس کی غیر معمولی ذہانت وفراست کا چرچا سنا تو اس کو اپنے دربار میں ایک اعلیٰ مرتبہ پر فائز کر دیا۔ دوسرے درباری اس سے حسد کرنے لگے اور اس بادشاہ کی نظروں میں گرانے کیلئے ایک دن اس پر خیانت کی تہمت لگا دی لیکن ''جب دوست مہربان ہو تو دشمن کیا کر سکتا ہے؟ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ یہ لوگ تم سے کیوں ناراض ہیں؟ نوجوان نے عرض کی کہ جہاں پناہ! جب سے یہ غلام آپ کے زیر سایہ آیا

ہے اس نے ہر شخص کو راضی کر لیا ہے۔ البتہ! حاسدوں کو یہ خوش نہ کر سکا کیونکہ ان کا دل تو اسی وقت ٹھنڈا ہو گا جب آپ مجھے ذلیل کر کے اپنے دربار سے نکال دیں گے۔

میں تو یہ کر سکتا ہوں کہ کسی کی دل آزاری نہ کروں لیکن حاسد کا کیا کروں؟ وہ تو یوں ہی جل رہے ہیں۔ اے حاسد! تو مر جا کہ یہ جلنا کڑھنا تو ایسا ہے کہ اس کی تکلیف سے صرف موت ہی تجھے نجات دلا سکتی ہے۔

بخیل ہمیشہ محروم رہتا ہے

ایک خدا رسیدہ درویش اپنی کسی ضرورت کیلئے ایک دولت مند آدمی کے دروازے پر گئے۔ یہ شخص سخت بخیل اور متکبر تھا۔ اس کی اپنا دروازہ بند کر لیا درویش نے بہتیری صدائیں دیں لیکن اس آدمی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ قریب ہی ایک اندھا رہتا تھا اس نے سنگ دل امیر کے دروازے پر سائل کی صدائیں سنیں تو لاٹھی سے راستہ ٹٹولتا ہوا باہر آیا اور سائل کے پاس آ کر نہایت عاجزی سے کہا کہ میرے غریب خانے پر قدم رنجہ فرمائیں اور مجھ مسکین کا نان ونمک قبول فرمائیں۔ درویش نے اس نیک اندھے کی درخواست قبول کر لی اور کھانا کھا کر دعا کی کہ اے الٰہی! اس اندھے کی آنکھوں کو روشن کر دے۔ اندھا رات کو سویا اور رات کو اس کی آنکھوں سے پانی کے چند قطرے نکلے اور صبح جب اس نے آنکھ کھلی تو اس کی بصارت واپس آ چکی تھی یہ خبر فوراً ہی شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جب اس بخیل کے کانوں میں یہ خبر پڑی تو وہ بینائی ملنے والے کے پاس گیا اور اس کی بینائی واپس ملنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ اے کم نظر اور بے عقل انسان! دنیا کے لالچ میں ایک بزرگ پر تو نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا' کیا تجھے معلوم نہیں کہ بزرگوں کی پابوسی کرنے اور ان کی خدمت کرنے سے بصیرت بھی ملتی ہے اور بصارت بھی یہ سن کر بد بخت بخیل بصد

حسرت یہ کہتا ہوا وہاں سے رخصت ہوا ہائے افسوس! کہ یہ شہباز میرا تھا لیکن تیرے جال میں پھنس گیا یہ دولت تو میرے گھر آئی تھی لیکن میں بدبختی کی وجہ سے محروم رہا اور تجھے مل گئی۔

علم جاہ و مال سے بہتر ہے

مصر میں دو امیر زادے تھے ایک علم حاصل کرتا تھا اور دوسرا مال و دولت جمع کرتا تھا۔ ایک عرصہ کے بعد ایک تو پڑھ لکھ کر عالم و فاضل بن گیا اور دوسرا مصر کا حاکم بن گیا ایک دفعہ صاحبِ جاہ بھائی نے اپنے عالم بھائی کو بڑی حقارت کے ساتھ دیکھا اور کہا کہ میں تو سلطنت کا حاکم بن گیا ہوں اور تو مفلس ہی رہا۔ اس نے جواب دیا کہ بھائی میں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ کو میراثِ انبیاء دی ہے (یعنی علم دیا ہے) اور تجھے میراثِ فرعون یعنی (ملک مصر) دیا ہے۔ میں وہ چیونٹی ہوں کہ لوگ مجھے پاؤں کے نیچے مسل دیتے ہیں بھڑ نہیں ہوں کہ ڈنگ سے لوگ فریاد کریں کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کس طرح ادا کروں کہ اس نے مجھے لوگوں کو تکلیف پہنچانے کی طاقت نہیں دی۔

مسواک کرنا منع اور مردہ کا گوشت کھانا جائز؟

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن بچپن میں میرا جی روزہ رکھنے کو چاہا۔ دستور کے مطابق روزہ کی نیت کرنے سے پہلے وضو کرنا ضروری تھا۔ لیکن مجھے وضو کرنا نہیں آتا تھا۔ محلّہ کے ایک مولوی صاحب سے میں نے روزہ اور نماز سیکھنی شروع کی مولوی صاحب نے وضو کے سب آداب و سنن سکھا کر یہ بھی بتایا کہ روزہ میں دوپہر ڈھلنے کے بعد مسواک کرنا منع ہے پھر کہا کہ ان فرائض کو مجھ سے بہتر کوئی نہیں جانتا ہوگا تو نہیں دیکھتا کہ گاؤں کا رئیس بالکل بڈھا پھوس ہو گیا ہے رات کو رئیس نے

یہ بات سنی تو کہلا بھیجا کہ:

''کیا تو نے خود نہیں بتایا کہ روزہ میں مسواک کرنا منع ہے لیکن کیا مردہ کا گوشت کھانا اور غیبت کرنا' جائز ہے؟

﴿زیردستوں پر ظلم نہ کرو﴾

ایک پارسا کسی دولت مند آدمی سے ملنے گیا۔ دیکھا کہ وہ اپنے غلام کے ہاتھ پاؤں باندھ کر پیٹ رہا ہے۔ پارسا کا دل بھر آیا اور اس نے دولت مند سے کہا۔ کہ اے بیٹے! تو بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے کچھ دوسری مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے تیرے ماتحت کر دیا ہے اور تجھے اس پر بزرگی دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم کا شکر بجا لا اور زیر دستوں پر ظلم نہ کر ممکن ہے کہ قیامت کے دن وہ تجھ سے بہتر ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا: کہ قیامت کے دن سب سے بڑی حسرت وہ ہوگی جب کہ نیک غلام بہشت میں جائیں گے اور بدکار آقا دوزخ میں۔

اس غلام پر جو تیری خدمت گزاری کرتا ہے اور فرمانبرداری کرتا ہے بہت غصہ اور سختی نہ کر کیوں کہ قیامت کے دن بڑی رسوائی ہوگی کہ غلام آزاد ہوگا اور آقا زنجیروں میں جکڑ ہوا۔

﴿ظالم بادشاہ اور حق گو درویش﴾

ایک درویش نے ایک بادشاہ کے سامنے کوئی سچی بات کہہ دی بادشاہ نے ناراض ہو کر اسے قید کرنے کا حکم دے دیا۔ اس درویش کے ایک دوست نے اسے کہا کہ بادشاہ کے سامنے یہ بات کہنی مناسب نہ تھی۔ درویش نے جواب دیا کہ حق بات کہنا عبادت ہے اور میں قید و بند سے نہیں ڈرتا کیوں کہ یہ تھوڑی دیر کیلئے ہے کسی نے بادشاہ سے جا کر کہہ دیا کہ درویش کہتا ہے کہ میری قید و بند تھوڑی دیر کے لئے ہے۔ بادشاہ

نے طنز سے ہنس کر کہا کہ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ اب موت ہی اس کو قید خانہ سے چھٹکارہ دلائے گی۔ بادشاہ کے غلام نے یہ پیغام درویش کو پہنچایا تو اس نے کہا کہ اے غلام! بادشاہ سے جا کر یہ کہہ دے کہ یہ زندگی چند روزہ ہے اور دنیا تھوڑی دیر کیلئے ہے۔ درویش کے نزدیک غم اور خوشی کی کوئی اہمیت نہیں۔ اگر تو میری دستگیری کرے تو خوش نہیں ہوں گا اور اگر میرا سر قلم کر دے تو میرے دل میں غم نہ آئے گا۔ اگر آج تیرے اس لشکر، خزانہ اور حکومت سے اور اہل وعیال سے دور مصیبت میں گرفتار ہوں تو غم نہیں۔ کل جب ہم موت کے دروازے میں داخل ہوں گے تو ایک ہفتے میں دونوں برابر ہو جائیں گے۔ میں بھی کیڑوں کی غذا بن جاؤں گا اور تو بھی اس چند روزہ دولت سے دل نہ لگا اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن نہ بنا۔

اس طرح کی زندگی گزار کہ لوگ تیرا ذکر بھلائی سے کریں جب تو مرے تو قبر پر لعنت نہ بھیجیں تیرا ماتم (موت) کا وقت بھی شادی ہے۔ اگر تجھے بہتر خاتمہ میسر آجائے۔

☆......☆......☆

غریب پڑوسی فاقہ سے ہوتو روزے سے کیا فائدہ

ایک غریب سپاہی شاہی محل کے قریب رہتا تھا۔ اسے روزانہ شاہی مطبخ سے بچا کچھا کھانا آجاتا تھا اور وہ اپنی بیوی بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ ایک دن شاہی مطبخ سے کھانا نہ آیا اور اس کے بچے بھوک سے بلکنے لگے۔ بیوی نے کہا کہ اے نیک بخت! خود جا کر کھانا لے آ۔ بچے بھوک کی وجہ سے رو رو کے ہلکان ہوئے جا رہے ہیں، اس نے کہا کہ مطبخ آج ٹھنڈا ہے، کیونکہ بادشاہ نے روزہ رکھا ہے۔ بیوی آہِ سرد بھر کر بولی معلوم نہیں، بادشاہ کو اس روزے سے کیا حاصل ہوگا؟ ہمارے بچوں کی عید تو اس کے روزے نہ رکھنے میں ہے۔ ''روزہ رکھنا اس کے لئے ٹھیک ہے جو کسی مسکین کو دوپہر کی روٹی کھلا دے''۔

فقر وفاقہ ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے

ایک صاحب علم بہت عیالدار تھا، لیکن اس کی آمدنی کم تھی۔ ایک مال دار آدمی اس کے علم و فضل کا بہت معتقد تھا۔ عالم نے فقر و فاقہ سے تنگ آکر اس سے امداد کی درخواست کی۔ مال دار عقیدت مند نے عالم کا وظیفہ تو بڑھا دیا لیکن خود اس کے پاس جانا چھوڑ دیا، کیونکہ اس کی عقیدت کم ہوگئی۔ عالم کو مال دار کے رویے سے احساس ہو گیا کہ یہ اس کے ہاتھ پھیلانے کا نتیجہ ہے، چنانچہ اس کے بعد وہ اکثر کہا کرتا تھا۔ ''میرا روزینہ تو بڑھ گیا ہے لیکن آبرو گھٹ گئی ہے۔ سچ ہے کہ ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے فقر وفاقہ بہتر ہے''۔

بلاضرورت گفتگو سے خاموشی بھلی

ایک دفعہ نوشیرواں کے دربار میں داناؤں کی ایک جماعت کسی مسئلہ پر بحث کر رہی

تھی، لیکن بزرجمہر جوان کا سردار تھا، چپ تھا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تم اس بحث میں کیوں حصہ نہیں لیتے۔ اس نے کہا کہ وزیروں کی مثال طبیبوں کی سی ہے اور طبیب اسی کو دوا دیتا ہے جو بیمار ہو۔ جب میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری رائے درست ہے تو میرا بحث میں دخل دینا دانائی نہیں ہے۔

جو کام میری بات بنائے بغیر نکل جائے مجھے اس میں بات نہ کرنی چاہیے اور اگر میں دیکھوں کہ اندھا ہے اور اس کے سامنے کنواں پھر اگر میں خاموش بیٹھا رہوں تو گناہ ہے۔

نفسِ امارہ سب سے بڑا دشمن ہے

ایک بار ایک بزرگ سے میں نے پوچھا کہ اس حدیث کے کیا معنی ہیں؟

"تیرے دشمنوں میں سے سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے اندر ہے"

انہوں نے فرمایا: کہ اس کا مطلب ہے کہ اگر تو کسی دشمن پر احسان کرے تو وہ تیرا دوست بن جاتا ہے، لیکن اپنے نفس سے جس قدر ملائمت اور نرمی کرے وہ زیادہ دشمنی کرتا ہے، یعنی تجھے خدا سے غافل کرتا ہے۔

"جس کی مراد تو بر لایا وہ تیرا فرمانبردار ہو گیا۔ برعکس نفس کے کہ جب وہ بامراد ہوا تو حکم دینے لگا"

"دارا اور اس کا چرواہا"

کہتے ہیں کہ ایران کا بادشاہ دارا ایک دفعہ شکار کھیلتے ہوئے اپنے لشکر سے بچھڑ گیا۔ اس اثناء میں اس نے دیکھا کہ ایک آدمی دوڑتا ہوا اس کی طرف آ رہا ہے۔ دارا سمجھا کہ اس کا کوئی دشمن ہے، اس نے فوراً تیر کمان جوڑ کر اس کا نشانہ باندھ لیا، وہ شخص

خوف زدہ ہو کر چلایا کہ جہاں پناہ میں آپ کا دشمن نہیں ہوں، بلکہ آپ کا چرواہا ہوں اور یہاں آپ کے گھوڑے چرا رہا ہوں۔ بادشاہ نے کمان ہاتھ سے رکھ دی اور ہنس کر کہنے لگا کہ اے بیوقوف! اگر آج فرشتۂ غیب تیری مدد نہ کرتا تو تیری موت میں کوئی کسر باقی نہ رہ گئی تھی۔ چرواہے نے ہاتھ جوڑ کر کہا، بادشاہ سلامت! اگر جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں! دارا نے کہا "کہو کیا کہتے ہو"۔

چرواہے نے کہا حضور ساری رعیت کے رکھوالے ہیں، یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ آپ دوست اور دشمن میں تمیز نہ کر سکے، آپ نے مجھے بار ہا دربار میں دیکھا ہے اور مجھ سے گھوڑوں اور چراگاہ کے حالات دریافت کئے ہیں۔ اس وقت حضور کی پابوسی کیلئے آپ کی طرف بڑھا تو آپ نے مجھے دشمن سمجھ لیا، حالانکہ مجھ جیسا غریب چرواہا اپنے گلے کے بے شمار گھوڑوں میں سے ایک ایک کو پہچانتا ہے۔ اے بادشاہ! آپ جس گھوڑے کے پیش کرنے کا حکم دیں پل بھر میں لا کر حاضر کر دوں گا۔ عالم پناہ جہاں بانی کی شرط تو یہ ہے آپ اپنے ہر ماتحت کو پہچانیں کہ وہ کون ہے اور کیسا ہے؟ میں گھوڑوں کا رکھوالا ہوں، آپ رعیت کے رکھوالے ہیں جس طرح میں فہم و فراست سے اپنے ریوڑ کو قائم رکھتا ہوں، اسی طرح آپ بھی اپنے گلے کو قائم رکھئے۔

"اس سلطنت کے زوال کا خدشہ ہے جہاں بادشاہ کی تدبیر چرواہے سے بھی کم ہو"۔

﴿ایک خدا پرست درویش اور چرب زبان ٹھگ﴾

ایک چرب زبان ٹھگ ایک خدا پرست درویش کے پاس گیا اور کہا کہ میں ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ شومئی قسمت سے ایک کمینے آدمی سے دس درہم قرض لے بیٹھا ہوں۔ اس کے بار بار تقاضوں سے میرا جینا حرام ہو گیا ہے۔ کم بخت دن رات

سایہ کی طرح میرے پیچھے لگا رہتا ہے۔اس کی گالیوں اور طعنوں سے میرا دل چھلنی ہو گیا ہے۔خدا کے لیے اس ملعون سے میرا پیچھا چھڑائیے، نیک طینت درویش نے اس کی ہتھیلی پر دو اشرفیاں رکھ دیں اور وہ خوش خوش وہاں سے رخصت ہوا ایک اور آدمی جو یہ ماجرا دیکھ رہا تھا، درویش سے کہنے لگا، قبلہ آپ کو معلوم نہیں یہ کون ہے؟ یہ تو رسوائے زمانہ ٹھگ ہے، اگر وہ مر جائے تو اس پر رونا بھی جائز نہیں، چہ جائے کہ اسے خیرات دی جائے۔

درویش نے فرمایا: کہ بھائی اگر وہ سچا ہے تو میں نے مخلوق سے اس کی عزت بچا دی ہے، اگر اس نے بے حیائی اور مکاری سے جھوٹ بولا تو میں نے اس کی بے ہودگی سے اپنی آبرو بچالی۔

''برے اور اچھے پر چاندی سونا خرچ کر، اس لئے کہ یہ ایک طرف تو بھلائی کمانا ہے اور دوسری طرف شر کو دور کرنا ہے''۔

دنیادار آدمی کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میری ملاقات ایک ایسے مالدار سوداگر سے ہوئی جس کے پاس چالیس غلام اور خدمت گار اور بار برداری کیلئے ڈیڑھ صد اونٹ تھے۔جزیرہ کہنیں کے قیام کے دوران میں ایک رات وہ مجھے اپنے حجرے میں لے گیا اور اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگا، کبھی کہتا کہ میرا اتنا مال ترکستان میں ہے اور اتنا ہندوستان میں، یہ فلاں زمین کا بیع نامہ ہے اور فلاں چیز کا، فلاں آدمی ضامن ہے۔کبھی کہتا کہ فلاں فلاں جگہ سے ہو آیا ہوں، اب سکندریہ جانے کا ارادہ ہے کہ وہاں کی آب و ہوا خوشگوار ہے، پھر کہتا کہ نہیں وہاں کا سمندری سفر خطرناک ہے۔اے سعدی! اب ایک سفر باقی ہے، اگر وہ بھی کرلوں تو باقی عمر گوشۂ قناعت میں بیٹھ کر اللہ

اللہ کروں گا۔

میں نے پوچھا ''وہ کون سا سفر ہے''۔

کہنے گا کہ میں فارس کی گندھک چین لے جانا چاہتا ہوں کہ میں نے سنا ہے کہ وہاں اس کی بہت قیمت ہے۔ چین سے برتن خرید کر روم بھیجوں گا۔ روم کا ریشم ہندوستان میں، ہندوستان کا فولاد حلب میں حلب کا شیشہ یمن میں اور یمن کی چادریں فارس میں بھیجوں گا۔ اس کے بعد سفر ترک کر کے ایک دکان پر بیٹھ جاؤں گا۔ غرض! وہ ساری رات ایسی مضحکہ خیز اور بے ہودہ باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ مزید بک بک کرنے کی طاقت نہ رہی، اب وہ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ سعدی تم بھی کچھ کہو، آخر دنیا میں تم نے بھی کچھ دیکھا سنا ہے ''میں نے کہا تم نے سنا ہو گا کہ ایک دفعہ غور کے صحرا میں ایک مال دار خچر پر سے گر پڑا، اس نے بے کسی کے عالم میں کہا، کہ دنیا دار کی حریص آنکھ کو قناعت بھر سکتی ہے یا قبر کی مٹی۔

حاسد کا منہ کالا

ایک بادشاہ کا وزیر بڑا نیک سیرت تھا اور بادشاہ کا انتہائی وفادار اور خیر خواہ تھا۔ وہ ہر کام میں پہلے رضائے الٰہی کو مدنظر رکھتا تھا اور پھر بادشاہ کے حکم کی تعمیل کو ہر چیز پر مقدم رکھتا تھا۔ بادشاہ اس کی خوبیوں کا دل سے قدردان تھا اور یہ بات وزیر کے دشمنوں کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی، وہ ہمیشہ ایسے موقع کی تاک میں رہتے تھے کہ نیک سرشت وزیر کو بادشاہ کی نظروں سے گرا سکیں۔ ایک دفعہ ان حاسدوں کو یہ خبر ملی کہ وزیر نے کئی لوگوں کو اس شرط پر روپے قرض دے رکھے ہیں، کہ جب بادشاہ مرجائے گا تو یہ قرض ان سے وصول کر لیا جائے گا۔

ایک حاسد بادشاہ کے پاس گیا اور کہا کہ جہاں پناہ! یہ وزیر آپ کا خیر خواہ نہیں ہے

اس نے لوگوں کو اس شرط پر قرض دے رکھا ہے کہ آپ کی وفات پانے کی صورت میں قرض ان سے واپس لیا جائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کی موت کا خواہاں ہے تا کہ آپ کے بعد لوگوں سے روپیہ لے کر خوب عیش کر سکے۔ بادشاہ نے وزیر کو طلب کیا اور پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ وزیر نے دست بستہ عرض کی کہ عالم پناہ! یہ سچ ہے کہ میں نے اس شرط پر لوگوں کو روپے دیئے ہوئے ہیں لیکن میں نے یہ بات خیر خواہی سے کی ہے بدخواہی سے نہیں۔ میری غرض تو یہ ہے کہ بے چارے مقروض ہمیشہ آپ کی زندگی اور سلامتی کیلئے دعا کرتے رہیں، تا کہ انہیں قرض واپس کرنے کی نوبت نہ آئے۔

عقل مند آدمی دعا کو غنیمت جانتے ہیں تا کہ مصیبت کے تیر کے سامنے زرہ کا کام دے۔

بادشاہ کو وزیر کا جواب بہت پسند آیا اور اس نے حاسدوں کو سزا دی اور وزیر کا رتبہ اور بھی بڑھا دیا۔

﴿جمشید کا کتبہ﴾

کہتے ہیں کہ ایران کے مشہور بادشاہ جمشید نے مرنے سے پہلے ایک چشمہ پر پتھر کا ایک کتبہ نصب کرایا جس پر یہ الفاظ کندہ کرائے ”اس چشمہ پر مجھ جیسے بہتوں نے دم لیا لیکن وہ پلک جھپکنے میں رخصت ہو گئے، میں نے دنیا بہادری اور زور سے حاصل کی لیکن اس کو اپنے ساتھ قبر میں نہ لے جا سکا۔ جب کسی دشمن پر تجھے قابو حاصل ہو جائے تو اس کو نہ ستا، اس کی شکست ہی اس کے لئے کافی ہے۔ پریشان حال دشمن کا زندہ رہنا اس سے بہتر ہے کہ تیری گردن پر اسکا خون ہو۔

﴿محلے کا دکاندار﴾

ایک نیک دل آدمی سے اس کی بیوی نے شکایت کی کہ ہماری گلی کے بنئے کی چیزیں ستھری نہیں ہوتیں اور یہ بازار سے مہنگی بھی ہوتی ہیں۔ اسی لئے کوئی گاہک اس دکان پر نہیں بھٹکتا، تم بھی اس گندم نما جوفروش سے سودا نہ خریدا کرو اور چار قدم آگے جا کر بازار سے خرید لایا کرو۔

اس بھلے آدمی نے جواب دیا کہ اے نیک بخت! اس شخص نے ہم سے فائدہ اٹھانے کی امید پر ہی دکان کھولی ہے، اس کو روزی سے محروم کرنا انسانیت نہیں ہے۔

نیک اور سخی لوگوں کا طریقہ اختیار کر۔ جب تو کھڑا ہے تو گرے ہوئے کا ہاتھ پکڑ، عفوودرگزر سے کام لے، اس لئے کہ اللہ کے نیک بندے بے رونق دکان سے ہی سودا خریدتے ہیں۔

﴿کم کھانے میں بڑا فائدہ ہے﴾

ایک دفعہ خراسان کے رہنے والے دو درویش اکٹھے سفر کر رہے تھے۔ ایک دبلا پتلا کم خوراک تھا اور دوسرا موٹا بسیار خور تھا۔ اتفاق سے دونوں ایک شہر میں جاسوسی کے الزام میں پکڑے گئے اور ایک ہی جگہ مقید کر دیئے گئے۔ چند دن کے بعد معلوم ہوا کہ بے گناہ ہیں، انہیں رہا کرنے کیلئے قید خانے کا دروازہ کھولا گیا۔ تو لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ موٹا درویش مر چکا تھا اور دبلا درویش زندہ وسلامت موجود تھا۔ ایک دانا نے کہا کہ یہ تو عین قانون فطرت کے مطابق ہوا۔ ہاں! اگر اس کے برعکس ہوتا تو حیرت کی بات تھی۔ موٹا بہت کھانے والا تھا، فاقہ کی مصیبت برداشت نہ کر سکا اور ہلاک ہو گیا اور دوسرا کم خوراک تھا، اپنی عادت کے مطابق صبر کیا اور زندہ بچ نکلا۔

اگر کسی شخص کو کم کھانے کی عادت ہو تو جب سختی پیش آتی ہے، اسے سہہ لیتا ہے اور

اگر آسودہ حالی میں تن پرور اور آرام طلب ہو تو تنگ دستی کی مصیبت نہیں سہہ سکتا اور ہلاک ہو جاتا ہے۔

﴿حاکم کا ایک عیب، رعیت کے سو عیب کے برابر ہے﴾

ایک عالم و فاضل استاد سے ایک شہزادہ بھی تعلیم پاتا تھا۔ استاد دوسرے طلبہ کی نسبت شہزادے پر بہت سختی کرتا تھا۔ ایک دن شہزادے نے تنگ آ کر باپ کے پاس استاد کی شکایت کی اور جسم سے لباس اتار کر استاد کی مار کے نشانات بھی دکھائے۔ بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور اس نے استاد کو بلا کر پوچھا تو دوسرے شاگردوں پر اتنی سختی کیوں نہیں کرتا جتنی میرے فرزند پر کرتا ہے۔ استاد نے جواب دیا کہ شہزادے نے بڑے ہو کر بہت بڑی ذمہ داری سنبھالنی ہے، اس لئے اسے دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ عاقل اور قابل ہونا چاہیے۔ بادشاہ کے ہاتھ اور زبان سے جو حرکت ہوتی ہے اس پر دنیا کی نظر ہوتی ہے اور عوام میں اس بات کا چرچا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس عام لوگوں کے قول و فعل کی چنداں اہمیت نہیں ہوتی، یہی سبب ہے کہ میں شہزادے کو تعلیم دینے اور اس کے اخلاق سنوارنے میں دوسروں سے امتیازی سلوک کرتا ہوں۔

''اگر ایک درویش میں سو عیب ہوں، اس کے ساتھی اس میں سو میں سے ایک کو بھی نہیں جانتے۔ اگر بادشاہ سے ایک ناپسندیدہ فعل بھی سرزد ہو تو اس کا چرچا ایک ملک سے دوسرے ملک تک ہو جاتا ہے''

بادشاہ کو استاد کا یہ جواب بہت پسند آیا، اسے انعام و کرام سے نوازا اور اس کا منصب بھی بڑھا دیا۔

﴿آرام کی قدر وہی جانتا ہے جس نے تکلیف اٹھائی ہو﴾

ایک بادشاہ ایک عجمی غلام کے ساتھ کشتی میں بیٹھا تھا۔ غلام نے اس سے پہلے کبھی

دریا نہ دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی کشتی میں سفر کیا تھا، اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور فرطِ خوف سے اس نے بے تحاشا گریہ وزاری شروع کر دی۔ اس کی بزدلی دیکھ کر بادشاہ کی طبع نازک مکدر ہو گئی، لیکن اسے خاموش کرنے کیلئے کوئی تدبیر نہ سوجھتی تھی۔ ایک دانا بھی اس کشتی میں بیٹھا تھا، اس نے بادشاہ سے عرض کی کہ اگر آپ حکم دیں تو اسے خاموش کر دوں۔ بادشاہ نے کہا کہ نہایت عنایت اور مہربانی ہو گی۔ دانا کے اشارے پر اس غلام کو دوسرے ملازموں نے دریا میں پھینک دیا۔ جب چند غوطے کھا چکا تو بالوں سے پکڑ کر کشتی کی طرف لائے۔ وہ دونوں ہاتھوں کے ساتھ کشتی کے پچھلے حصے کے ساتھ لٹک گیا۔ جب ایک گھڑی گزر گئی تو چپکے سے کشتی کے ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ کو اس دانا کی یہ تدبیر بہت پسند آئی۔ پوچھا کہ اس میں کیا حکمت تھی؟ دانا نے کہا کہ اس نے کبھی ڈوبنے کی تکلیف نہیں اٹھائی تھی اور کشتی کے آرام کو نہیں جانتا تھا۔ آرام اور سلامتی کی قدر وہی شخص جان سکتا ہے جو کسی مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہو۔

مبارک ہے وہ زندگی جو دوسروں کے کام آئے

ایک نیک اور فیاض آدمی پر برا وقت آپڑا اور وہ سخت تنگ دست ہو گیا۔ اس حالت میں اس کو ایک شریف آدمی کا خط ملا، اس نے لکھا تھا کہ آج کل میں سخت مصیبت میں گرفتار ہوں۔ گردشِ زمانہ نے مجھے مقروض کر دیا اور پھر قرض ادا کرنے کی مہلت بھی نہیں ملی۔ اب قرض ادا کرنے کی پاداش میں قید خانے میں پڑا ہوں اگر تم چند درہم دے کر میری دستگیری کرو تو اس مصیبت سے نجات پا سکتا ہوں۔ یہ خط پڑھ کر تنگ دست سخی کا دل بھر آیا۔ پیسہ تو پاس نہ تھا اس شریف آدمی کی شخصی ضمانت دے دی اور اسے رہائی دے کر کہا، کہ جاؤ اور روزگار کی تلاش کرو۔ جب وہ چند دن تک واپس نہ آیا

تو قرض خواہوں نے ضامن کو قید کرا دیا۔ وہ ہنسی خوشی قید کے دن کاٹنے لگا۔ اسی حالت میں اس کا آخری وقت آ پہنچا، ایک نیک آدمی نے اس سے کہا کہ افسوس تو قید خانے میں مر رہا ہے، اس نے کہا کہ میری جوانمردی نے یہ گوارا نہ کیا کہ ایک شریف آدمی اس قید کا دکھ سہے اور میں آرام سے رہوں، شکر ہے کہ میری زندگی کسی کے کام آ گئی۔

زندہ دل ہلاک نہیں ہوتا۔ جس کا دل زندہ ہو اس کا جسم مر جائے تو کیا مضائقہ ہے"

پاپوش نہ سہی پاؤں تو ہیں

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں آفاتِ روزگار سے کبھی دل شکستہ نہیں ہوا اور بارگاہ الٰہی میں کبھی شکوہ وشکایت کی زبان نہیں کھولی۔ البتہ ایک موقع پر قناعت اور صبر کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ یہ وہ موقع تھا کہ میرے پاؤں ننگے تھے اور میں پاپوش (جوتی) خریدنے کی استطاعت نہ رکھتا تھا۔ اپنی برہنہ پائی پر جی ہی جی میں کڑھتا تھا، اس حالت میں چلتے چلتے کوفہ کی جامع مسجد میں پہنچا، وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ بے چارے کے پاؤں ہی نہیں تھے۔ اب میری آنکھیں کھلیں اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا کہ پاپوش نہ سہی، اس نے مجھے پاؤں تو دیئے ہیں۔

مرشد کامل اور مرید

ایک دفعہ ایک مرشد کامل اپنے مرید سے فرما رہے تھے کہ اے بیٹے! انسان کو جتنا لگاؤ رزق سے ہے اگر اتنا رزق دینے والے سے ہوتا تو اس کا مقام فرشتوں سے بڑھ جاتا۔

﴿دکھ دینے والے سے لوگ ہمیشہ نفرت کرتے ہیں﴾

بچھو سے لوگوں نے پوچھا کہ تو جاڑے سے باہر کیوں نہیں نکلتا، اس نے جواب دیا کہ گرمیوں میں میری کون سی عزت ہوتی ہے کہ جاڑے میں بھی باہر نکلوں۔

﴿دنیا کی بجائے آخرت کی فکر کرو﴾

ملک روم کا ایک بادشاہ ایک دفعہ دشمنوں کی یورش سے سخت شکستہ دل اور پریشان ہو گیا۔ اس نے ایک نیک نہاد عالم کے سامنے اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کیا اور کہا کہ مولانا دشمن نے ایک قلعہ اور شہر کے علاوہ کوئی چیز میرے پاس نہیں چھوڑی۔ میں نے بہت کوشش کی کہ کھوئے ہوئے علاقے دشمن سے چھین لوں لیکن افسوس کہ میری کوئی تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی، اب دن رات مجھے یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ میرے بعد میرے فرزند کا کیا حال ہوگا؟

دانا عالم نے برہم ہو کر کہا ''آپ اپنی فکر کیجئے جو آپ کے بعد آئے گا وہ اپنی فکر خود کرے گا، آپ اپنی عمر کا بہترین حصہ گزار چکے ہیں، اب تو آخرت کی فکر کرنے کا وقت ہے، ملک و دولت سب فانی ہیں، ہاں! جو نیک نامی چھوڑ کر مرا اس نے ابدی زندگی حاصل کر لی۔''

''احسان کا بدلہ احسان''

ایک نوجوان نے کسی مشکل وقت میں ایک بوڑھے کی مدد کی تھی۔ گردش زمانہ سے یہ نوجوان کسی سنگین جرم میں گرفتار ہو گیا اور اسے قتل کی سزا دی گئی۔ سپاہی اس کو لے کر مقتل کی طرف روانہ ہوا، تو تماشا دیکھنے کیلئے سارا شہر امڈ آیا۔ ان میں وہ بوڑھا بھی تھا اپنے محسن نوجوان کو اس حالت میں دیکھ کر اس کا دل زخمی ہو گیا، اور وہ زور زور سے

دہائی دینے لگا کہ اے لوگو! ہمارا نیک دل بادشاہ فوت ہو گیا، افسوس! صد افسوس! کہ آج دنیا تاریک ہو گئی، سپاہی اور دوسرے لوگ یہ بری خبر سن کر غم زدہ اور پریشان ہو گئے اور اس نوجوان کو وہیں چھوڑ کر شاہی محل کی طرف بھاگے۔ بوڑھے نے فوراً نوجوان کی زنجیریں کھول کر اسے بھگا دیا اور خود اس کی جگہ بیٹھ گیا۔

سپاہی محل میں پہنچے تو بادشاہ کو زندہ سلامت موجود پایا۔ کھسیانے ہو کر واپس آئے تو نوجوان کی جگہ بوڑھے کو وہاں بیٹھے دیکھا، اسے گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے لے گئے اور سارا قصہ بیان کیا۔

بادشاہ نے غضب ناک ہو کر پوچھا کہ اے بڈھے! تو نے میرے مرنے کی خبر کیوں مشہور کی، آخر میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا؟

بوڑھے نے ہاتھ باندھ کر عرض کی ''جہاں پناہ! میرے جھوٹ بولنے سے آپ پر کوئی آنچ نہیں آئی، لیکن میرے محسن نوجوان کی جان بچ گئی۔ فلاں وقت اس نے میری دستگیری کی تھی، آج اس کو مصیبت میں گرفتار دیکھا تو انسانیت اور جوانمردی نے تقاضا کیا کہ اس کی مدد کروں۔ اسی لئے میں نے یہ حیلہ اختیار کیا''۔

بادشاہ یہ قصہ سن کر ایسا خوش ہوا کہ نہ صرف بوڑھے کو انعام واکرام دے کر رہا کر دیا بلکہ اس نوجوان کی معافی کا حکم بھی صادر کر دیا۔ نوجوان قید سے نکل کر ادھر ادھر جان چھپاتا پھرتا تھا، کسی نے اس کو معافی کی خوشخبری سنائی اور پوچھا کہ تیری جان کیسے بچ گئی؟ اس نے جواب دیا کہ ایک حقیر رقم میرے کام آ گئی، جو میں نے اس سائل کو ضرورت کے وقت دی تھی۔ بعض اوقات ایک جو سخت مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔

تو نے نہیں دیکھا کہ معمولی لاٹھی نے عوج کو مار ڈالا۔ آخر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سچی حدیث بھی تو ہے کہ عطا اور بھلائی بلا کو دفع کرنے والی ہے۔

﴿لالچ بُری بلا ہے﴾

ایک غریب آدمی کو سوکھی روٹی اور پیاز کے سالن یا چٹنی کے سوا کچھ میسر نہ تھا لیکن وہ اسی روکھی سوکھی پر قانع تھا اور عزت آبرو کے ساتھ دن گزارتا تھا۔ ایک دن ایک بیہودہ آدمی نے اسے ترغیب دی کہ وہاں امیر کے خوانِ نعیمار (لنگر) پر جاؤ اور وہاں سے عمدہ کھانے لے آؤ۔ اس طرح شرم کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ شرمیلا ہمیشہ روزی سے محروم رہتا ہے۔ وہ بے چارہ اس کی باتوں میں آگیا اور عمدہ کھانوں کے لالچ میں لنگر پر جا پہنچا، وہاں اس جیسے بے شمار لوگ جمع تھے، چھینا جھپٹی میں اس بے چارے کے کپڑے تار تار ہوگئے اور ہاتھ ٹوٹ گیا، اب اسے ہوش آیا۔ رو رو کر اپنے نفس کو ملامت کرتا تھا اور کہتا تھا ''لالچی آدمی مصیبت کا متلاشی ہوتا ہے، آج کے بعد میں ہوں گا اور میرا غریب خانہ' روٹی ہوگی اور پیاز' جو کی وہ روٹی جو میں بازو کی محنت سے کھاؤں گا وہ اہل کرم کے دسترخوان کے میدہ سے بہتر ہے۔

﴿غریب بہشت میں پہلے جائیں گے﴾

دو آدمی قبر میں بیٹھے تھے۔ ایک اپنے دولت مند باپ کی قبر پر اور ایک اپنے درویش باپ کی قبر پر بیٹھا تھا۔ امیر زادے نے درویش لڑکے کو طعنہ دیا کہ میرے باپ کی قبر کا صندوق پتھر کا ہے۔ اس کا کتبہ رنگین اور فرش سنگِ مرمر کا ہے اور فیروزے کی اینٹ اس میں جڑی ہوئی ہے۔ اس کے مقابلے میں تیرے باپ کی قبر کتنی خستہ حال ہے کہ دو مٹھی مٹی اس پر پڑی ہے اور دو اینٹیں اس پر رکھی ہیں۔ درویش کے بیٹے نے جواب دیا۔ یہ بھی درست ہے لیکن یہ تو سوچو کہ قیامت کے دن جب مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس سے پہلے کہ تیرا باپ بھاری پتھروں کے نیچے جنبش کرے، میرا باپ بہشت میں پہنچا ہوگا۔

بخیل کی عبادت اور شیریں کلامی کسی کام کی نہیں

شیخ سعدی کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے سنا کہ روم کے نواح میں ایک خدا رسیدہ بزرگ ہے جو نہایت پاک طینت اور عبادت گزار ہے تو مجھے ان بزرگ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا کچھ اور لوگوں کو اس کا علم ہوا تو وہ میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے اور اس طرح ہم سب اس بزرگ کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے۔ طویل اور نہایت مشکل سفر کے بعد ہم اپنی منزل پر پہنچے، سفر کی تھکان سے ہماری بری حالت تھی، بھوک سے جان پر بنی ہوئی تھی۔ اس بزرگ نے نہایت گرم جوشی کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور ہر ایک کے ہاتھوں اور ماتھے کو چوما اور نہایت عزت و وقار سے بٹھایا۔ اس کے جاہ چشم کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ سونے چاندی کی ریل پیل تھی، ہر طرف اس کے ملازم دوڑے پھر رہے تھے اور حدِ نظر تک اس کے کھیت اور باغ پھیلے ہوئے تھے لیکن اس کا چولہا ٹھنڈا تھا اس نے ان لوگوں سے کھانے پینے کے بارے میں ذکر تک نہ کیا۔

البتہ خندہ جبینی اور شیریں زبانی کا یہ عالم تھا کہ بات بات پر بچھا جاتا تھا اور اھلاً و سھلاً مرحباً کہتے اس کی زبان نہ رکتی تھی۔ بھلا خالی باتوں سے پیٹ کی آگ کبھی بجھی ہے۔ دل ہی دل میں سب لوگ بہت کڑھے اور سوچتے تھے کہ یہ بزرگ تو بے پھل کے کلر درخت کی طرح بے فیض ہے۔ رات ہوئی تو اس نام نہاد بزرگ نے مصلے پکڑ لیا اور تسبیح و تہلیل میں مشغول ہو گیا۔ اس نے ساری رات اللہ اللہ کرتے گزار دی اور آنکھ تک نہ جھپکی اور ہم سب بھوک کے مارے ساری رات انگاروں پر لوٹتے رہے اور اس بزرگ کی جان کو روتے رہے۔ صبح ہوئی تو بزرگ نے عبادت سے فارغ ہو کر پھر میٹھی میٹھی باتیں شروع کر دیں لیکن کیا مجال کہ اپنی گفتگو میں کھانے تک کا ذکر بھی کیا ہو۔ میرے ساتھیوں میں ایک جوان خوش طبع اور لطیفہ گو تھا، وہ جب نہ رہ سکا تو اس

عابد شب زندہ دار سے کہا کہ اے حضرت! ہمیں آپ کا بوسہ نہیں چاہیے۔ آپ کی شریں کلامی ہمارے کس کام کی؟ آپ بے شک ہمارے سر پر جوتے مار لیں، پر ہمیں کچھ کھانے کو دے دیں۔

''لوگوں کو ایثار کی بدولت بڑی سبقت حاصل ہوئی ہے، شب زندہ دار راتوں کو عبادت کرنے والے جاگ کر) لوگوں کا دل مردہ نہیں ہوتا۔ شرافت، سخاوت اور روتی دنیا ہے بے ہودہ اور لایعنی باتیں محض خالی ڈھول ہیں''

﴿عابد اور کھوپڑی﴾

ایک دفعہ ایک عابد دریائے دجلہ کے کنارے عبادت میں مشغول تھا کہ ایک کھوپڑی پانی میں بہتی ہوئی کنارے کے نزدیک آ گئی، اس سے آواز آئی کہ اے مرد خدا! میری طرف دیکھ، کبھی میں ایک بادشاہ کا سر پر غرور تھی، جس کی شان و شوکت کا ڈنکا بجتا تھا اور فتح و نصرت ان کے قدم چومتی تھی۔ اس نے عراق پر یلغار کی اور اس پر قابض ہو گیا، پھر کرمان پر حملہ کرنے کا ارادہ تھا کہ اچانک موت نے دبوچ لیا اور اس کے سرِ پُر غرور کو کیڑے کھا گئے اب میری طرف دیکھ اور عبرت حاصل کر۔

﴿بندۂ شکم نہ بنو﴾

شیخ سعدی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں چند درویشوں کے ساتھ کھجوروں کے ایک باغ میں گیا، ہماری جماعت میں ایک درویش بڑا پیٹو تھا اور اپنی بسیار خوری کی وجہ سے بہت بدنام تھا، باغ میں جاتے ہی اس نے درخت پر چڑھنے کی کوشش کی۔ درخت پر چڑھتے ہی وہ وہاں سے بری طرح گردن کے بل زمین پر گرا اور مر گیا، گاؤں کا سردار بھاگا ہوا آیا جب اس کو اس واقعے کی خبر ہوئی اور ہمیں آنکھیں دکھا کر پوچھنے لگا کہ اسکو کس نے مارا ہے؟ میں نے اس سردار کو کہا کہ ہم پر رعب نہ ڈالو، اس کو اس کے پیٹ

نے ہلاک کیا ہے۔

''پیٹ ہاتھ کی بیڑی اور پاؤں کی زنجیر ہے، جاؤ اور اپنا باطن پاک کرو پیٹ تو خاک کے سوا کسی چیز سے نہیں بھرتا''

﴿جس کا کام اسی کو ساجھے﴾

ایک شخص آشوبِ چشم میں مبتلا ہوگیا، علاج کیلئے جانوروں کے معالج کے پاس گیا اس نے وہی دوا جو جانوروں کی آنکھوں کو لگاتا تھا، اس کی آنکھوں میں لگادی، اس دوا سے آشوبِ چشم کیا ٹھیک ہونا تھا۔ بے چارہ اندھا ہوگیا اور معالج سے جھگڑنے لگا۔ یہاں تک کہ یہ معاملہ عدالت تک پہنچ گیا۔ قاضی نے فیصلہ دیا کہ معالجے پر کوئی تاوان نہیں۔ اگر یہ شخص گدھا نہ ہوتا تو جانوروں کے ڈاکٹر کے پاس کیوں جاتا؟ داناؤں کے نزدیک یہ کم عقلی کی بات ہے کہ ایسے کام کو کسی ناتجربہ کار آدمی کے سپرد کیا جائے۔ جس کے لئے تجربہ اور مہارت فن لازم ہو۔

''چٹائی بننے والا اگرچہ بننے والا ہے، لیکن اس کو حریر بافی کے کام پر کوئی نہیں لگاتا''

﴿اللہ کے نام پر دیا ہوا موت کے بعد کام آئے گا﴾

ایک حق گو نے کسریٰ (شاہ ایران) سے کہا کہ اے جمشید کے ملک کے وارث! اگر ملک اور دولت کو دوام حاصل ہوتا تو جمشید کی سلطنت ہمیشہ رہتی اور تو اس کا وارث نہ بنتا، اگر قارون کا خزانہ بھی تیرے ہاتھ لگ جائے تو وہ بھی نہ رہے گا۔ ہاں! جو تو اللہ کے نام پر بخشے گا وہ تو اپنے ساتھ لے جائے گا اور وہی آخرت میں تیرے کام آئے گا۔

﴿دولت کا صحیح مصرف﴾

ایک دفعہ دمشق میں ایسا سخت قحط پڑا کہ لوگ دانے دانے کو ترسنے لگے۔ ہر طرف

پریشان حال لوگ بھوک سے ایڑیاں رگڑتے نظر آتے۔ کھیتیاں اور باغ اجڑ گئے۔ یہاں تک کہ کنوؤں اور چشموں کا پانی بھی سوکھ گیا۔ دمشق میں میرا ایک دوست تھا جسے اللہ نے ہر قسم کی نعمتیں دے رکھی تھیں۔ اس کے گھر میں دولت کی ریل پیل تھی، قحط کے دنوں میں اس سے میری ملاقات ہوئی تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا کہ دوست تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہے کہ سوکھ کر کانٹا ہو گئے ہو۔ اس نے ناراض ہو کر جواب دیا کہ تمہیں دکھائی نہیں دیتا کہ خلقِ خدا کس مصیبت میں گرفتار ہے؟ آخر جان بوجھ کر انجان بننے سے کیا فائدہ؟ میں نے کہا کہ بھائی قحط کا حال تو مجھے معلوم ہے لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اس کا اثر تجھ جیسے آسودہ حال آدمی پر کیسے پڑ سکتا ہے؟ زہر اس جگہ ہلاک کرتا ہے جہاں تریاق نہیں ہے۔ قحط سے تو نادار ہی مرتے ہیں جن کو اللہ نے سب کچھ دے رکھا ہے۔ ان پر اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ آخر بطخ کو پانی کے طوفان سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟

میرے دوست نے رنجیدہ ہو کر میری طرف ایسے دیکھا جیسا کہ ایک عالم جاہلِ مطلق کو دیکھتا ہے اور پھر کہا کہ اے دوست! انسان کنارے پر ہو لیکن اس کے دوست دریا میں ڈوب رہے ہوں تو اس کو کیسے چین آ سکتا ہے؟ میرا چہرہ بے سروسامانی کی وجہ سے زرد نہیں ہے، بلکہ بے کس لوگوں کی مصیبت اور غم نے میرا دل دیا ہے، جب میں دیکھتا ہوں کہ لوگ روٹی کے ایک ایک لقمے کو ترس رہے ہیں، تو میرے حلق میں لقمہ زہر بن جاتا ہے۔ یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ لوگ روکھی سوکھی روٹی کو ترسیں اور میں مرغن کھانے کھاؤں، خدا نے مجھے دولت اس لئے نہیں دی کہ اپنا جسم پالتا رہوں اور محتاجوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لوں۔ ایسے دولت مند پر لعنت ہے جو اپنی دولت اللہ تعالیٰ کے بندوں کی حاجتیں پوری کرنے پر صرف نہیں کرتا۔

☆...☆

متفرق حکایات

﴿ٹکے سیر﴾

ایک گورو اپنے چیلے کے ساتھ شہر بیدادنگری پہنچے۔ اس شہر میں تمام اشیائے خوردنی کا بھاؤ ٹکے سیر تھا۔ گورو نے چیلے سے کہا کہ اس شہر سے بھاگ چلو کیوں کہ یہاں حفظِ مراتب کا کچھ لحاظ نہیں لیکن چیلا اس بات سے بڑا خوش تھا کہ یہاں پر کھانے کی چیز ارزاں ہے۔ بڑے مزے اور سکون سے زندگی بسر ہوگی۔ گورو نے کہا کہ تمہاری مرضی ہمارا کام تو تمہیں سمجھانا تھا۔ چیلے کو ٹکے سیر حلوہ اور پوری ملا تو چند دن میں کھا کھا کر خوب صحت مند اور موٹا تازہ ہوگیا۔ خدا کی کرنی ایک دن ایک چور زیور چرانے کے الزام میں عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ چور نے کہا کہ جنابِ والا میں قصوروار نہیں' اگر صاحبِ زور ایسی عمدہ چیز کو گھر پر نہ رکھتا تو میں اسے کیسے چوری کرتا۔ چور بری ہوگیا اور زیور والا مجرموں کی طرح عدالت میں لایا گیا۔

اس نے عدالت کا یہ نرالا انداز اور چور کے بیانات کا عجیب ڈھنگ دیکھ کر عرض کی کہ حضور اگر سنار ایسا اچھا زیور نہ بناتا تو میں نہ خریدتا۔ اس کا قصور کہ اس نے ایسا اچھا زیور بنایا' چنانچہ زیور والا بری ہوگیا اور سنار کو پھانسی کا حکم سنایا گیا۔ سنار نے بھی اسی طرح کا استدلال پیش کر کے براءت حاصل کرلی۔ اس طرح متعدد ملزموں کی پیشی کے بعد قرعہ فال ایک ایسے شخص کے نام نکلا جو کوئی دلیل نہ دے سکتا تھا۔ اسے پھانسی کے تختے تک لایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اتنا لاغر اور کمزور ہے کہ پھانسی کا پھندا اس کی گردن کو پکڑ نہیں سکتا۔ اس کی جگہ ایک موٹا تازہ بندہ پکڑ لیا گیا' یہ وہی چیلا تھا۔ چیلے نے دھائی دی کہ صاحب میرا کیا قصور ہے؟ راجہ نے کہا قصور تو کچھ نہیں لیکن تو خوب موٹا تازہ ہے۔

اسی وقت اس کا گورو وہاں پہنچا اور کہا کہ اور کھا ٹکے سیر حلوہ پوری' تجھے کہا نہ تھا کہ یہ شہر بیدادنگری ہے' یہاں سے بھاگ چل لیکن تو نہ مانا' اب اپنے کئے کی سزا بھگت۔ چیلے نے عجز وانکسار سے کہا کہ اب میری توبہ جو کبھی آپ کی مرضی کے خلاف کروں مجھے کسی طرح بچالیں' گورو نے فرمایا: خیر اب جس طرح میں کہوں وہ کرو' میں کہوں گا کہ پہلے مجھے پھانسی دے دو اور تم کہنا کہ نہیں پہلے مجھے پھانسی دو۔

غرض! دونوں نے راجہ کے سامنے اپنا اشتیاق ظاہر کیا۔ راجہ بڑا حیران ہوا کہ لوگ تو پھانسی کے نام سے بھی ڈرتے ہیں اور یہ دونوں اس کے لیے بیتاب نظر آتے ہیں۔ اس نے تعجب سے پوچھا کہ تم دونوں ایک دوسرے سے زیادہ خواہش کیوں کرتے ہو پھانسی کے لئے؟ تو گورو جی نے کہا کہ پھانسی کے لئے اور ساعت جو گھڑی مقرر کی گئی ہے وہ بڑی خوش قسمت گھڑی ہے۔ اس میں جو پھانسی چڑھے گا' سیدھا جنت میں جائے گا۔ راجہ یہ سن کر فوراً بولا: یہ بات ہے تو پہلے ہم کو پھانسی دو۔ چنانچہ راجہ صاحب پھانسی لگ گئے اور یہ دونوں وہاں سے بھاگ گئے۔ پس ہمیشہ اپنے بزرگوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور ان کی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔

﴿بادشاہ اور فقیر﴾

ایک دفعہ ایک بادشاہ شاہی کھانا لے کر کسی فقیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور کھانے کی درخواست کی۔ فقیر نے ایک آئینہ منگوایا اور ایک لقمہ شاہی کھانے میں سے لے کر اس آئینے پر مل دیا۔ تمام آئینہ دھندلا ہو گیا۔ پھر اس فقیر نے جو کی روٹی لے کر اس پر پھیری تو آئینہ دوبارہ شفاف ہو گیا۔ تو اس فقیر نے کہا کہ آپ کے کھانے آئینۂ دل کو سیاہ کرتے ہیں لیکن نان جویں اسے جلا دیتی ہے۔ مجھے اس سے معاف کیا جائے' ''پھر بادشاہ نے کہا'' میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں' فقیر نے کہا کہ مکھیاں اور

مچھر مجھے بہت تنگ کرتے ہیں۔ ان کو حکم دو کہ مجھے نہ ستایا کریں۔ بادشاہ نے کہا کہ ''میرے حکم سے تو یہ منع نہیں ہو سکتے''۔ فقیر نے کہا ''جب ایسے حقیر ترین جانور بھی آپ کی اطاعت سے منحرف ہیں اور آپ کو ان کے دفعیہ پر قدرت نہیں تو میں اور کس چیز کے لئے آپ سے امداد طلب کروں''۔ بادشاہ لاجواب اور مایوس ہو گیا اور واپس چلا گیا۔

عقل اور قسمت

ایک آدمی گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک دوسرا آدمی ملا' اس نے پوچھا کہ ان بوریوں میں کیا بھرا ہے؟ سوار نے جواب دیا ایک بوری میں گندم ہے اور دوسری بوری میں وزن برابر کرنے کے لئے ریت بھری ہے۔ اس شخص نے کہا کہ ''اگر گندم ہی کو دونوں طرف تقسیم کر کے ہم وزن لادا جاتا تو اس قدر زائد وزن سے جانور کو اس قدر غیر ضروری محنت نہ کرنا پڑتی''۔ سوار نے کہا ''واقعی یہ تدبیر تو تم نے بہت اچھی بتائی لیکن یہ تو فرمایئے کہ اس قدر عقل کی موجودگی میں آپ پیدل کیوں جا رہے ہیں؟ اس شخص نے کہا ''یہ اپنی اپنی قسمت ہے''۔ سوار نے کہا ''ایسی عقل کو اپنے پاس ہی رکھیے' جو آپ کو پیدل چلا رہی ہے' کہیں اس کا سایہ مجھ پر نہ پڑ جائے۔ مجھ کو میری بیوقوفی مبارک' جس نے مجھے گھوڑے پر سوار کر رکھا ہے۔ نتیجہ یہ کہ خوش قسمتی کا عقل سے کوئی تعلق نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چھپکلی

ایک امیر آدمی کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اسی وقت ایک بیچارہ غریب و شکستہ حال بھی اس امیر آدمی کے برابر آ بیٹھا۔ وہ امیر اپنے کپڑے سمیٹ کر علیحدہ ہو کر بیٹھ گیا۔ بزرگ نے یہ تماشا دیکھ کر ارشاد فرمایا: کہ ''حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مکان

میں بیٹھے تھے' اوپر سے کچھ قطرے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑوں پر گرے۔ دیکھا تو اوپر ایک چھپکلی تھی۔ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا' اے اللہ! اس کو کیوں پیدا فرمایا؟ یہ کس مرض کی دوا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! یہ چھپکلی بھی ہر روز یہ سوال کرتی ہے کہ اے اللہ! موسیٰ علیہ السلام کو کیوں پیدا کیا؟ اس سے غرض یہ ہے کہ ہر ایک ذی روح کے دل میں اوروں کی نسبت ایسے ہی خیالات جاگزیں ہیں۔

﴿زمین' بڑھیا اور انصاف﴾

خلیفہ حکم بن عبدالرحمٰن ثالث نے اپنا محل بنوانا تھا۔ جو زمین پسند کی گئی' اس میں ایک غریب بیوہ کا جھونپڑا آتا تھا۔ اس بیوہ کو کہا گیا کہ یہ زمین قیمتاً دے دے۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ خلیفہ نے زبردستی اس زمین پر قبضہ کر لیا اور اپنا محل وہاں تعمیر کروایا۔ اس بیوہ نے قاضی کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی' قاضی نے اسے تسلی دی اور کہا کہ اس وقت جاؤ اور کسی مناسب موقع پر میں تیرے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کروں گا۔

خلیفہ الحکم جب پہلے پہل محل اور باغ کا ملاحظہ کرنے گیا۔ تو اسی وقت قاضی بھی وہاں خود ایک گدھا اور ایک خالی بوری لے کر پہنچ گیا اور خلیفہ سے وہاں سے مٹی لینے کی اجازت چاہی۔ خلیفہ نے اجازت دے دی۔ قاضی نے اس بوری میں مٹی بھر کر عرض کی کہ مہربانی فرما کر اس بوری کے اٹھانے میں اس کی مدد کی جائے۔ خلیفہ نے اسے ایک مذاق سمجھا اور بوری کو ہاتھ لگا کر اٹھانے کی کوشش کی چونکہ وزن زیادہ تھا۔ خلیفہ سے ذرا بھی نہ اٹھایا گیا' اس وقت قاضی نے کہا "اے خلیفہ! جب تو اتنا سا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں' تو قیامت کے دن جب ہم سب کا مالک انصاف کرنے کے لئے عرش پر جلوہ افروز ہوگا اور جس وقت وہ غریب بیوہ جس کی زمین تو نے زبردستی

حاصل کی ہے' اپنے پروردگار سے انصاف کی خواہاں ہوگی' تو اس تمام زمین کے بوجھ کو کس طرح اٹھا سکے گا؟ خلیفہ اس بات سے بہت متاثر ہوا اور فوراً اس محل کو تمام چیزوں سمیت اس بیوہ کو عطا کر دیا۔

﴿خوفِ خدا﴾

ایک بار بیت المال کے میوہ جات میں ایک روز سیب تقسیم کئے جا رہے تھے۔ اچانک خلیفہ کے ولی عہد خردسال نے ہاتھ لمبا کر کے ایک سیب ان میں سے اٹھا لیا اور کھانے لگا۔ امیر المومنین نے وہ سیب اس کے منہ میں سے ایسے غصے سے جھٹکا دے کر چھڑایا کہ اس کا منہ زخمی ہو گیا' بچہ روتا روتا اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ ماں نے بازار سے سیب منگوا کر بچے کو دے دیا۔ جب عمر بن عبدالعزیز گھر آئے تو بچے کے ہاتھ میں سیب دیکھا اور کہا ''یہ سیب کہاں سے آیا؟ ایسا نہ ہو کہ بیت المال سے لایا گیا ہو''۔ اہلیہ نے اظہار رنج کیا کہ ایک ناچیز سیب کی خاطر بچے کا منہ زخمی کر دیا۔ فرمایا: ''تو سچ کہتی ہے لیکن میرے لئے یہ حرکت ناگوار تھی۔ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ ایک سیب کی خاطر ثواب عدل سے محروم ہو جاؤں اور میرا نام نیکو کاروں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے''۔

حجاج نے ایک دن خطبہ بہت لمبا کر دیا۔ لوگوں میں سے ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ اے حجاج! نماز پڑھو کیونکہ وقت انتظار نہیں کرے گا اور اللہ تجھے معذور نہیں رکھے گا۔ اس پر حجاج کو سخت غصہ آیا اور اس نے اسے قید کرنے کا حکم سنا دیا۔ اس قیدی کے قبیلے کے لوگ حجاج کے پاس آئے اور کہا کہ وہ شخص دیوانہ ہے اور درخواست کی کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔ حجاج نے کہا کہ اگر وہ شخص اپنی دیوانگی کا اقرار کر لے تو میں اسے چھوڑ دوں گا۔ ان لوگوں نے اپنے قیدی سے کہا کہ وہ بادشاہ کے سامنے دیوانگی کا

اقرار کرلے اور کہہ دے کہ میں دیوانہ ہوں۔

اس نے کہا معاذ اللہ! میں تو ہرگز نہ کہوں گا کہ اللہ نے مجھے کسی مرض میں مبتلا کیا ہے جبکہ اس نے مجھے تندرستی عطا کی ہے۔ یہ بات جب حجاج تک پہنچی تو اس نے اس کی سچائی کے باعث اسے معاف کر دیا۔ اس لئے ہمیشہ سچ پر قائم رہنا چاہیے۔ اگرچہ وہ تجھے وعید کی آگ سے جلا دے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کرنی چاہیے کیونکہ سب لوگوں میں بیوقوف وہ ہے جس نے اللہ کو ناراض اور لوگوں کو راضی کیا۔

خوددار غلام

حضرت عبداللہ بن جعفر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ جنگل میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک باغ پر گزر ہوا' باغ میں ایک حبشی غلام کام کر رہا تھا۔ اس کے لئے روٹی آئی' اسی وقت ایک کتا بھی باغ میں چلا آیا اور اس غلام کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اس غلام نے کام کرتے ہوئے ایک روٹی اس کتے کے سامنے ڈال دی۔ کتے نے اس روٹی کو کھا لیا اور پھر کھڑا رہا۔ اس غلام نے دوسری روٹی اور پھر تیسری روٹی بھی کتے کے آگے ڈالی۔ وہ دونوں بھی کتے نے کھالیں۔ اس کے پاس کل تین روٹیاں ہی تھیں۔ وہ تینوں اس نے کتے کو کھلا دیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ غور سے کھڑے دیکھتے رہے۔ جب تینوں روٹیاں ختم ہو گئیں تو آپ نے اس غلام سے پوچھا کہ تمہاری کتنی روٹیاں روزانہ آتی ہیں۔ اس نے عرض کیا آپ نے دیکھا تین ہی آیا کرتی ہیں۔

حضرت عبداللہ نے فرمایا: پھر تینوں کا ایثار کیوں کیا؟ غلام نے کہا کہ حضرت یہاں جنگل میں کتے رہتے نہیں ہیں۔ یہ غریب بھوکا کہیں دور سے مسافت طے کر کے آیا ہے۔ اس لئے مجھے اچھا نہ معلوم ہوا کہ اس کو ویسے ہی واپس کر دوں۔ حضرت عبداللہ

نے فرمایا: پھر آج تم کیا کھاؤ گے۔ غلام نے کہا کہ ایک دن فاقہ کرلوں گا۔ یہ تو کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے' حضرت عبداللہ نے اپنے دل میں سوچا کہ ایثار کے معاملے میں گویا لوگ مجھے ملامت کرتے ہیں کہ بہت سخاوت کرتا ہے۔ یہ غلام تو مجھ سے بہت زیادہ سخی ہے۔ یہ سوچ کر آپ نے شہر جا کر مالکِ باغ سے وہ باغ اور غلام خرید لیا اور جا کر غلام سے کہا' جا میں نے تجھے آزاد کیا اور یہ باغ بھی تجھے بخش دیا۔ غلام نے انتہائی خودداری سے جواب دیا کہ میں آپ کا بے حد شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس شکریے کے اظہار میں یہ باغ آپ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرتا ہوں چونکہ اب آپ کے دل میں میری عزت و عظمت اور عقیدت ہوگئی ہے جو کہ میرے حق میں زہر قاتل ہے' لہٰذا میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں' یہ کہہ کر وہاں سے چل دیا۔

مسلمان اور مشرک

ایک بار ایک غازی کا ایک مشرک سے مقابلہ ہوا۔ بڑی دیر تک جدال وقتال میں مصروف رہے۔ کوئی کسی پر غالب نہ ہوسکا۔ غازی نے کہا کہ اب مجھے تھوڑی دیر کے لئے مہلت دے تاکہ میں نماز ادا کرسکوں۔ اس نے مہلت دے دی۔ بعد از نماز پھر جنگ شروع ہوگئی' اتنے میں مشرک کی پوجا کا وقت ہوگیا۔ اس نے بھی مہلت چاہی اور اپنے کام میں لگ گیا۔ مسلمان کو خیال آیا کہ اب وقت فتح ہے۔ اس کا کام تمام کر دوں' اسی وقت غیب سے ندا آئی۔ ''او بے وفا! کیا'' اوفوا بالعقود '' کے معنی یہی ہیں اس معاملہ میں تجھ سے تو مشرک ہی افضل نکلا'' یہ ندا سنتے ہی مسلمان رونے لگا اور گر پڑا جب مشرک اپنی عبادت سے فارغ ہو کر غازی کے مقابلے میں آیا تو اس کو بے قرار پایا' حال پوچھا تو غازی نے کیفیت سنائی کہ اس طرح تیرے سبب مجھ پر عتاب ہوا۔ مشرک کے دل پر اس بات نے اثر کیا اور اس نے سوچا کہ بے شک ان کا دین سچا ہے

کہ اللہ نے عہد شکنی کو جائز نہ رکھا۔ فوراً غازی سے کہا کہ مجھ کو ارکان اسلام کی تعلیم کرا اور مسلمان ہو گیا۔

آج کل کے مسلمان بھی ایسے ہی عہد شکنی اور بے وفائی میں آگے بڑھتے جا رہے ہیں اور قرآن کی تعلیمات کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ جس میں عہد شکنی کو اللہ کی ناراضگی کا سبب گردانا گیا ہے۔

غفلت کی سزا

حضرت جنید بغدادی کے پاس کسی شخص نے ایک پرندہ بطور تحفہ بھیجا۔ آپ نے اسے قبول فرما کر پنجرے میں بند کر دیا اور کچھ مدت اپنے پاس رکھ کر ایک دن اسے آزاد کر دیا۔

کسی نے پوچھا۔ ''حضرت! آپ نے اسے آزاد کیوں کر دیا؟''

آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ''مجھے اس پرندے نے بڑی منت سے کہا تھا کہ ''اے جنید! افسوس کہ تو تو اپنے دوستوں سے ملاقات کا لطف اٹھائے اور مجھے میرے دوستوں کی ملاقات سے یوں دور رکھے اور پنجرے میں بند رکھے''۔ مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اڑتے وقت وہ کہنے لگا کہ ''پرندہ یا جانور جب تک ذکر اللہ میں مصروف رہتا ہے۔ آزاد رہتا ہے اور جہاں اس پر غفلت طاری ہوتی ہے قید میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اے جنید! رحمتہ اللہ علیہ میں یادِ الٰہی سے صرف ایک دن غافل رہا تھا جس کی سزا میں مجھے پنجرے کی سخت سزا بھگتنا پڑی۔ ہائے ان لوگوں کا کیا ہوگا؟ جو اکثر اوقات ذکرِ اللہ سے غافل رہتے ہیں۔ اے جنید رحمتہ اللہ علیہ! میں آپ کے سامنے پکا وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی ذکر اللہ سے غافل نہیں رہوں گا''۔ یہ کہہ کر وہ پرندہ اڑ گیا۔

﴿ولی کی بیوی﴾

حضرت حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ ایک مرتبہ کہیں باہر سفر میں جانے لگے تو اپنی بیوی سے فرمایا: ''میں چار ماہ تک باہر رہوں گا۔ تمہارے واسطے کس قدر خرچ مہیا کر جاؤں؟'' انہوں نے جواب دیا۔ ''جس قدر آپ کو میری زندگی منظور ہے''۔

حضرت نے فرمایا: ''تمہاری زندگی میرے ہاتھ میں تو نہیں''۔

بیوی صاحبہ نے جواب دیا ''تو میری روزی بھی آپ کے ہاتھ میں نہیں''۔

حضرت حاتم جب چلے گئے تو ایک بڑھیا نے حضرت کی بیوی سے پوچھا ''حاتم آپ کے واسطے کتنی روزی چھوڑ گئے ہیں''۔

انہوں نے جواب دیا ''حضرت حاتم ہی روزی کھانے والے تھے جو کھانے والا تھا وہ چلا گیا اور جو دینے والا ہے وہ یہیں ہے''۔

﴿مہمان نوازی﴾

حضرت ابوالحسن رحمتہ اللہ علیہ انطا کی خراسان کے شہر میں رہتے تھے۔ ایک دن تیس سے زیادہ مہمان آ گئے اور روٹی تھوڑی تھی' تیاری کا موقع نہ تھا۔ رات کا وقت تھا۔ انہوں نے جتنی روٹیاں موجود تھیں سب کے ٹکڑے کیے اور دستر خوان پر انہیں پھیلا کر سب کو بٹھانے سے پہلے چراغ گل کر دیا اور سب نے کھانا شروع کر دیا۔ سب کے منہ چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جب دیر ہو گئی گویا سب بالکل فارغ ہو گئے تو چراغ جلا دیا گیا۔ دستر خوان پر وہ سارے روٹی کے ٹکڑے بدستور رکھے تھے۔ سبھی خالی منہ چلا رہے تھے کہ کسی نے بھی اس خیال سے کچھ نہیں کھایا کہ اچھا ہے دوسرے ہی کا کام چل جائے۔

بادشاہ کا دربار

مسلمانوں نے مدائن فتح کیا تو اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے آتش کدہ نو بہار سرد کرنے کے لیے ایک فوجی دستہ بھیجا۔ روایت تھی کہ یہ آتش زرتشت کے زمانے سے مسلسل فروزاں چلا آرہا ہے۔ فوجی دستے نے آتش کدہ کے مرکزی دروازے پر زرتشت کا یہ قول لکھا دیکھا۔

''بادشاہ کے دربار میں اسی کو حاضری دینی چاہیے جس کے پاس علم' حوصلہ اور دولت ہو۔''

فوجی دستے میں ایک بدو بھی تھا۔ اس نے زرتشت کے قول کے نیچے کوئلے سے یہ لکھ دیا۔ ''جس کے پاس ان تینوں میں سے ایک وصف بھی ہو' اسے بادشاہ کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے؟''

عیب نکالنا آسان اور درست کرنا مشکل ہے

ایک نوجوان مصور نے اپنا کمال فن ظاہر کرنے کی غرض سے ایک تصویر نہایت محنت اور کوشش کے ساتھ کافی عرصہ لگا کر تیار کی اور ایک بارونق بازار کے چوک میں اس تصویر کو ایک تخت پر آویزاں کر دیا۔ جس کے نیچے اس نے یہ عبارت لکھ دی۔ ''اس تصویر میں جہاں کہیں نقص ہو' وہاں پنسل سے نشان لگا دیا جائے''۔

نوجوان کو اپنے فن پر بہت ناز تھا۔ اس کا خیال تھا کہ تصویر پر ایک بھی نشان نہ ہوگا لیکن اس وقت اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی' جب اس نے شام کو جا کر دیکھا کہ تمام تصویر پر نشانات لگے ہیں۔ نوجوان نہایت افسردہ اور مایوس ہوا۔ اس کے باپ نے اس کی اداسی کا سبب پوچھا' اس نے ساری بات کہہ سنائی۔ باپ نے کہا کہ ایک اور اسی طرح کی تصویر تیار کرو۔ اس نوجوان نے پھر محنت کر کے ویسی ہی تصویر بنائی اور باپ کو دکھائی' باپ نے اس کے نیچے لکھ دیا:

''اس تصویر میں جہاں کہیں نقص ہو درست کر دیا جائے''۔

اس مصور نے یہ تصویر بھی اس جگہ لٹکا دی۔ شام کو وہ نوجوان اپنی بنائی ہوئی تصویر دیکھنے گیا تو اس نے دیکھا ایک نشان بھی نہ لگا تھا۔ اس نے دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ گھر آ کر اس نے باپ کو بتایا تو باپ نے کہا ''عیب نکالنا آسان مگر اسے درست کرنا اور بہتر کر کے دکھانا مشکل ہے''۔

﴿راضی برضا﴾

حضرت ابنِ عطاء رحمتہ اللہ علیہ کے دس صاحبزادے تھے اور سب صاحبِ مال تھے۔ ایک دفعہ یہ تمام بیٹے اپنے والدین کے ہمرکاب سفر کر رہے تھے کہ راہ میں راہزنوں نے حملہ کر دیا اور حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے ہی نو صاحبزادوں کو ذبح کر ڈالا۔ حضرت ہر صاحبزادے کی شہادت پر آسمان کی طرف نظر اٹھاتے اور تبسم فرماتے جب ڈاکوؤں نے حضرت کے دسویں صاحبزادے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو ڈاکوؤں میں سے ایک ڈاکو نے حضرت ابنِ عطاء سے مخاطب ہو کر کہا۔

''آپ کیسے نامہربان باپ ہیں۔ آپ کے نو بیٹوں کو قتل کر دیا گیا اور آپ ہنستے رہے اور ہم سے کچھ بھی نہ کہا''۔

آپ نے فرمایا: ''جس کی مشیت سے یہ سب ہو رہا ہے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور سب کچھ کر سکتا ہے۔ اگر وہ اب بھی چاہے تو اس لڑکے کو بچا سکتا ہے۔'' ڈاکوؤں نے یہ الفاظ سنے تو ان پر ایک عجیب حالت طاری ہو گئی۔ وہ اپنے ارادے سے رک گئے اور حضرت سے عرض کیا۔

''اے بزرگ! آپ نے یہ الفاظ پہلے کیوں نہ کہے تا کہ آپ کے سب بیٹے محفوظ رہتے''۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: ''مالک کو یہی منظور تھا اور میں اس کی مشیت میں خوش ہوں''۔

﴿محویت﴾

حضرت شیخ ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ پر ایک ایسا موذی پھوڑا نکل آیا کہ ہاتھ کاٹنے کے سوا اس کا کوئی علاج نہ تھا۔

جراحوں نے کہا ''ہاتھ کٹوا دیجئے''

''آپ رحمتہ اللہ علیہ اس پر رضامند نہ ہوئے۔ آپ کے مریدوں نے جراح سے کہا۔ ''شیخ ابوالخیر رحمتہ اللہ علیہ جب نماز پڑھنے میں مشغول ہوں تو تم ہاتھ کاٹ لینا''۔

چنانچہ جراح نے نماز کی حالت میں ہاتھ کاٹ دیا اور آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔

﴿درودِ پاک کی برکت﴾

ایک مرتبہ کسی سوداگر کا بحری جہاز سمندر میں جا رہا تھا۔ اس میں ایک آدمی روزانہ درودِ پاک پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن وہ درودِ پاک پڑھ رہا تھا' دیکھا کہ ایک مچھلی جہاز کے ساتھ آ رہی ہے اور وہ درودِ پاک سن رہی ہے۔ بعد میں وہ مچھلی اتفاق سے شکاری کے جال میں پھنس گئی۔ شکاری اس کو پکڑ کر بازار میں فروخت کرنے کے لیے لے گیا تو وہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے خرید لی کہ حضور نبی کریم ﷺ کی دعوت کروں گا۔

وہ مچھلی لے کر گھر گئے اور بیوی صاحبہ سے فرمایا کہ اس کو اچھی طرح بنا کر پکاؤ۔ اس نے مچھلی کو ھانڈی میں ڈال کر چولہے پر رکھا اور نیچے آگ جلائی مگر مچھلی کا پکنا تو درکنار آگ بھی نہ جلی' جب آگ جلاتے' بجھ جاتی' تھک ہار کر صحابی نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر ماجرا عرض کیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: ''دنیا کی آگ کیا اسے تو دوزخ کی آگ بھی نہیں جلا سکتی

کیونکہ جہاز پر سوار ایک آدمی درود پاک پڑھ رہا تھا اور یہ سنتی رہی تھی''۔

﴿باپ کی ناراضگی﴾

فضل بن یحییٰ برمکی کے سینہ پر ایک مرتبہ برص کا نشان پیدا ہو گیا۔ حکیم جاثلق نے اس کا بہت علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد ایک روز اس نے فضل سے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کے والد آپ سے ناراض ہیں' اس لئے پہلے ان کو خوش کریں اور معافی مانگ لیجئے' ہو سکتا ہے کہ یہی سبب آپ کی شفایابی میں رکاوٹ کا باعث ہو''۔

چنانچہ طبیب کے کہنے کے مطابق فضل نے اپنے والد یحییٰ مکی سے معافی مانگ لی اور ان کو راضی کر لیا' پھر اس نے حکیم جاثلق کے پہلے والے علاج کو دوبارہ شروع کیا اس مرتبہ اس کو شفاء نصیب ہوگئی اور برص کا داغ غائب ہو گیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اوقات ماں باپ کی ناراضگی بھی مرض کے علاج میں کامیابی نہ ملنے کا سبب ہو سکتی ہے۔

﴿عذابِ الٰہی﴾

جب کبھی زور سے ہوا چلتی آپ ﷺ سہم جاتے' کسی ضروری کام میں ہوتے تو اس کو چھوڑ کر قبلہ رخ ہو جاتے اور فرماتے!

''خدایا! تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے میں پناہ مانگتا ہوں''۔

جب مطلع صاف ہو جاتا یا پانی برس جاتا تو مسرور ہوتے' اور خدا کا شکر ادا فرماتے۔ ایک دن اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا ''یا رسول اللہ! ﷺ آپ ﷺ کیوں مضطرب ہو جاتے ہیں؟''۔ ارشاد ہوا!

''عائشہ! تجھے کیا معلوم کہ قوم ہود کا واقعہ پیش نہ آئے۔ جس نے بادل دیکھ کر کہا کہ یہ ہمارے کھیتوں کو سیراب کرنے والا ہے حالانکہ وہ عذابِ الٰہی تھا''۔

﴿شیطان کا دوست﴾

حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام نے ابلیس کو دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ ''بتاؤ تم کس شخص کو اپنا دشمن سمجھتے ہو اور کس کو زیادہ عزیز دوست تصور کرتے ہو؟''

ابلیس نے جواب دیا۔ ''بخیل زاہد کو میں بے حد عزیز رکھتا ہوں کیونکہ وہ عبادت میں اپنی جان ہلکان کرتا ہے۔ ریاضت اور مجاہدہ بھی کرتا ہے لیکن اس کا بخل اس کے تمام کئے دھرے پر پانی پھیر دیتا ہے اور اس فاسق کو میں اپنا بدترین دشمن سمجھتا ہوں جو سخی ہو کیونکہ اس کی زندگی بھی عیش وعشرت میں گزرتی ہے۔ خوب چین اور مزے سے رہتا ہے اور پھر بھی مجھے یہ خوف مارے دیتا ہے کہ کہیں اپنی سخاوت کی وجہ سے بخش نہ دیا جائے' یا حق تعالیٰ کہیں اسے توبہ کی توفیق نہ عطا کر دے''۔

﴿دریا دِلی﴾

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شان وشوکت سے سخت نفرت تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ محنت مشقت کر کے روزی کماتے تھے اور سیدھی سادھی زندگی بسر کرتے۔ جب آپ مسلمانوں کے خلیفہ ہو گئے تب بھی آپ کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ ایران' شام' مصر' عراق جیسے ملک اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکے تھے' مگر اتنی بڑی سلطنت کے حاکم بن کر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ کوئی محل بنوایا اور نہ کوئی خدمت گاروں' نوکروں چاکروں کی فوج بنائی۔ ایک سال عید نزدیک آئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے خادم کو ساتھ لے کر بازار گئے اور دو جوڑے خریدے۔ ایک جوڑا معمولی کپڑے کا تھا اور دوسرا ذرا عمدہ قسم کا' عید کی صبح خادم نے نہا دھو کر وہ جوڑا پہن لیا جو معمولی کپڑے کا

تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو کہا۔

''تم نے ہمارا لباس کیوں پہنا؟''

خادم نے جواب دیا۔ ''حضور! میں نے تو اپنے ہی پہنے ہیں جو کہ معمولی کپڑے ہیں''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''یہ معمولی کپڑے کا جوڑا ہم نے اپنے لئے خریدا تھا' تیرا جوڑا وہ ہے جو عمدہ کپڑے کا ہے کیونکہ تو جوان ہے اور ہم بوڑھے''۔

سموال کا عہد

امراء القیس مشہور عرب شاعر تھا۔ جو جاہلیت کے دور میں گزرا ہے۔ اسے جب قیصرِ روم کے دربار میں طلب کیا گیا تو جاتے وقت وہ اپنی زرہ' اسلحہ اور بہت سا مال سموال کے پاس رکھ گیا۔ جب امراء القیس اس دنیا سے رخصت ہو گیا تو کندہ کے بادشاہ نے جو امراء القیس کا بدترین دشمن تھا' سموال سے امانت رکھی ہوئی تمام چیزیں ایک فرمان کے ذریعے سے طلب کیں۔

سموال نے جواب دیا ''امراء القیس کی امانت یا تو میں اس کی بیٹی کو لوٹاؤں گا یا دوسرے وارثوں کو' بادشاہ کو نہیں سونپ سکتا' اس لئے کہ وہ مستحق نہیں ہے''۔

بادشاہ نے پھر اصرار کیا لیکن اس مرتبہ بھی سموال نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں امانت میں خیانت نہیں کر سکتا۔

یہ سن کر کندہ کا بادشاہ بہت ناراض ہوا اور لشکر لے کر سموال پر چڑھ دوڑا۔ سموال اپنے قلعے میں بند ہو گیا۔ بادشاہ کے لشکر نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اتفاق سے سموال کا لڑکا قلعے کے باہر رہ گیا تھا۔ کندہ کے بادشاہ نے اسے گرفتار کر لیا اور سموال کو آواز دی۔

آواز سن کر سموال قلعے کی برجی پر چڑھا تو بادشاہ نے اس سے کہا۔

''میں نے تمہارے لڑکے کو گرفتار کر لیا ہے۔ اگر تم اپنے لڑکے کی سلامتی چاہتے ہو

تو فوراً امراء القیس کا سب سامان میرے حوالے کر دو۔ ورنہ اس لڑکے کو تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کر دوں گا"۔

سموال نے جواب دیا "یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں امراء القیس سے دھوکا نہیں کر سکتا۔ رہا میرے لڑکے کا معاملہ تو جو تیرا جی چاہے کر"۔

یہ سن کر بادشاہ کا غصہ بہت زیادہ بھڑک اٹھا۔ اس نے اسی وقت قلعے کی دیوار کے نیچے سموال کی آنکھوں کے سامنے اس کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ سموال یہ ہول ناک منظر دیکھتا رہا مگر اس نے اف بھی نہ کی۔ بیٹے کی جان بچانے کے لئے وہ امانت میں خیانت پر کسی طرح راضی نہ ہوا۔ صبر و شکر کے ساتھ اپنے بیٹے کا قتل دیکھا۔

کچھ عرصہ بعد امراء القیس کے وارث آئے تو سموال نے ان کی ایک ایک چیز ان کے حوالے کر دی۔ تاریخ عرب میں سموال کا نام "پاس عہد" کے سلسلے میں ضرب المثل کی حیثیت سے مشہور ہو گیا۔

﴿عدل﴾

عبدالعزیز بن موسیٰ والئی اندلس نے راڈرک کی بیوی سے شادی کی تھی جو اس پر بہت حاوی ہو گئی تھی۔ اس نے عبدالعزیز سے کہا کہ اس کے سابق شوہر کی طرح لوگ اس کو سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ عبدالعزیز نے جواب دیا

"یہ ہمارے مذہب میں حرام ہے"۔

بیوی اس جواب سے مطمئن نہ ہوئی' لہٰذا بیوی کے دل میں اپنا وقار رکھنے کے لئے اس نے اپنی نشت گاہ میں ایک چھوٹا سا دروازہ بنوایا جس میں کوئی شخص بغیر جھکے داخل نہیں ہو سکتا تھا اور بیوی سے کہہ دیا کہ لوگ اس کی تعظیم کے لئے جھکتے ہیں۔ فوج کو اس کی خبر ہو گئی اور ممکن تھا کہ وضاحت سے یہ سدھر جاتا مگر سلیمان کے اشارے سے

عبدالعزیز کوقتل کر دیا گیا۔

﴿احسان کا بدلہ﴾

خلیفہ مہدی کے وزیر اعظم ابو خالد کا انتقال ہو چکا تھا اور اب ان کا بیٹا احمد مفلس و تباہ حال تھا۔ احمد نے باپ کی زندگی میں جاہ وحشم' دولت وثروت کے دن دیکھے تھے۔ ایک دن احمد خلیفہ ہارون الرشید کے وزیر یحییٰ کے پاس پہنچا اور اپنی تباہ حالی کی طرف انہیں متوجہ کیا۔ یحییٰ نے اس کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا اور احمد کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا۔ احمد یحییٰ کی سرد مہری پر حیران رہ گیا۔

یحییٰ احمد کے پاس سے اٹھ کر اپنے لڑکے افضل کے پاس آیا اور اس سے بولا ''بیٹا! وہاں احمد بیٹھا ہے' اس کا خیال رکھنا میں ذرا دربار تک جا رہا ہوں۔ واپس آ کر تمہیں احمد کے سامنے اس کے باپ کا ایک دلچسپ واقعہ سناؤں گا۔'' یحییٰ دربار سے واپس آیا تو افضل نوجوان احمد کو لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یحییٰ نے چند ادھر ادھر کی باتیں کیں اور کہنے لگا۔ ''جب اس نوجوان کا باپ ابو خالد خلیفہ مہدی کا وزیر اعظم تھا تو اس وقت ہماری حالت بہت خراب تھی۔ پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے گھر کا سامان تک بیچ دینا پڑتا تھا۔ ایک دن میں نے ابو خالد کو اپنی حالت بتائی تو وہ کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ کر چلا گیا تھا' گھر آ کر میں نے اس کی بے توجہی کا ذکر کیا تو گھر والے مجھ پر طعنہ زن ہوئے کہ میں نے ناحق ہاتھ پھیلایا اور خاندان کی عزت خاک میں ملا دی''۔

دوسرے روز ابو خالد نے اپنا آدمی بھیج کر مجھے بلایا۔ میں گیا' اس نے کچھ کاغذات میرے حوالے کئے' گھر آ کر میں نے کاغذات کھولے تو ان میں ایک فرمان درج تھا کہ یحییٰ کو کوفے کا گورنر مقرر کیا جاتا ہے۔ پھر اس نے کہا'' آج میرے مربی کا بیٹا میرے پاس آیا ہے اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے باپ کا احسان کس طرح چکاؤں؟ میں

اپنے عہدے سے استعفیٰ دے کر اس نوجوان کو اپنی جگہ مقرر کر رہا ہوں"۔

﴿سکون قلب﴾

مغل شہنشاہ اورنگ زیب اپنی شاہزادگی کے زمانے میں بلخ کی مہم پر گیا اور عبدالعزیز خان سے معرکہ آراء ہوا۔ عین حالتِ جنگ میں نماز ظہر کا وقت آ گیا۔ چاروں طرف سے تیر برس رہے تھے لیکن یہ استقلال کا پتلا گھوڑے سے کمال متانت سے اترا' نماز کی صف قائم کی۔ سکونِ قلب سے فرائض ونوافل ادا کئے' عبدالعزیز خان یہ منظر دیکھ کر لڑائی سے ہٹ گیا' اس سے لڑنا تقدیر سے لڑنا ہے۔

﴿منافع﴾

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کے عہد خلافت میں اس کے لشکر کو مال غنیمت میں بہت سا مشک ہاتھ آیا اور خلیفہ کے سامنے تقسیم کیا جانے لگا۔ خلیفہ نے ناک پر ہاتھ رکھ کر راہ گزار مشام مسدود کر دیئے۔ لوگوں نے کہا یا امیر المومنین! اس کا کیا باعث ہے؟ فرمایا: مسلمانوں کے مال میں میرا کوئی حق نہیں ہے اور بوئے مشک اس کے منافع سے ہے۔ جب اس کی بو میرے مشام میں پہنچے گی' تو گویا دوسروں کے مال میں سے ناحق فائدہ اٹھایا' جس کی جواب دہی قیامت کو مشکل ہوگی۔

﴿فرمانبرداری﴾

سلطان محمود کے پاس ایک جام بیش بہا تھا۔ اراکین دولت کو حکم دیا کہ اس کو توڑ دو۔ سب نے عذر پیش کیا کہ حضور ایسی نایاب چیز کو توڑنا مناسب نہیں۔ آخر ایاز کو اشارہ کیا۔ اس نے بے تامل چور چور کر دیا' اہلِ دربار نے اس کو ملامت کی کہ آہ! ایسی چنس عزیز تو نے ضائع کر دی۔ ایاز نے جواب دیا کہ تم نے پیالے کی نایابی کو مدِ نظر

رکھا' اور میں فرمانِ شاہی کا بندہ ہوں۔ بادشاہ نے بھی مصنوعی ناراضگی سے اس سے پوچھا کہ تم نے کیوں پیالہ توڑا؟ جبکہ تمام اہلِ دربار اس کے توڑنے میں متامل تھے۔ ایاز نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور قصور ہو گیا۔ معاف فرمائیں' بادشاہ نے اہل دربار سے مخاطب ہو کر کہا' اس قسم کی فرمانبرداری ہی نے اس کو دلداری کا رتبہ دیا ہے' جس کا کہ تم سب رشک وحسد کرتے ہو۔

﴿بہت اچھا ہوا﴾

کسی بادشاہ کا وزیر شاکر تقدیر تھا اور ہر ایک برے بھلے واقع پر یہ کہنے کا عادی تھا۔ ''بہت اچھا ہوا'' ایک دفعہ بادشاہ کی انگلی کٹ گئی۔ وزیر نے حسبِ عادت کہا ''بہت اچھا ہوا'' بادشاہ کو وزیر کے اس بے محل فقرے کے استعمال سے رنج ہوا اور وزیر کو قید خانے بھجوانے کا حکم دیا۔ وزیر نے اس حکم کو سن کر بھی وہی فقرہ کہا ''بہت اچھا ہوا''۔ دوسرے روز بادشاہ شکار میں اپنے ہمراہیوں سے بچھڑ کر اکیلا جنگل میں دور نکل گیا چونکہ راستہ معلوم نہ تھا۔ لاچار ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ اتنے میں ایک شیر نمودار ہوا۔ بادشاہ پر حملہ آور ہوا' بادشاہ نے سانس کھینچ لیا اور مردہ سا بن کر پڑا رہا۔ شیر زخمی انگلی کو سونگھ کر بادشاہ کو مردہ خیال کر کے چھوڑ گیا۔

اتنے میں بادشاہ کے ہمراہی بھی تلاش کرتے ہوئے وہاں آ گئے اور بادشاہ کو صحیح سلامت پا کر سجدۂ شکر بجا لائے اور اس واقعہ کو سن کر بادشاہ کی جان بچ جانے کو نہایت غنیمت اور اللہ کی خاص رحمت خیال کیا۔ واپس آ کر بادشاہ نے وزیر کو قید خانے سے طلب کر کے انعام سے مالا مال کر دیا اور کہا! ''واقعی اگر کل میری انگلی نہ کٹتی' تو آج وہ شیر مجھے ہرگز نہ چھوڑتا اور انگلی کا کٹ جانا واقعی ''بہت اچھا ہوا'' وزیر نے کہا۔ ''تم نے قید خانے کو جاتے وقت بھی ''بہت اچھا ہوا''۔ کہا تھا' اس میں کیا مصلحت خیال کر کے

یہ فقرہ کہا گیا تھا؟ وزیر نے جواب دیا کہ لازمی طور پر میں آپ کا ہم رکاب رہتا اور شیر آپ کو چھوڑ کر مجھے کھا جاتا۔ نتیجہ یہ کہ قدرت کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں ہوتا' خواہ بظاہر کتنا ہی برا کیوں نہ ہو؟۔

﴿حرام اور حلال﴾

ایک امیر کے پڑوس میں ایک فقیر رہتا تھا۔ ایک دن امیر لڑکا فقیر کے گھر میں گیا' دیکھا کہ فقیر مع بال بچوں کے کھانے میں مصروف ہے۔ امیر کے بچے کو خواہش پیدا ہوئی مگر فقیر نے کچھ توجہ نہ کی۔ وہ روتا ہوا گھر آیا۔ ہر قسم کا کھانا دیا گیا لیکن وہ کہتا تھا کہ وہی کھاؤں گا جو وہ فقیر اور اس کے بچے کھا رہے ہیں۔ امیر شخص مجبور ہو کر فقیر کے پاس آیا اور تمام واقعہ کہہ سنایا۔ درویش نے کہا ''میں مجبور تھا' اس لئے جو کھانا میں کھا رہا تھا وہ مجھ پر حلال تھا اور تم پر حرام کیونکہ تین دن کے بعد اکل حرام کی اجازت ہے''۔ امیر آدمی یہ سن کر بہت پریشان ہوا اور اس کے پاس جو کچھ نقدی میں موجود تھا اسے دے دیا اور روتے ہوئے کہنے لگا۔ ''اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن مجھ سے باز پرس کی کہ تیری ہمسائیگی میں ایسی صورت تھی اور تو ہمسایہ کے حال سے بالکل بے خبر تھا' تو میں کیا جواب دوں گا؟

﴿مینارۂ نور﴾

مالک بن دینار رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا وہاں ایک ٹوٹا ہوا کوزہ رکھا ہے۔ جس سے وہ پانی پیتی اور وضو کرتی ہیں' ایک پرانا بوریا ہے جس پر وہ بیٹھتی اور لیٹتی ہیں اور ایک اینٹ ہے جس پر وہ سر رکھتی ہیں میں نے کہا!

''رابعہ رحمتہ اللہ علیہ! میرے کئی دوست ہیں جو امیر ہیں۔ اگر اجازت ہو تو ان

سے تمہارے لئے کچھ طلب کروں؟''

انہوں نے کہا! ''تم نے غلط سوچا' کیا میرا اوران کا روزی رساں ایک نہیں؟''۔

میں نے کہا ''بے شک ایک ہے''۔

فرمایا: ''کیا اس نے درویشوں کی روزی درویشی کے باعث فراموش کر دی ہے اور وہ امیروں کو ان کی امارت کے باعث یاد رکھتا ہے''۔

میں نے جواب دیا۔ ''نہیں''

فرمایا: ''جب وہ سب حال جانتا ہے تو اسے کچھ کیوں یاد دلاؤں۔ جب وہ ایسا چاہتا ہے تو ہم بھی ایسا ہی چاہتے ہیں''۔

دلیل

ایک مرتبہ ہارون الرشید کو ایک لونڈی کی ضرورت پیش آئی تو اس کے پاس دو لونڈیاں لائی گئیں' ایک کا رنگ کالا تھا اور ایک کا گورا۔

ہارون الرشید نے کہا ''مجھے تو ایک لونڈی درکار ہے لیکن میں تم دونوں میں سے اپنی خدمت کے لئے اسے رکھوں گا جو اپنے رنگ کے بارے میں اچھی دلیل دے گی''۔

چنانچہ گوری لونڈی نے اپنے رنگ کی کچھ خوبیاں بیان کیں تو کالی نے کہا۔

''حضور دیکھئے' اگر اس کا سفید رنگ ذرا سا بھی میرے چہرے پر آ جائے تو لوگ مجھے پھلبہری کی مریضہ کہیں گے لیکن اگر میرا ذرا سا رنگ بھی اس کے چہرے پر چلا جائے تو لوگ اسے تل کا خطاب دیں گے''۔

یہ سن کر ہارون الرشید نے اسے کام کے لیے رکھ لیا۔

دولت نا قابلِ قبول

ایک مرتبہ ایک فقیر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں ایک مالدار

شخص بھی بیٹھا ہوا تھا' اس نے اپنے خوبصورت لباس کو فقیر کی طرف سمیٹا' پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: 'کس وجہ سے تو نے ایسا کیا؟ کیا تو ڈر گیا کہ اس کی غربت تیرے پاس آجائے گی یا تیری امارت اس کے پاس چلی جائے گی؟'

مالدار شخص نے کہا ''یارسول اللہ ﷺ یہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے' اس کی وجہ سے میں اپنی آدھی دولت اس فقیر کو دیتا ہوں''۔

جنابِ رسولِ خدا ﷺ نے اس فقیر سے فرمایا: ''کیا تمہیں قبول ہے؟''۔

فقیر نے جواب دیا ''نہیں''۔

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''کیوں''۔

تو اس نے جواب دیا ''میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا ہی نہ ہو جاؤں جیسا یہ شخص ہے''۔

بادشاہ کا عدل نفلی عبادت

ایک بادشاہ نے حج کا ارادہ کیا۔ ارکانِ سلطنت سے مشورہ کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ کی مثال جان کی اور سلطنت جسم کی مانند ہے۔ جس وقت بادشاہ کا سایہ ملک سے اٹھ گیا بہت سی خرابیاں واقع ہوں گی۔ بادشاہ نے کہا پھر یہ ثوابِ حج کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس سلطنت میں ایک درویش ہے' جو سات حج کر چکا ہے اور گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہے ممکن ہے کہ ایک حج کا ثواب آپ کے ہاتھ فروخت کر دے۔ بادشاہ فقیر کی خدمت میں گیا اور کہا کہ میرا ارادہ حج کا ہے مگر ارکانِ سلطنت خرابی مملکت کے خیال سے منع کرتے ہیں۔ کیا آپ ایک حج کا ثواب میرے ہاتھ فروخت کر سکتے ہیں؟ فقیر نے کہا ''میں سب حجوں کا ثواب فروخت کرتا ہوں''۔

بادشاہ نے کہا ''ہر حج کی کیا قیمت لو گے؟ کہا ''ہر حج کے لئے جو قدم میں نے اٹھایا ہے' تمام دنیا کی قیمت کے برابر ہے۔ بادشاہ نے کہا! میرے قبضے میں تو دنیا کا تھوڑا سا

ملک ہے اور آپ ایک قدم کی اتنی قیمت مانگتے ہیں' تو پھر کیسے معاملہ ہو سکتا ہے؟''۔

درویش نے کہا ''اے بادشاہ! میرے تمام حجوں کی قیمت آپ کے نزدیک بہت آسان ہے' بادشاہ نے کہا ''وہ کس طرح؟'' فقیر نے کہا'' جس کسی مظلوم کی تم نے داد رسی کی ہے' اس گھڑی کے عدل کا ثواب تم مجھ کو دو' میں تمہیں سات حجوں کا ثواب بخش دیتا ہوں''۔ پس معلوم ہوا کہ بادشاہ کے لئے عدل نفل عبادت سے برتر ہے۔

﴿بچھو کی فطرت﴾

ایک دفعہ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ دریا کے کنارے بیٹھے تھے۔ اچانک آپ کی نظر ایک بچھو پر پڑی۔ جو پانی میں ڈوب رہا تھا۔ حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ نے بچھو کو پکڑا تو اس نے ڈنگ مار دیا۔ کچھ دیر بعد وہ بچھو دوبارہ پانی مین جا پڑا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ اسے نکالنے کے لئے دوبارہ آگے بڑھے اور بچھو نے اپنی فطرت کے مطابق دوبارہ ڈنگ مار دیا۔

چار بار یہی واقعہ پیش آیا' آخر ایک دوست سے خاموش نہ رہا گیا۔ اس نے جھنجلا کر کہا۔

''شیخ! آپ رحمتہ اللہ علیہ کا یہ عمل ہماری عقل سے بالاتر ہے۔ بچھو ڈنگ مارے جا رہا ہے اور آپ اسے نکالنے سے باز نہیں آتے''۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے شدید تکلیف کے عالم میں بھی مسکراتے ہوئے فرمایا: ''جب وہ برائی سے باز نہیں آتا تو پھر میں نیکی کرنے سے کیوں باز رہوں''؟

﴿چیونٹی کی ذہانت﴾

ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ جا رہے تھے۔ راستے میں

بہت زیادہ چیونٹیاں تھیں۔ انہیں چیونٹیوں کی ملکہ کی آواز سنائی دی۔ ''اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ سلیمان علیہ السلام کا لشکر آرہا ہے۔ وہ تمہیں کچل دے گا۔

یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو بہت غصہ آیا' انہوں نے چیونٹی اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھ لی اور کہا۔

''اے چیونٹی! تو نے اس طرح کیوں کہا؟ کیا میں اتنا ہی ظالم ہوں''۔

چیونٹی نے جواب دیا ''میں نے اس لئے کہا ہے کہ چیونٹیاں بہت زیادہ ہیں''۔

سلیمان علیہ السلام نے کہا!

''اچھا یہ بتاؤ کہ تم عظیم ہو کہ میں''۔

چیونٹی نے جواب دیا ''میں عظیم ہوں''

سلیمان علیہ اسلام نے کہا ''وہ کیوں؟''

چیونٹی نے کہا! ''نبوت کے پاؤں زمین پر اور میرے پاؤں نبوت کی ہتھیلی پر ہیں''۔

جذبہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی انگشتری میں ایک ایسا نگینہ جڑا ہوا تھا جس کا صحیح اندازہ جوہری بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ایک دفعہ سخت قحط پڑ گیا۔ لوگ بھوکے مرنے لگے۔ حضرت عمر کو ان حالات کا علم ہوا تو لوگوں کی امداد کے لئے اپنی انگشتری کا وہ قیمتی نگینہ بھی فروخت کر دیا اور جو قیمت ملی اس سے اناج خرید کر تقسیم کر دیا۔

جب اس بات کا علم آپ کے خیر خواہوں کو ہوا تو ان میں سے ایک نے کہا!

''یہ آپ نے کیا کیا؟۔ ایسا بیش بہا نگینہ بیچ دیا''۔

حضرت نے یہ بات سن کر فرمایا:

''وہ نگینہ مجھے پسند تھا لیکن میں یہ بات گوارا نہیں کر سکتا کہ لوگ بھوک سے تڑپ

رہے ہوں اور میں قیمتی انگوٹھی پہنے بیٹھا رہوں۔
کسی حکمران کے لئے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ لوگوں کو تکلیف میں مبتلا دیکھے اور اپنے آرام اور زیب وزینت کے سامان کو عزیز رکھے‘‘۔
یہ فرماتے ہوئے آپ کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

کریے تو ڈریے‘ نہ کریے تو بھی ڈریے

ایک دکاندار کا اس قول پر اعتقاد تھا کہ ’’کریے تو ڈریے‘ نہ کریے تو بھی ڈریے‘‘ ایک بزاز جو اس کے قریب کی دکان میں تھا‘ وہ اس قول کے بالکل خلاف تھا اور اکثر ان دونوں کی اس بارے میں بحث ہوا کرتی تھی۔ ایک روز ایک شخص نہایت شاندار پوشاک پہنے‘ امیرانہ صورت بنائے اور اس کے ساتھ خدمت گار ایک بچے کو کندھے سے لگائے بزاز کی دکان پر آیا۔ بہت سا کپڑا خریدا اور بعد ازاں خدمت گار کو مع بچہ دکان پر چھوڑ کر روپیہ لینے گھر گیا اور تمام کپڑا ساتھ لیتا گیا۔ جو قریباً ایک ہزار روپے کا تھا‘ تھوڑی دیر کے بعد نوکر نے اس بچے کو جو کندھے سے لگا ہوا سوتا ہوا معلوم ہوتا تھا‘ بزاز کی دکان پر لٹا کر کپڑا اڑھا دیا اور آپ پانی پینے کے بہانے سے کافور ہو گیا۔
جب بہت عرصہ گزرا اور شام ہو گئی نہ بچہ سوتا اٹھا‘ نہ خدمت گار آیا اور نہ ہی آقا روپیہ لے کر پھرا۔ اس وقت بزاز کو فکر ہوئی۔ اس نے بچے کو اٹھایا تو مردہ پایا۔ بزاز کے ہوش اڑ گئے‘ اسی فکر میں حواس باختہ بیٹھا تھا کہ اتنے میں وہ امیر آدمی اور خدمت گار آ گئے اور اس بچے کو مردہ دیکھ کر بہت غصہ میں آ گئے اور کہا کہ تم نے لڑکے کا گلا گھونٹ کر مار دیا۔ آخر بڑی منت سماجت کے بعد ایک ہزار روپیہ اور لے کر بصد مشکل ٹلے اور بزاز کو اس قول پر اعتقاد ہو گیا اور اللہ کا خوف دل پر چھا گیا اور ایسی ناگہانی آفت سے اس کی پناہ مانگنے لگا اور کہنے لگا ’’کریئے تو ڈریے اور نہ کریے تو بھی ڈریے‘‘۔

﴿شکایت کی پٹی﴾

ایک مرتبہ ایک شخص ماتھے پر پٹی باندھے حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے سے گزرا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا۔

''میرے سر میں شدید درد ہے''

حضرت رابعہ نے پوچھا۔

''تم اپنی تیس سالہ زندگی میں کبھی بیمار ہوئے؟''

اس شخص نے نفی میں جواب دیا۔

حضرت رابعہ نے فرمایا: ''تیس سال صحت کی دولت سے مالا مال رہنے کے باوجود تو نے کبھی اپنے سر پر شکر کی پٹی نہیں باندھی۔ آج تیرے سر میں درد ہو گیا تو مخلوق خدا کے سامنے شکایت کی پٹی سر پر باندھے پھرتا ہے۔

﴿پیدائشی مسلمان﴾

بڑی عمر کے لوگوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے شخص تھے۔ جنہوں نے اسلام قبول کیا' آپ عرب کے مشہور قبیلے قریش سے تھے اور شہر مکہ کے سرداروں میں گنے جاتے تھے۔ آپ تجارت کا کام کرتے تھے اور اس کام کی وجہ سے کافی خوش حال تھے۔

ماں باپ نے آپ کا نام عبدالکعبہ رکھا تھا لیکن جب آپ مسلمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے آپ کا نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ ابوبکر آپ کی کنیت تھی اور صدیق لقب۔

☆......☆......☆

زندگی کو بدل دینے والی رومی، سعدی اور اولیاء کرام کی حکایات پر مبنی

حکایات

کا خوبصورت انسائیکلوپیڈیا

مقدس عدیل